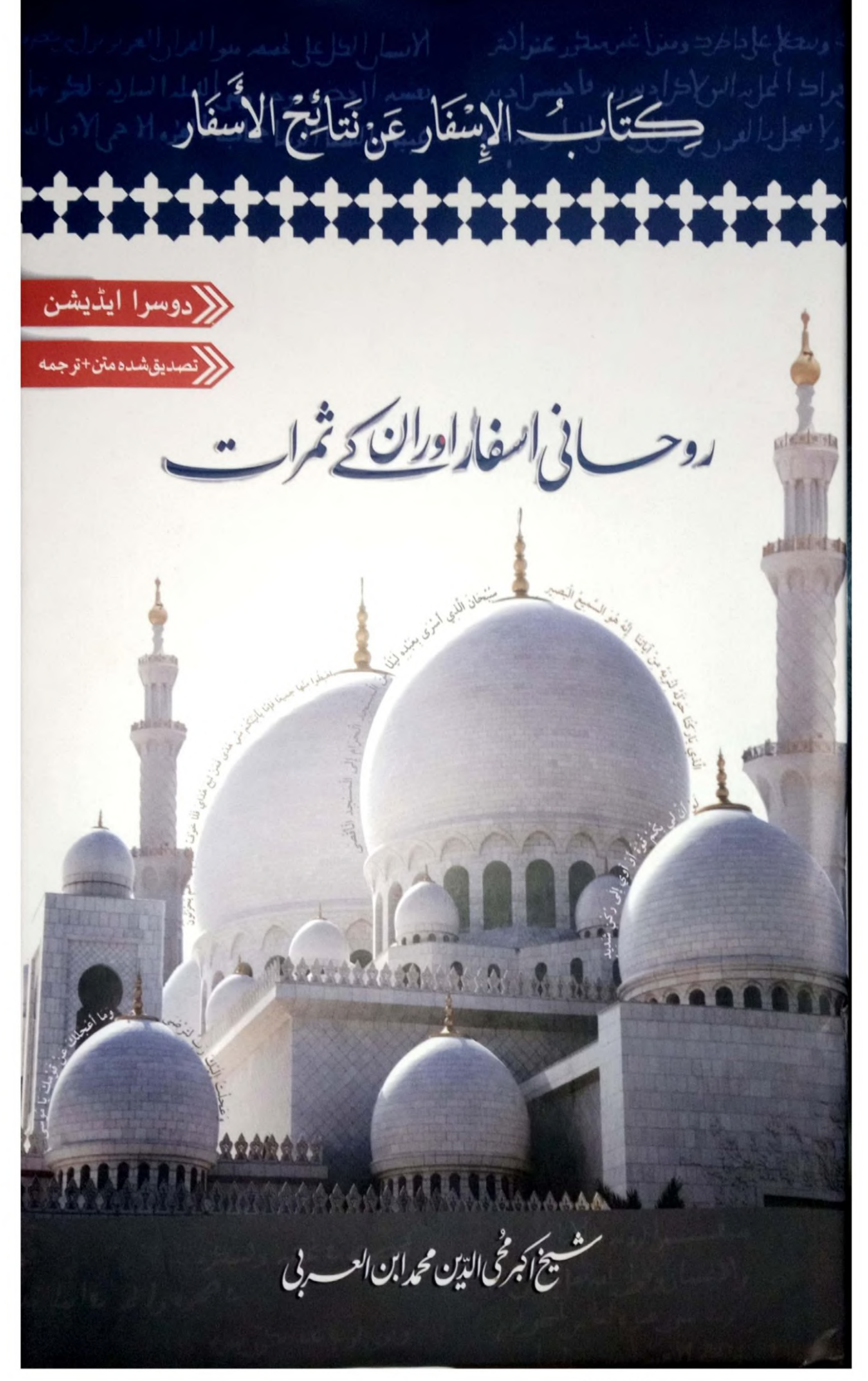

كتاب الإسفار عن نتائج الأسفار
دوسرا ایڈیشن
تصدیق شدہ متن+ترجمہ
روحانی اسفار اور ان کے ثمرات
شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی

مخطوط يوسف آغا ٤٨٥٩

دام سعدا وسعد في حسبه

ربما عل سببه نعوب

انه صرا على ما يخشى

نعصر عنه صبرا بوب

لولا الحوو التعص وانما رضى

وانه لبس فحاو بث

وانما مطلي منه الا

نقله فراك ترعو ب

والامر اسى وسر الوب

اساله الوصال محبوب

واعلم ان الذين تحققوا مقام العبوديه يعرض صاحبه للبلا

ثم انه من شان هذا الموطن انه لا يكمل بيه عمر عن لا حسر

ولا راحة ولما وهب الله عن الحسن يوسف عليه السلام ابتلى

بذل الرقق وبيع ذلك الحسن العالي الذي لا يقاومه

شي بيع بثمن بخس دراهم معدوده من بلاد دراهم العشره

لا غير وذلك مبالغه في الازاء يعلوم مبالغه عن الحسن

ثم سلب الرحمه من قلوب الاخوه والحسن من حوم ابا بكل وجه

كِتَابُ الإِسْفَار عَن نَتائِجِ الأَسفار

روحانی اسفار اور اُن کے ثمرات

تصنیف

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی
الحاتمی الاندلسی

تحقیق و ترجمہ

ابرار احمد شاہی

ابن العربی فاؤنڈیشن
www.ibnularabifoundation.org
0334-5463996

نام کتاب: كتاب الإسفار عن نتائج الأسفار
روحانی اسفار اور اُن کے ثمرات

تصنیف: شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی الطائی الحاتمی الاندلسی

عربی متن: ابرار احمد شاہی

اردو ترجمہ: ابرار احمد شاہی

معاونت و پروف: ملک ہمیش گل، نذیر احمد

ہدیہ: پاکستان میں -/[illegible]، انٹرنیشنل -/US $ 25

نشرواشاعت: ابن العربی فاؤنڈیشن

رابطہ نمبر: 0334-5463996, 03345463991

www.ibnularabifoundation.org

انتساب

دادا مرشد شیخ سید لعل حسین شاہ قادری الحسنی والحسینی (مندر شریف والے) کے نام!

یہ آپ کے فیض کا سلسلہ اور روحانی تصرف ہی ہے کہ ابن العربی فاؤنڈیشن میں شیخ اکبر محی الدین ابن العربی جیسی عظیم ہستی کے علوم کی تحقیق اور اشاعت کا کام جاری و ساری ہے۔ ہم اپنی اس کوشش کو آپ کے نام منسوب کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالی سے دعا گو ہیں کہ ہمیں اس کام میں استقامت اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے، وہ تو اس بات پر قادر ہے۔

آمین، یارب العالمین

ابرار احمد شاہی

فہرست کتاب

اظہار تشکر

اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم شیخ اکبر محیی الدین محمد بن علی بن محمد ابن العربی الطائی الحاتمی کی کتاب "الإسفار عن نتائج الأسفار" "روحانی اسفار اور ان کے ثمرات" کے دوسرے ایڈیشن کو تصدیق شدہ عربی متن اور سلیس اردو ترجمے کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہم اُس پاک ذات کے مشکور ہیں جس نے ہمیں اِس عملِ صالح کی توفیق دی اور ایسے وسائل مہیا کیے جن کی مدد سے ہم اِس منزل کو احسن طریقے سے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ میں اس سلسلے میں ان لوگوں کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی حمایت اور تعاون کے بغیر اس منصوبے کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ممکن نظر نہ آتا تھا۔

ہم محقق ڈینی گرل Denis Gril اور اسٹیفن ہرٹنسٹائن Stephen Hirtenstein کے خصوصی شکر گزار ہیں کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن اِن کے فراہم کردہ متن سے وجود میں آیا تھا۔ اِس دوسرے ایڈیشن میں پہلے ایڈیشن سے قطع نظر سات مخطوطات سے متن کو دوبارہ اخذ کیا گیا ہے۔

اِس دوسرے ایڈیشن کے پروف کے لیے ہمیں ملک ہمیش گل اور نذیر احمد صاحب کا تعاون حاصل رہا۔ کتاب کو موجودہ صورت میں لانے، خاص طور پر زبان کی درستگی اور پروف پر بہت کام کیا۔ اللہ ان تمام لوگوں کو اِس عمل کی بہترین جزا دے اور اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے آمین! یارب العالمین۔

ابرار احمد شاہی

پیش لفظ

الحمد لله على إحسانه وصلى الله على محمد وبارك عليه وآله وصحبه وسلم تسليما كثيرا، أما بعد: شیخ اکبر محیی الدین محمد بن علی بن محمد ابن العربی الطائی الحاتمی کے علوم کے احیا کا سفر ہمارے لیے حقائق شناسی کا ایک لا متناہی سلسلہ بن گیا ہے، بیشک کتاب الاسفار کا یہ دوسرا ایڈیشن اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آج کے اِس عقلی دور میں بنی نوع انسان نے صدیوں کے سفر سالوں میں طے کر لیا ہے لیکن اِسی عقل پرستی نے ہماری روحانی جہت کو محجوب اور محبوس کر کے رکھ دیا ہے، آج ہمارے جسم آزاد ہیں اور ہماری روحیں قید ہیں، ہم جسمانی فاصلے تو لمحوں میں طے کرتے ہیں لیکن ہمارے روحانی اسفار زوال پذیر ہیں۔ آج کے اس پُر فتن دور میں شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو عوام الناس میں روشناس کروانے کا مقصد انہی روحانی سلسلوں سے اپنا رابطہ پھر سے استوار کرنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ کتاب اِن "روحانی اسفار" کے حقائق اور معارف پر نہ صرف مطلع ہونے کا ایک ذریعہ ہے بلکہ ہمیں وہ عملی نمونہ بھی بتاتی ہے جس پر کار بند ہو کر ہم اپنے نفوس میں ان روحانی اسفار کا معائنہ کر سکتے ہیں۔ کتاب کے مضامین کو کتاب میں ہی ملاحظہ کیجئے یہاں میں آپ کو صرف اس کتاب پر ہونے والے تحقیقی مراحل سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ پر بھی یہ واضح ہو سکے کہ ابن العربی فاؤنڈیشن کا یہ سفر تحقیق کے مستند اصولوں اور قابل بھروسا مصادر سے اخذ شدہ معلومات پر مبنی ہے۔

حیدر آباد دکن سے اشاعت

رسالہ اسفار کے عربی متن سے ہمارا پہلا تعارف حیدر آباد دکن سے سن ۱۹۳۸ء میں شائع شدہ کتاب رسائل ابن العربی کے توسط سے ہوا۔ یہ اس کتاب کی پہلی اشاعت تھی جس کی عربی عبارت کتب خانہ آصفیہ (نمبر ۳۷۶ میں موجود مخطوطات جو کہ سن ۹۹۷ ہجری میں نقل کیے گئے

تھے) کے ایک قلمی نسخے کو بنیاد بنا کر اخذ کی گئی تھی، چنانچہ جدید علمی تحقیق کے تقاضوں کے برخلاف یہ اشاعت اپنے اندر بہت سی غلطیاں سموئے ہوئے تھی۔ اس اشاعت کے ٹھیک ۲۶ سال بعد سن ۱۹۶۴ء میں محقق عثمان اسماعیل یحیٰی نے شیخ اکبر کی کتابوں اور مخطوطات پر مبنی اپنی تحقیق "تالیفات ابن العربی؛ تاریخ و ترتیب" شائع کر کے علوم ابن العربی کے دیوانوں میں ایک ہلچل سی مچا دی۔ اس کتاب میں شیخ اکبر کی کتابوں کے ان تمام مخطوطات کا تذکرہ ملتا ہے جو دنیا بھر کے کتب خانوں میں اب بھی موجود ہیں اور کتابی صورت میں وجود پذیر ہونے کے لیے مزید تحقیق کے متقاضی ہیں۔

ڈینی گرل کا تحقیق شدہ متن

جب یورپ کے اہل علم حلقوں میں ان مخطوطات کی بازگشت سنائی دی تو وہاں پر موجود اہل علم حضرات میں سے کچھ نے ان مخطوطات سے استفادہ کرنے اور شیخ اکبر کی کتابوں کو جدید تحقیق کے مطابق شائع کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ فرانس میں میشل والسن Michel Valsan بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو علوم شیخ اکبر سے دیوانگی کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔ اس بات کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ فرانسیسی زبان میں شیخ اکبر کے علوم کو عام کرنے اور ان کی کتابوں کے مستند تراجم کرنے اور کروانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ عثمان یحیٰی کی تحقیق کے ۲۷ سال بعد ایک روز آپ نے ایک فرانسیسی محقق ڈینی گرل کو اس بات پر اکسایا کہ وہ شیخ اکبر کے رسالہ اسفار کے تحقیق شدہ عربی متن اور فرانسیسی ترجمے پر کام شروع کریں۔ ڈینی گرل لکھتے ہیں:

"پہلے پہل تو میں نے دیگر مصروفیات کا بہانہ بنا کر بات کو ٹالنا چاہا مگر میرے مشفق مسلسل اصرار کرتے رہے کہ مجھے یہ ذمہ داری قبول کر لینی چاہیے۔ میری ہچکچاہٹ کی وجہ میرا یہ خوف تھا کہ یہ منصوبہ مجھے میرے اساسی موضوع۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے نزدیک تفسیر قرآن۔ سے ہٹا دے گا۔ اولاً مجھے اس بات کا ادراک نہ ہوا کہ یہ تحقیق میرے اس اساسی موضوع کے قلب میں ہی واقع ہے کیونکہ یہ کتاب ہمیں قرآن و حدیث کے اسفار پر سفر کرنے اور ان کے فوائد حاصل کرنے پر اکساتی ہے۔" مگر بعد میں میشل والسن کے مسلسل اصرار پر آپ نے یہ ذمہ داری

قبول کر لی اور یوں رسالہ اسفار کے پہلے تحقیق شدہ عربی متن کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ ڈینی گرل نے اپنی اس تحقیقی اشاعت کے لیے ۶ مخطوطات کا انتخاب کیا۔ آپ لکھتے ہیں: "یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ کتب خانہ یوسف آغا میں موجود قلمی نسخہ نمبر ۴۸۵۹ تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی۔" چنانچہ سن ۱۹۹۴ء میں ڈینی گرل نے اس کتاب کا پہلا تحقیق شدہ عربی متن بمع فرانسیسی ترجمے کے پیرس سے شائع کیا۔ یوں ۱۹۹۴ء سے لے کر اب تک یہ اشاعت ہی اس کی حتمی اشاعت تصور ہوتی رہی اور اسی پر بھروسا کیا جاتا رہا۔ یہ اشاعت حیدر آباد دکن کی پہلی اشاعت سے بہت بہتر تھی کتاب کو پہلی بار حواشی اور مکمل ترجمے کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کی تخریج کی گئی تھی اور مشکل مقامات پر شیخ اکبر کی دیگر کتب سے حواشی دیئے گئے تھے۔

ابن العربی فاؤنڈیشن کا پہلا ایڈیشن

اِس اشاعت کے ۱۵ سال بعد - سن ۲۰۰۹ء - میں جناب اسٹیفن ہرٹنسٹائن نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس کتاب کو انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کرنا چاہتے ہیں تو ان کے پیش نظر کتب خانہ یوسف آغا (۴۸۵۹) کا وہی قلمی نسخہ تھا جسے آج تک شیخ اکبر کی تحریر سمجھا جاتا تھا۔ اِس قدیمی نسخے کے مہیا ہو جانے کے بعد سب سے بڑا کام ڈینی گرل کی تحقیق شدہ نص کا اِس سے موازنہ کرنا اور نص کو اِس نسخے کے مطابق ڈھالنا تھا۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا، بلکہ ایک ایک لفظ کو درست تشکیل دینے کا صبر آزما عمل تھا۔ یہ انہی دنوں کی بات ہے جب ہم اپنی کتاب ۱۰۱- احادیث قدسی کی اشاعت کے بعد کتاب الاسفار پر کام کرنے کا سوچ رہے تھے۔ جب مجھے اسٹیفن ہرٹنسٹائن کے اس عزم کا علم ہوا تو میں نے ان سے رابطہ کیا اور ابن العربی فاؤنڈیشن سے رسالہ اسفار کے عربی اور اردو متن شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے فوراً ہمیں بھی اس پراجکٹ میں شریک کر لیا اور طے یہ پایا کہ اس آخری موازنے کے صبر آزما مراحل کو ہم یہاں ابن العربی فاؤنڈیشن میں ہی مکمل کریں گے۔ بس پھر کیا تھا فوراً آپ نے عربی متن اور نسخۂ یوسف آغا ہمیں ارسال کیا اور تحقیق کا یہ عمل شروع ہوا۔

نسخہ یوسف آغا جس حالت میں ہمارے سامنے آیا اس میں چند مسائل تھے، اور ان کی دو بنیادی وجوہات تھیں:

۱. ایک تو یہ ایک نامکمل نسخہ تھا، نسخے کے پہلے چند اوراق غائب تھے اور وہاں پر کسی دوسرے کاتب نے اپنے خط سے عبارت لکھ کر اس نسخے میں شامل کر دی تھی چنانچہ ان پہلے صفحات کے لیے اس نسخے پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۲. دوسری وجہ نسخے کا جلدی میں نقل کیا جانا تھا۔ اس قدیمی نسخے کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے کاتب نے جلدی میں لکھا ہے یا پھر اس کا رسم الخط ہی ایسا ہے، یہ شیخ اکبر کی زندگی کے آخری سال سن ۶۳۸ھ میں نقل کیا گیا۔ ایک دو مقامات پر عبارت میں رہ جانے والے لفظ حاشیے میں درست کیے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ نقل شدہ ہے۔ نسخے کا جلدی میں نقل کیا جانا اس وجہ سے بھی واضح ہے کہ زیادہ تر الفاظ نقطوں سے عاری ہیں۔

ان دو وجوہات کی بنا پر ایک بات تو بالکل واضح تھی، وہ یہ کہ اگر ہمیں اِس رسالے کا ایک بہترین متن تیار کرنا ہے تو ہم صرف اِس ایک نسخے پر بھروسا نہیں کر سکتے، اگرچہ یہ قدیمی اور سب سے بہترین نسخہ ہے لیکن اس کی موجودہ حالت اور سکین کوالٹی بالکل بھی مددگار نہیں۔ اِسی لیے دیگر قدیمی نسخوں سے مدد لینا ہمارے لیے ناگزیر ہو گیا۔ ڈینی گرل نے اپنا شائع کردہ تحقیق شدہ متن چھ دیگر نسخوں سے تیار کیا تھا جن کے تمام متغیر الفاظ ہمارے پاس حواشی کی شکل میں موجود تھے۔ ہم نے متن میں غلطی کے امکان کو اور کم کرنے کے لیے دو مزید نسخوں کا سہارا لیا۔ ان میں سے ایک کاتب فخر الدین خراسانی کا وہ نسخہ ہے جو آپ نے ۸۱۴ھ میں ملک یمن کے شہر زبید میں نقل کیا اور دوسرا نیشنل لائبریری پاکستان میں موجود وہ نسخہ جسے سن ۱۳۲۴ھ میں کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں نقل کیا گیا تھا۔

ابن العربی فاؤنڈیشن کا دوسرا ایڈیشن

بحمد اللہ اب ہم اس کتاب کا دوسرا تحقیقی اور جدید ایڈیشن قارئین کے سامنے پیش کر رہے

ہیں۔ اسے کسی صورت بھی پہلے ایڈیشن پر نظر ثانی نہ سمجھا جائے بلکہ نئے مصادر، نئے ترجمے اور اضافہ شدہ حواشی کے ساتھ یہ مکمل نئی کتاب ہے۔ ابن العربی فاؤنڈیشن سے یہ کتاب سن ۲۰۱۰ء میں پہلی بار شائع ہوئی، اور پھر سن ۲۰۱۲ء میں دوبارہ اسی ایڈیشن کو طبع کروایا گیا۔ سن ۲۰۱۶ء میں ہم نے جب دوبارہ اس کو طبع کروانے کا سوچا تو ہمیں یہ بتایا گیا کہ اس ایڈیشن میں ابھی اغلاط باقی ہیں چنانچہ اصلاح کی گنجائش بھی باقی ہے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ چلو عربی متن کو دوبارہ سے دیکھ لیتے ہیں اور اگر ممکن ہوا تو ترجمے کی اغلاط بھی ٹھیک کر دیں گے، لیکن جب ہم نے نظر ثانی کا یہ عمل شروع کیا تو ہمیں پہلے صفحے سے ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ کتاب ایک نئی تحقیق کی متقاضی ہے، چونکہ پچھلی اشاعت میں ہمارا تمام تر بھروسا ڈینی گرل کے متن پر تھا اور ہم نے صرف دو یا تین مخطوطات سے عبارت کا موازنہ کیا تھا لہذا متن میں جابجا مسائل نظر آنے لگے، خاص طور پر حاشیے میں جہاں دیگر مخطوطات کے متغیر الفاظ درج ہوتے ہیں۔ لہذا ہم نے اس کتاب کو از سر نو تحقیق کرنے کی ٹھانی اور اس سلسلے میں جناب ڈینی گرل کی تحقیق کو یک سر نظر انداز کر کے ان آٹھ مخطوطات پر مکمل بھروسا کیا ہے جو اُس وقت ہماری نظر میں اِس رسالے کے دستیاب بہترین نسخے ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ ان میں تین یا چار وہی نسخے ہیں جو ڈینی گرل نے اپنی تحقیق میں شامل کیے تھے لیکن ہم نے براہ راست متن انہی نسخوں سے اخذ کیا اور پرانی تحقیق کی طرف نظر نہیں کی۔ ان تمام مخطوطات کی تفصیل آپ مخطوطات کے عنوان تلے دیکھ سکتے ہیں۔ یہاں پر میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس نئی تحقیق کے بعد ہم نے عربی متن میں ۳۰ سے ۳۵ الفاظ کو تبدیل کیا ہے۔ ان سے متن اور معانی میں کافی حد تک تبدیلی آئی ہے۔ پھر ہم نے دوبارہ اِس کتاب کا مکمل اردو ترجمہ کیا، پچھلی اشاعت کی خامیوں کو دور کیا اور حواشی کا اضافہ کیا۔

ہمارا اس تحقیق میں دیگر قلمی نسخوں سے استفادہ کرنا مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ہے:

۱. نسخہ یوسف آغا میں متن کے ابتدائی چند صفحات موجود نہیں۔

۲. نسخۂ اصلی کی پچاس فیصد عبارت نقطوں سے عاری ہے اور نقطوں کے بغیر الفاظ کا حقیقی تعین ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کسی لفظ کا نقطوں سے عاری ہونا دو طرح سے ہوتا ہے:

- ایک جب عبارت پڑھتے ہوئے نقطے نہ ہونے کے باوجود بھی لفظ واضح ہو جائے اور

پڑھنے والا بغیر کسی دشواری کے اصل لفظ تک پہنچ جائے۔ اس کی بے شمار وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً اگر عبارت میں قرآن مجید کی آیت ہو تو محقق فورا پہچان جاتا ہے اسی طرح احادیث نبویہؐ یا مشہور اقوال وغیرہ۔ یا پھر عبارت پڑھتے ہوئے یہ سمجھ آ جاتی ہے کہ یہاں کن کن لفظوں پر نقطے ہونے چاہییں۔

- دوسرا عبارت پڑھتے ہوئے لفظ کا واضح نہ ہونا بلکہ نقطوں سے عاری اور نقطے لگے ہوئے دونوں الفاظ کا پوری طرح عبارت میں ایسے ضم ہو جانا کہ دونوں لفظ ہی صحیح معلوم ہوتے ہوں۔ ایسی صورت میں قرائن واحوال کے ذریعے درست لفظ کا تعین کیا جاتا ہے۔

۳. چونکہ کتبِ شیخ اکبر کے متون پر تحقیق ایک تدریجی عمل ہے تو ہم یعنی آج کے محققین ان سابقین کی محنت سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم لوگ بھی اجتہاد کرتے ہیں اور مصیب یا مخطی ہوتے ہیں۔

شیخ اکبر کی کتب میں حتمی عبارت کا حصول صرف مخطوطات اور ان کے تقابل پر ہی موقوف نہیں بلکہ چند دیگر عوامل بھی اس میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱. سب سے پہلے عربی زبان کے اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے اور ان سے مدد لی جاتی ہے۔

۲. عبارت کو مزید نکھارنے کے لیے شیخ اکبر کے دیگر کلام سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ مثلاً اگر آپ نے فتوحات مکیہ یا دوسری کسی کتاب میں انہی مطالب کو بیان کیا ہے تو وہاں پر الفاظ اور جملے کی ساخت دیکھی جاتی ہے اور اگر دونوں عبارتوں میں مشابہت پائی جائے تو اس دوسری عبارت سے کافی حد تک مدد مل جاتی ہے۔

۳. بعض اوقات مشکل مقامات پر مفاہیم شیخ اکبر بھی کافی رہنمائی کرتے ہیں یعنی آپ کے ہاں کوئی بات اگر ایک دفعہ واضح کر دی جائے تو عموماً وہ تبدیل نہیں ہوتی اور اگر آپ کسی جگہ کوئی دوسری رائے دیں تو بتاتے ہیں کہ پہلے میں اِس بات کا قائل تھا اور اب اس وجہ سے میں نے اپنی وہ رائے ترک کر دی ہے لہذا اب میں اِس بات کا قائل ہوں۔ چنانچہ عبارت کو حتمی بنانے میں اس کے پیچھے مفہوم کافی حد تک اپنا کردار ادا کرتا ہے،

اگر آپ مفہوم کو درست سمجھ گئے آپ کی کافی مدد ہو جاتی ہے۔

۴. پھر عبارت میں موجود قرائن اور احوال درست عبارت کی تشکیل میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ شیخ اکبر ہم معانی الفاظ، مترادف الفاظ، متضاد الفاظ، صوتی آہنگ سے مزین جملے بکثرت استعمال کرتے ہیں جو حتمی عبارت کی تشکیل میں معاون ہوتے ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ ہم نے کتاب الاسفار کی عربی عبارت کی تشکیل میں ان تمام مراحل کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم اِس کتاب کو کافی حد تک شیخ اکبر کی منشاو مراد کے مطابق شائع کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ان سب مراحل کے ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ شیخ اکبر کے چاہنے والوں کو ان متون پر ہونے والی تحقیق کے مراحل سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ بھی ہماری طرح اس عبارت کی درستگی کے حوالے سے بصیرت پر ہوں۔ درست عربی عبارت کو اخذ کرنے کے بعد بھی ہم نے اس عبارت کو اشاعت کے بنیادی اصولوں سے مزین کر کے شائع کیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱. عربی عبارت میں موجود تمام قرآنی آیات کی تخریج کی گئی ہے۔

۲. کتاب میں موجود احادیث نبویہؐ کی کتب احادیث سے تخریج کی گئی ہے۔

۳. کتاب کی عربی اور اردو دو فہرستیں مرتب کی گئی ہیں تاکہ وہ حضرات جو اردو نہیں جانتے اور عربی متن تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے آسانی ہو۔

۴. عربی زبان میں حواشی شیخ اکبر کے کلام سے اخذ کیے گئے ہیں۔

۵. اردو زبان میں مشکل مقامات پر شیخ اکبر کے دیگر کلام سے سیر حاصل حواشی درج کیے گئے ہیں جن سے بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان حواشی میں صرف وہی عبارات لکھی گئی ہیں جن کو اصل عبارت کی شرح محسوس کیا گیا ہے، عبارتی تسلسل کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی مگر یہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ عبارت بھی اپنے اصل سیاق و سباق سے نہ ہٹنے پائے۔

۶. اَسفار اور علوم اِسفار سے آگاہی کے لیے فتوحات مکیہ سے منتخب کلام ایک مقدمے کی صورت میں لکھا گیا ہے؛ تاکہ معرفتِ سفر، مسافر اور سالک کے بارے میں وہ تفصیل



یہاں بیان کی جائے جس کی یہ کتاب متقاضی ہے۔

۷. کتاب کا ترجمہ نہایت سلیس رکھا گیا ہے اور ہر مشکل عربی لفظ کے مقابل اردو لفظ لانے کی کوشش کی گئی ہے الاّ یہ کہ وہ شیخ اکبر کی اصطلاح ہو۔ اردو ترجمے میں مفاہیم کی روانی اور سلاست پر توجہ دی گئی ہے لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر مکمل ترجمہ کماحقہ کرنا ناممکن ہے۔ عربی متن ساتھ پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ کلام سے دلیل پکڑنے کی غرض سے اصل عربی سے رجوع کیا جائے اور ترجمے کو صرف فہم کا ایک ذریعہ سمجھا جائے۔ اگر ہم کسی مقام پر عربی متن اور ترجمے کو شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی مراد کے مطابق نہیں پیش کر سکے تو ہم ان سے معافی کے خواستگار ہیں۔

۸. کتاب کو بڑے سائز پر بہترین صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ اشاعت کتاب کے سلسلے میں بین الاقوامی معیار کو سامنے رکھا گیا ہے۔

آج ہمیں نہایت خوشی ہو رہی ہے کہ اس پاک ذات نے ہمیں اپنے کہے پر عمل کرنے کی توفیق دی اور محض اس کی توفیق اور عطا سے ہی ہم اس منزل کو پانے میں کامیاب ہوئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ہماری نیتیں ٹھیک رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو ٹیڑھا ہونے سے بچائے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران: ۸) یا اللہ تو جانتا ہے کہ ہمارے اس عمل میں بنیادی مقصد تیری رضا کا حصول اور لوگوں تک حق بات کا پہنچا دینا ہے اس لیے ہمارے اس حقیر سے عمل کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخش دے اور ہمیں آئندہ بھی ان اعمال صالحہ کی توفیق دے جو ہمارے لیے تیری طرف سے اس عمل کی قبولیت کی ایک نشانی ہوں۔

ابرار احمد شاہی

اکتوبر ۲۰۱۶ء

روحانی اسفار کی اقسام

سفر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی نتیجے یا مقصد کی طرف رہنمائی کرے، اور یہ نتیجہ اِس سفر کا حاصل یا ثمر کہلائے۔ سو جس قسم کا سفر کیا جاتا ہے ویسا ہی اس کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر سفر لازماً اپنے اندر موجود ثمرات اور نتائج کو آشکار اور عیاں کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور انہی ثمرات کے حصول کے لیے سفر کیا جاتا ہے۔ عربی لفظ سفر کا مادہ "س ف ر" ہے یہ جذر اپنے اندر متعدد معانی کو سموئے ہے۔

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: "سفر اِسفار سے ہے؛ جس کا مطلب ظاہر کرنا یا واضح کرنا ہے، سفر کو اِسی لیے سفر کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مَردوں کے اخلاق عیاں کرتا ہے" مطلب یہ ہر انسان کے اُن اچھے اور بُرے اخلاق کو ظاہر کرتا ہے جن کا وہ شخص حامل ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سفر کا مطلب واضح کرنا یا ظاہر کرنا ہے۔ اسی مطلب کو نظر میں رکھتے ہوئے کتاب النصائح میں شیخ فرماتے ہیں: "اگر سفر عیاں نہ کر سکے تو وہ قابل بھروسا نہیں۔" یعنی اگر سفر کے بعد بھی چیز ظاہر نہ ہوئی تو پھر وہ سفر سفر نہیں کہلائے گا۔

سفر کے لغوی مطلب کو سمجھ لینے کے بعد اب ہم اس کا اصطلاحی مطلب دیکھتے ہیں: فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر لکھتے ہیں: اگر تو ہم سے پوچھے کہ سفر کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے: جب قلب ذکر سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو-چاہے حق سے چاہے نفس سے جیسے بھی-تو وہ مسافر کہلاتا ہے۔ اگر تو کہے: مسافر کون ہے؟ تو ہم کہیں گے: وہ جو اپنی فکر سے معقولات میں سفر کرتا ہے۔ ... اور اگر تو پوچھے کہ سالک کون ہے؟ تو ہم کہیں گے: وہ جو مقامات میں اپنے حال سے چلے نہ کہ اپنے علم سے۔

کتاب اسفار ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تمام موجودات بشمول الوہیت-کچھ وجوہ سے-ایک ایسے عالمی سفر کا حصہ ہیں جس کی دنیا اور آخرت میں کوئی انتہا نہیں، انسان ہمیشہ سے مسافر ہے،

اِسے کسی ایک حالت پر قرار نہیں؛ کیونکہ وجود کی بنیاد حرکت پر ہے اور اگر یہ سکون کرے گا تو اپنی اصل (یعنی) عدم کی طرف لوٹ جائے گا۔ اگر دیکھا جائے تو یہاں اصلاً کوئی سکون نہیں، ہر چیز حرکت میں ہے اور حرکت ہی اِس چیز کو اِس کی موجودہ حالت پر باقی رکھے ہوئے ہے، چنانچہ ہم جب تک سفر میں ہیں یہ عارضی وجود ہمارے ساتھ ہے اور جیسے ہی ہمارا سفر ختم ہو گا ہمارا گھر اور ٹھکانہ اصلی یعنی کہ عدم ہمیں اپنے احاطے میں لے لے گا۔

سفر دو طرح کے ہیں: ایک وہ سفر جس کا ہمیں مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ جو ہماری ظاہری حالت کا تقاضا ہے جیسے کہ سفر تجارت، سفر معیشت، سفر سیاحت، یا وہ اسفار جن سے ہمارے ظاہری وجود کی بقا ہے جیسے کہ زندگی کے لیے ہمارے سانسوں کا سفر وغیرہ۔ دوسرا وہ سفر ہے جس کا ہمیں ذمہ دار بنایا گیا ہے اور جس کو اختیار کرنے میں ہماری بہتری اور بھلائی ہے، یہی سفر شریعت و حقیقت ہے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ روحانی اسفار تین ہیں:

١. اُس تک سفر
٢. اُس سے سفر
٣. اُس میں سفر

اُس تک سفر

پہلا سفر اُس ہستی تک کا سفر ہے یعنی اپنے خالق کی تلاش اور شناخت کا سفر، اس سفر کے مسافر دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو کائنات اکبر میں یہ سفر کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو کائنات اصغر میں یہ سفر کرتے ہیں:

١. اگر ہم کائنات اکبر میں اسے تلاش کریں گے تو ہم تشبیہ، تجسیم اور شرک کی طرف نکل جائیں گے، نعوذ باللہ ہم اُس پاک ذات کی طرف وہ منسوب کریں گے جو اُس کے شایان شان نہیں؛ کیونکہ وہ خود کہتا ہے: ﴿اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے﴾ (الشوریٰ: ١١) وہ سنتا دیکھتا ہے مگر ویسے نہیں جیسے کوئی چیز سنتی اور دیکھتی ہے، لہٰذا بیرونی کائنات میں اس کی تلاش ہمیں حجاب کی طرف لے جاتی ہے اور حجاب ہمیں

گمراہی اور اندھیروں میں بھٹکا دیتا ہے۔ ایسا مسافر اپنی عقل و فہم سے اس تک سفر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسبی علم سے وہبی راستہ ڈھونڈنے میں خود کو تھکاتا ہے۔

۲. دوسرا وہ مسافر جو کائنات اصغر میں یہ سفر کرتا ہے کیونکہ قول نبویؐ ہے: "جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔" وہ اس طرح کہ اس کی اپنی ذات ایک نشانی بن کر اِسے خالق کے وجود کا پتا دیتی ہے۔ یہ وہی نشانی ہے جو رب اور مربوب، خالق اور مخلوق، اِلہ اور مألوہ میں نسبت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس تک پہنچنے کے لیے ہمیں خود اپنے نفوس میں سفر کرنا ہوگا اور یہی سفر ہمیں اُس تک پہنچائے گا۔ اس سفر کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس میں خود کو وہبی شرعی علم کے تابع کیا جائے، ایسا علم جو "علم لدنی" اور "فی انفسکم" کا علم ہے؛ کیونکہ یہ علم بھی اُسی کی طرف سے ہے جس کی طرف سفر کیا جارہا ہے۔ چنانچہ علم بھی دو ہوئے: ایک وہبی اور دوسرا کسبی۔ وہ مسافر جسے وہبی علم دیا گیا وہ اِس سفر میں معصوم اور محفوظ رہتا ہے، اِسے راہ بھٹکنے کا اندیشہ نہیں ہوتا؛ کیونکہ عالِمِ کُلّ خود اِس کا نگہبان اور رہنما ہے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، آخرت میں انہی کے لیے خوشخبری ہے اور یہی حقیقت میں اس تک سفر کرنے والے ہیں۔ اور وہ مسافر جو کسبی علم سے اس کی طرف سفر کی کوشش کرے وہ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

اب جو اُس تک پہنچ جاتا ہے وہ یا تو اُس میں سفر کرتا ہے یا پھر اُس سے واپس کائنات کی طرف لوٹتا ہے، یا پھر اُس میں سفر کرکے اُس سے سفر کرتا ہے۔ سب سے پہلے ہم اُس میں سفر کرنے والوں کی بات کرتے ہیں:

اُس میں سفر

اُس میں سفر کرنے والے بھی دو گروہ ہیں ایک وہ جو اپنی ہمت اور عقل سے اُس ذات میں سفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ فلاسفہ یا ان کی اتباع کرنے والے لوگ۔ اور دوسری وہ نیک اور پاک ہستیاں جنہیں شرف اور رہنمائی کا یہ سفر خود وہ ذات کروائے۔

۱. جو لوگ اُس ذات میں اپنی عقل و فکر سے سفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ گمراہی اور ضلالت کا سفر کرتے ہیں اور ان کا حاصل سفر صرف گمان ہوتا ہے جو یقین کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے: کیا تو نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ ان لوگوں نے دراصل اپنی عقل اور فکر کو اپنا خدا بنایا لہذا خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

۲. دوسرا وہ گروہ جسے وہ ذات خود یہ سفر کروائے، اور یہ سفر حیرت ہے۔ اُس ذات کی حقیقت تک پہنچنا ناممکن ہے اور اس بارے میں صرف اتنا ہی جانا جا سکتا ہے جو وہ خود بتائے، جیسا کہ اُس نے اپنے رسولوں کی زبانی اپنی کچھ اثباتی صفات بتائی ہیں۔ لیکن جب واسطۂ رسالت اٹھا کر تجلیاتِ الہیہ کے راستے سے یہ سب بتایا جاتا ہے تو ایسا علم سوائے حیرت میں اضافے کے اور کچھ نہیں دیتا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ میرے لیے اپنی (ذات کی) حیرت میں اضافہ فرما۔" شیخ اکبر فرماتے ہیں: جس قدر حق تعالی آپ ﷺ کو اپنا (ذاتی) علم عطا کرتا اتنا ہی یہ علم آپ ﷺ کی حیرت میں اضافہ کرتا اور اس کی وجہ اہل کشف کے نزدیک دیکھتے وقت اس ذات کا مختلف صورتوں میں آنا ہی ہے۔ اہل عقل جس قدر عقلی دلیلوں میں پڑ کر اس سے حیرت زدہ ہوتے ہیں اہل کشف مشاہدے میں اُن سے بھی دو ہاتھ آگے حیران ہوتے ہیں۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ یہ دوسری جماعت رسولوں، انبیاء، اولیا اور کاملین میں سے ان منتخب ہستیوں کی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جو رشد و ہدایت خلق کے لیے منتخب شدہ ہیں لہذا جب انہیں علم لدنی عطا کیا جاتا ہے تو واپس اپنے جیسے انسانوں کی طرف بھیجا جاتا ہے تاکہ یہ ان محجوب نفوس کو اپنے مشاہدے کی رُوداد سنا کر انہیں بھی ان اسفار کی دعوت دیں۔

اُس سے سفر

اُس (یعنی معبود حقیقی) سے واپس مخلوق کی طرف رُشد و ہدایت کا سفیر بن کر سفر دو طرح

سے ہے۔ سفر اِجبار اور سفر اِختیار۔ ایک وہ لوگ جنہیں واپس لوٹنے کا اختیار دیا جاتا ہے جیسے کہ شیخ ابو مدین قدس اللہ سرہٗ تھے اور دوسرے وہ لوگ جنہیں اس سفر پر مجبور کیا جاتا ہے۔

۱. شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جنہیں ان کی چاہت کے برعکس واپس لوٹنے کا کہا جائے وہ اس سفر کے مجبور مسافر ہیں جیسے کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جب آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے وراثت اور رشد و ہدایت کی صفات سے متصف کیا اور واپس جانے کا کہا، جب آپ نے ایک قدم ہی اٹھایا تو آپ (جدائی کے خوف سے) بے ہوش ہو گئے، آواز آئی: میرے حبیب کو میرے پاس واپس لے آؤ کیونکہ وہ میری جدائی کا غم برداشت نہیں کر سکتا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ان جیسے لوگ اس ذات کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے لہذا انہیں واپس لوگوں میں آنے کا بھی کوئی شوق نہیں ہوتا، انہیں صاحب حال کہا جاتا ہے۔

۲. دوسرے وہ بلند مرتبت اللہ والے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عبودیت کی وراثت حاصل کی، جب انہیں لوٹنے کا کہا جاتا ہے تو یہ بصد خوشی منصبِ رسالت قبول کرتے ہیں، اللہ کا حکم بجالاتے ہیں اور لوگوں کو اس پاک ذات کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ لوگوں کو اپنے بلند احوال کے قصے نہیں سناتے بلکہ حیلے بہانے کر کے ان سے اپنا مقام چھپاتے ہیں۔ شیخ اکبر کے بقول یہی لوگ عالَم مشاہدہ سے عالم نفوس کی طرف بادشاہت، تدبیر، شریعت اور سیاست کے ساتھ لوٹتے ہیں۔ شیخ ان کو اکبر رجال اللہ اور ملامیہ کہتے ہیں اور نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے سردار ہیں۔ ان بزرگ ہستیوں کے مزید احوال اسی کتاب کے مقدمے میں ملاحظہ کریں۔

علم الاسفار اور منزل ملامیہ

شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۰۹-جو کہ منزل ملامیہ سے متعلق ہے-میں فرماتے ہیں: یہ جان لے کہ اللہ والے تین ہیں، چوتھا کوئی نہیں۔

عُبّاد

وہ لوگ جن پر زہد، نکاح سے بے رغبتی اور تمام نیک افعال کرنے کا غلبہ ہوتا ہے۔ اِن لوگوں نے اپنے باطن کو بھی ہر اُس قابلِ مذمت صفت سے پاک کیا ہوتا ہے جس کی مذمت شارع نے کی، لیکن یہ لوگ جو نیک اعمال کرتے ہیں ان سے بڑھ کر کچھ نہیں دیکھتے، انہیں احوال، مقامات، وہبی علومِ لدنی، اسرار، کشوفات یا جو کچھ دیگر طبقے محسوس کرتے ہیں اُس کی کوئی معرفت نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کو عُبّاد کہا جاتا ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی دعا کی غرض سے آئے، تو ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی اسے جھڑک دے، یا یہ کہے: میں کیا چیز ہوں جو آپ کے لیے دعا کروں؟ میری کیا اوقات؟ احتیاط برتتے ہوئے کہ کہیں اِن میں غرور نہ آ جائے، اور نفس کی چالوں سے خوف کھاتے ہوئے کہ کہیں اس (عمل) میں ریاکاری نہ شامل ہو جائے۔ اگر اِن میں سے کوئی کتاب پڑھتا ہے تو وہ حارث المحاسبی کی (کتاب) "الرعایہ" یا اس طرز کی کتابیں ہی پڑھتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں: عُبّاد عوام سے اپنی زُہد و عبادت اور احوال سے متمیز ہوئے، وہ جسمانی طور پر ان سے دور ہوئے، سو اِن کے لیے بھی جزا ہے۔

صوفی

دوسری قسم ان سے اوپر ہے، یہ تمام افعال کو اللہ (کے افعال) دیکھتے ہیں، اور یہ کہ اِن کا

اصلاً کوئی فعل نہیں، سو اِس لیے اِن سے ریاکاری نکل گئی، اگر تُو ان سے کسی ایسی چیز کے بارے میں پوچھے جس سے اہل طریقت احتیاط برتتے ہیں، تو کہتے ہیں: ﴿کیا تم اللہ کے سوا اوروں کو پکارتے ہو، اگر سچے ہو﴾ (انعام: ۴۰) اور کہتے ہیں: ﴿کہہ دو اللہ، پھر انہیں چھوڑ دے﴾ (انعام: ۹۱) یہ لوگ محنت و کوشش، پرہیز گاری، زہد اور توکل وغیرہ میں عُبّاد جیسے ہی ہیں، لیکن وہ اس کے باوجود دیکھتے ہیں کہ ان سے اوپر بھی کچھ چیزیں ہیں جیسا کہ احوال، مقامات، علوم، اسرار، کشوفات اور کرامات وغیرہ، سو وہ انہیں پانے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب اِن میں سے کوئی چیز پا لیتے ہیں تو عوام میں اِسے کرامات کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں؛ کیونکہ یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھتے، یہی اہل اخلاق اور اہل فُتُوہ (یعنی قوت اور ایثار والے) ہیں، انہیں صوفیا کہتے ہیں، تیسرے گروہ کی نسبت یہ اہل رعونت[1] اور اصحاب نفوس ہیں، ان کے شاگرد بھی انہی جیسے ہوتے ہیں: دعوے کرنے والے؛[2] یہ اللہ کی تمام مخلوق پر اپنی برتری کا اظہار کرتے ہیں، اور اللہ والوں کا سردار ہونا ظاہر کرتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں: صوفیا عوام میں اپنے دعووں اور خلاف عادت باتوں سے متمیز ہوئے: جیسا کہ خواطر پر بات کرنا، اور دعا کا جواب دینا، کائنات میں کہیں سے بھی کھانا، اور ہر خلافِ عادت بات وغیرہ۔ یہ کسی ایسی چیز کو ظاہر کرنے سے نہیں رُکتے جو لوگوں میں ان کی پہچان اللہ والوں کی حیثیت سے کروائے؛ کیونکہ یہ اپنے گمان میں اللہ کے سوا کسی شے کا مشاہدہ نہیں کرتے، ان سے ایک بہت بڑا علم چھپا رہا۔ یہ جس حال میں ہیں اس میں مکر اور استدراج سے سلامتی بہت کم ہے۔

---

۱ فتوحات میں رعونت کا مطلب بیان کرتے ہوئے شیخ لکھتے ہیں: اگر تو ہم سے پوچھے کہ رعونت کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے: اپنے مزاج کے پاس ٹھہرنا بر خلافِ "اہل انیت" جو حق کے پاس ٹھہرتے ہیں۔

۲ وہ لوگ جنہیں کسی بات کا زعم یا غرور ہو یا وہ دوسروں کے برابر ہونے کے مدعی ہوں۔

ملامیہ

تیسرا وہ گروہ جو پانچ نمازوں سے زائد نہیں پڑھتے مگر سنتیں، یہ ان مومنین سے الگ تھلگ کسی زائد حالت پر نہیں پہچانے جاتے جو اللہ کے فرائض کی ادائیگی میں لگے رہتے ہیں، یہ بازاروں میں پھرتے ہیں اور لوگوں سے باتیں کرتے ہیں۔ اللہ کی مخلوق میں کوئی بھی انہیں ایسا کچھ زائد فرض یا سنت عمل کرتے نہیں دیکھتا جس کی وجہ سے یہ عوام سے الگ نظر آئیں۔ یہ اللہ کے ساتھ اکیلے ہوئے، ایسے استوار ہوئے کہ اللہ کے ساتھ اپنی عبودیت سے پلک جھپکنے تک بھی نہیں ڈگمگائے۔ انہیں صدارت کا کوئی لالچ نہیں ہوتا کیونکہ رَبُوبیت اِن کے قلوب پر چھاگئی اور یہ اُس کے زیر اثر کمزور ہوئے۔ بیشک اللہ نے انہیں ٹھکانوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ (ٹھکانے) کن احوال اور اعمال کے متقاضی ہیں، چنانچہ یہ ہر ٹھکانے سے اس کے تقاضے کے مطابق معاملہ روا رکھتے ہیں۔ یہ لوگ خلقتِ خدا سے چُھپ گئے، عادات کے پردے میں ان سے پنہاں ہوئے؛ بیشک یہ اپنے آقا کے خالص اور مخلص بندے ہیں، جو اپنے کھانے پینے، سونے جاگنے اور لوگوں کے ساتھ بات چیت میں اُسی کے دائمی مشاہدے میں رہتے ہیں۔

یہ اسباب کو ان کی جگہ پر رکھتے ہیں اور ان کی حکمت جانتے ہیں ... یہ ہر چیز کے محتاج ہوتے ہیں؛ کیونکہ اِن کے نزدیک ہر چیز مسمیٰ اللہ ہوتی ہے۔ اور کسی چیز میں ان کا محتاج نہیں ہوا جاتا؛ کیونکہ وہ ان میں غنیٰ باللہ اور العزۃ باللہ کی صفت سے ظاہر نہیں ہوا، اور نہ ہی یہ حاضرتِ الٰہی کے خواص میں سے ہیں، جس کی وجہ سے اشیااِن کی محتاج ہوں۔...

یہ ملامیہ ہیں، اور اللہ والوں میں سب سے ارفع ہیں، ان کے شاگرد بھی بڑے اللہ والے ہوتے ہیں، جو اللہ والوں کی اہلیت کے مراتب میں گھومتے رہتے ہیں۔ یہاں ان کے سوا ایسا کوئی نہیں جس نے اللہ کے ساتھ -نہ کہ اس کے غیر کے ساتھ- مقام فتوہ اور اخلاق پایا ہو۔ انہی لوگوں نے تمام منازل پائیں، اور دیکھا کہ اللہ تعالی دنیا میں مخلوق سے چُھپا ہے۔ چونکہ یہ اُس کے خواص ہیں؛ سو یہ بھی اپنے آقا کے حجاب کے باعث مخلوق سے چُھپ گئے۔ پس حجاب کے پیچھے یہ مخلوق میں صرف اپنے آقا کو دیکھتے ہیں۔ جب آخرت کا گھر ہو گا اور حق جلوہ افروز ہو گا تو یہ بھی

اپنے آقا کے ظہور کے باعث وہاں ظاہر ہوں گے۔ پس دنیا میں ان کا مرتبہ نظروں سے اوجھل ہے۔...

ملامیہ مخلوق خدا میں کسی چیز سے متمیز نہیں ہوتے؛ یہ گمنام لوگ ہیں، ان کی حالت عوام جیسی ہے۔ اس نام سے بھی یہ دو وجہ سے مختص ہوئے: ایک تو اِن کے شاگردوں کو (ملامیہ) کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اللہ کے معاملے میں ہمیشہ اپنے نفوس کو ملامت کرتے رہتے ہیں، اور نفس کے کسی عمل کو ایسا خالص نہیں جانتے جس سے خوش ہوں، یہ ان کی تربیت ہے۔ کیونکہ اعمال سے خوشی تو قبولیت کے بعد ہے، اور شاگردوں کو اِس کی خبر نہیں۔

جہاں تک اکابر (ملامیہ) کا تعلق ہے تو اس (لفظ) کا ان پر اطلاق اس لیے ہوتا ہے کہ ان کے احوال اور اللہ کے ہاں ان کا مرتبہ چھپا ہے۔... اگر اس گروہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے تو وہ انہیں خدا بنا ڈالیں۔ چونکہ یہ عوام سے عادات کے حجاب میں ہیں، تو ان پر بھی ان اعمال کی وجہ سے -جو ملامت کے متقاضی ہیں- ویسے ہی ملامت کی جاتی ہے جیسا کہ عوام پر کی جاتی ہے، گویا کہ اِن کا مرتبہ ہی اِنہیں ملامت کرتا ہے کہ ان لوگوں نے اِس (مرتبے) کی عزت اور طاقت کو ظاہر نہ کیا۔ اِن پر اس لفظ کے اصطلاحی اطلاق کی یہی وجہ ہے۔...

آگے فرماتے ہیں: پس ملامیہ اس بارے میں درست علم والے لوگ ہیں، یہ اونچے طبقے اور مثالی طریقت والے سردار ہیں، دنیا اور آخرت میں انہیں ہی قرب والا ٹھکانہ حاصل ہے۔ (مخطوط السفر-۲۱، ص۱۹)

ملامی شیوخ

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔

صحابہ میں سلمان فارسی، ابو عبیدہ الجراح رضی اللہ عنہم -جو کہ ملامیوں میں امناء تھے- ملامی ہیں۔

اِس مقام سے متحقق شیوخ حمدون القصار، ابو سعید الخراز، ابو یزید بسطامی ہیں۔ ہمارے دور میں ابو سعود بن شبلی، (شیخ) عبد القادر الجیلانی، محمد (بن قائد) الاوانی، صالح البربری، ابو عبد اللہ

الشرفی، یوسف الشبربلی، یوسف بن تعزا، ابن جعدون الحناوی، محمد بن قسوم، ابو عبد اللہ بن المجاہد، عبد اللہ بن تاخمست، ابو عبد اللہ المہدوی، عبد اللہ القطان، ابو العباس الحصار - ان سب پر اللہ کی رحمت ہو- اور دیگر بہت سے شیوخ شامل ہیں۔ (مخطوط: السفر-۲۱، ص ۱۸)

منزلِ ملامیہ کے عطا کردہ علوم

یہ منزل بہت سے علوم پر مشتمل ہے، ایک یہ علم جو علم حکمت ہے۔ اِسی طرح یہ (منزل) علم مواقف، علم حساب، علم ظن، علم اہمال، اہمال اور امہال کے مابین فرق۔ جس کا تقاضا اسم الحلیم کرتا ہے- پر بھی مشتمل ہے۔ گناہوں اور نافرمانیوں میں سبقت لے جانے کا علم، کیا انسان کی کوئی ایسی مخالفت بھی ہے جو عین موافقت ہو؟ اگر ایسا ہے، تو کیا ایسی مخالفت اور اِسے کرنے کی جلدی اُسے اللہ سے قریب کرے گی؟ اور یہ مقرب جو کسی ایسے عمل میں جلدی کرے گا جو مشروع عمل کے مخالف ہو گا تو کیا وہ محجوب ہو گا یا غیر محجوب ہو گا؟...

اسی منزل کے علوم میں علم سبب بھی ہے جس علم نے اس کے قائلین کو حسی اور معنوی دارِ آخرت کے انکار تک پہنچایا۔...

اس (منزل) کے علوم میں موت کے احوال کا علم ہے، یہ کس جانب لوٹتا ہے؟ اِس کی حقیقت کیا ہے؟ ذبح کرنا کیا ہے؟ اور عالم خیال میں اس کی صورت خالص سفید مینڈھے کی طرح کیوں ہے؟ اس کے ذبح کی جگہ کیا ہے؟ اور جب یہ ذبح ہوتا ہے تو اس کی زندگی کس کو منتقل ہوتی ہے؟

اور اُس تجلی کا علم جس سے معنوی اور حِسی ستاروں کی روشنیاں ماند پڑ جاتی ہیں، بندے اور رب کے درمیان حاضرتِ جمع کا علم۔ اور علم اِسفار (یعنی ظہور کا علم)، ہم نے اس بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام ہم نے "کتاب الاسفار عن نتائج الاسفار" رکھا ہے، یہ علم الٰہی پر مشتمل ہے، اور اس حکم الٰہی کی اس سے کیا نسبت ہے، اور علم کائناتی پر اور اُس سے حکم الٰہی کی نسبت پر، معنوی اور حسی طور پر بھی دیگر بہت سی باتیں ہیں۔ (مخطوط: السفر-۲۱، ص ۲۳ب)

سفر، مسافر اور راستے کی معرفت

سفر اور راستے کی معرفت

شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۹۱ میں فرماتے ہیں: جان لے۔ اللہ تیری تائید کرے۔ بیشک سفر مسافر کا حال[1] ہوتا ہے، اور راستہ جس پر وہ چلتا ہے، اور معاملات، مقامات، احوال اور معارف سے جسے کاٹتا ہے؛ کیونکہ معارف اور احوال میں مسافروں کے اخلاق، عالم کے مراتب اور اسما اور حقائق کی منازل کا ظہور ہوتا ہے۔...

انسان چونکہ عالم کا مجموعہ اور حاضرتِ الٰہی کا نسخہ ہے، وہ حاضرت جو ذات، صفات اور افعال پر مشتمل ہے تو یہ ایک ایسے ہادی کا محتاج ہے جو اِسے راستے پر چلنا اور اِس میں سفر کرنا بتائے، تاکہ یہ عجائب دیکھے اور علوم اور اسرار تک رسائی پائے، کیونکہ یہ سفر تجارت ہے۔ راستہ دکھانے والا شارع ہے اور یہ چلنے والا راستہ شریعت ہے۔ جو اِس راستے پر چلتا ہے وہ حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔

یہاں ایک سفر حق کے ساتھ ہے اور ایک سفر خلق کے ساتھ ہے۔ حق کے ساتھ سفر دو طرح کا ہے: سفر ذات اور سفر صفت۔ انسانِ کامل یہ تمام سفر کرتا ہے: پس وہ محقق معیت اور کشف الٰہی سے اپنے رب سے سفر کرتا ہے؛ اِس (سفر) میں وہ حق کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ حق

---

1 ڈاکٹر سعاد الحکیم المعجم الصوفی میں لکھتی ہیں کہ شیخ اکبر کے نزدیک حال وہ کیفیت ہے جو قلب پر بغیر کسی عمل اور طلب کے وارد ہو اور اس کی شرط یہ ہے کہ یہ زائل ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے اپنے جیسی (کیفیت) چھوڑتا جاتا ہے یہاں تک کہ (بندہ) پاک صاف ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ (حال اپنے پیچھے) اپنے جیسی کیفیت نہیں چھوڑتا، اور اِسی مقام پر صوفیا میں احوال کے دوام پر اختلاف ہے۔ پس جو (تعاقب الامثال) یعنی اِس کے اپنے جیسی کیفیت چھوڑنے کا قائل ہے اور نہیں جانتا کہ یہ (کیفیت) اِس "جیسی" ہے (پہلی کیفیت خود نہیں) تو وہ اِس کے دوام کا قائل ہے، وہ اِسے حلول سے مشتق کہتا ہے، مگر جو اپنے جیسی کیفیت چھوڑنے کا قائل نہیں وہ (حال) کے بھی عدم دوام کا قائل ہے، وہ اِسے "حال یحول" زائل ہونے سے مشتق کہتا ہے۔ عربی شعر ہے:

لو لم تحل ما سمیت حالًا   وکل ما حال فقد زالا

ہمارے ساتھ ہے جہاں ہم ہیں۔ بے شک حق تعالی نے اپنے لیے جگہوں کا انتخاب کیا ہے جو اُس پاک ذات کے لائق ہیں، پھر اپنا وصف بتایا کہ وہ ان میں آتا جاتا ہے۔

پس جب بندہ اُس کے ساتھ ہوتا ہے، تو اُس کے سفر سے سفر کرتا ہے؛ سو اِس پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہی ہے، جیسا کہ اِس پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہ نہیں۔ سفر ربانی عماء سے عرش تک ہے، پھر وہ عرش پر "اسم الرحمٰن" سے ظاہر ہوتا ہے۔ پھر وہ اُس کے ساتھ "اسم الرب" سے روزانہ رات کو آسمان دنیا پر اترتا ہے۔ پھر "اسم الالہ" سے زمین پر اترتا ہے۔ پھر ہویت سے اُس کے ساتھ ہوتا ہے، اور مخلوقات میں سے ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر صحبت سے اُس کے ساتھ کائنات میں سفر کرتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اہل وعیال میں نائب کے طور پر پیچھے بھی رہتا ہے۔ پھر قرآن کی صحبت میں سفر کرتا ہے جب (قرآن) آسمان دنیا کی طرف سفر کرتا ہے، کہ یہ اللہ کی صفت ہے۔ پھر وہ اِس کے تیئس سالہ سفر میں اِس کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر وہ اسمائے الٰہیہ کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ مخلوقات میں سفر کرتے ہیں۔ پھر کائنات کے عدم سے وجود والے سفر میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

پھر وہ انبیا کے اسفار میں اُن کا ساتھ دیتا ہے؛ پس آدم (علیہ السلام) کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ جنت سے زمین کی طرف آئے، پھر وہ اُن کے سات سو عمروں اور تین سو جوں میں اُن کا ساتھ دیتا ہے۔ پھر وہ ادریس (علیہ السلام) کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ بلند جگہ کی طرف سفر کرتے ہیں۔ پھر نوح (علیہ السلام) کا اُن کی نجات والی کشتی میں جودی (پہاڑ) تک ساتھ دیتا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے تمام اسفار میں اُن کا ساتھ دیتا ہے۔ اِسی طرح ہر نبی اور فرشتے کے (ساتھ ہوتا ہے): جیسا کہ جبرائیل (علیہ السلام) کا ہر نبی اور رسول کی طرف آنا، یا میکائیل (علیہ السلام) اور فرشتوں کا اوپر نیچے جانا، یا سیاحت کرنے والے فرشتوں کے سفر۔ اور ستاروں کا اپنی چالوں میں سفر، افلاک کا اپنی حرکات میں سفر، عناصر کا اپنی تبدیلیوں میں سفر، تجلی کا اپنی صورتوں میں سفر؛ یہاں تک کہ وہ اِن سب حقائق پر اپنے نفس کے ذوق سے ٹھہرتا ہے؛ نہ بدگمان ہوتا ہے اور نہ شک کرتا ہے، وہ ہر سفر میں صاحب سفر۔ چاہے حق ہو یا خلق۔ کی مناسبت سے اپنی ذات سے مجرد ہوتا ہے۔ یہ ہیں عارفین کے سفر

اور علما باللہ کے راستے جو کہ راسخین میں سے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۱۶، ص ۸۴ب)

مسافر کی معرفت

شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۹۰ میں فرماتے ہیں: جان لے-اللہ تیری تائید کرے۔ راہِ خدا پر چلنے والے مسافر دو ہیں: ایک وہ شخص جو معقولات اور اعتبارات میں اپنی فکر سے سفر کرتا ہے، اور دوسرا وہ جو اعمال سے سفر کرتا ہے؛ یہ لوگ اصحابِ اعمال کہلاتے ہیں۔ سو جس پر اُس کا راستہ کوئی چیز ظاہر کرے تو وہ مسافر ہے، اور اُس پر اللہ والی نماز میں قصر واجب ہے، البتہ روزے میں اُسے اختیار ہے۔ اور وہ جس کے راستے نے اُس پر کچھ ظاہر نہ کیا تو وہ سالک ہے، جو اِس راستے کے شہر اور اِس شہر کی گلیوں میں گھوم رہا ہے، مگر وہ مسافر نہیں، لہذا اُسے روزہ بھی رکھنا چاہیے اور نماز بھی پوری پڑھنی چاہیے۔ اب ہم اِس راہ کے مسافر کی حالت بیان کرتے ہیں، اللہ ہی تائید کرنے والا اور توفیق دینے والا ہے، ان شاء اللہ۔

مسافر وہ ہے جو اپنی فکر سے اپنے خالق کے وجود کی نشانیوں اور دلیلوں کی طلب میں سفر کرے، اور اِس سفر میں اُسے اپنے (خالق) پر صرف اپنے امکان کی دلیل ہی ملتی ہے۔ امکان کا مطلب یہ ہے کہ اِس کی طرف اور تمام عالم کی طرف اگر وجود کی اضافت کی جائے تو وہ اسے قبول کریں اور اگر عدم (کی اضافت کی جائے) تو وہ اِسے (بھی) قبول کریں۔ جب اِس کے لیے دونوں باتیں برابر ہو گئیں تو پھر اِس کی ذات کے اعتبار سے اِس پر وجود کی اضافت عدم کی اضافت سے بڑھ کر نہ ہوئی؛ یوں وہ ایک ترجیح دینے والے (مرجح کے) وجود کا محتاج ہے جس نے اِن دونوں اوصاف (یعنی عدم اور وجود) میں سے کسی ایک وصف کو اس کے حق میں دوسرے پر ترجیح دی۔ جب وہ (مسافر) اِس منزل پر پہنچا، یہ راستہ طے کر چکا اور اِس راستے نے اُس پر اُس کے مرجح کا وجود ظاہر کیا؛ تو وہ ایک دوسرے سفر کی ابتدا کرتا ہے جو اُس صانع کے لائق علم کے بارے میں ہے جس نے اِسے تخلیق کیا۔ پس دلیل نے اِس (مسافر) پر ظاہر کیا کہ وہ (صانع) صفات تنزیہ میں منفرد ہے: ایسی تنزیہ جس کا یہ ممکن محتاج ہے، اور یہ مرجح اپنی ذات سے واجب الوجود ہے،

اور اُس کے لیے وہ روا نہیں جو اِس ممکن کے لیے جائز ہے۔

پھر وہ سفر کرتا ایک دوسری منزل کی طرف جاتا ہے، اور یہ (منزل) اس پر عیاں کرتی ہے کہ جو اپنی ذات سے واجب الوجود ہے اُس پر عدم کا اطلاق ممکن نہیں؛ کیونکہ اِس کا قدیم ہونا ثابت ہے، اور جس کا قدیم ہونا ثابت ہو جائے اُس کا معدوم ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ اگر اُس کا معدوم ہونا اس کی ذات سے ہوتا تو وہ اپنی ذات سے واجب الوجود نہ ہوتا...۔

پھر وہ ایک دوسری منزل میں سفر کرتا ہے کہ اس صانع سے ہر اس چیز کی نفی کرتا ہے جو اسے حدوث سے ملائے، وہ اسے محال جانتا ہے کہ یہ مرجّح متحیز جوہر ہو، جسم ہو، عرض ہو یا کسی جہت میں ہو۔

پھر وہ عالَم کے وجود اس کی بقا اور صلاح سے اس (خالق) کی توحید کے علم میں سفر کرتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ہوتا تو یہ عالم اس اتفاق اور اختلاف پر نہ ہوتا جیسا کہ نظر آتا ہے۔

پھر وہ اس منزل میں سفر کرتا ہے جو اسے بتائے کہ اس مرجّح کے لیے کیا لازم ہے، اس کا علم جسے یہ ایجاد یا تخلیق کرے، اس (تخلیق) کا ارادہ اور اس کا نفوذ، اور اس میں کمی کوتاہی نہ ہونا، اور اس کی قدرت کا اِس ممکن کی ایجاد سے عمومی تعلق ہونا، اس مرجّح کا حیات ہونا؛ کیونکہ یہ ان سلبی صفات کے ثبوت کی شرط ہے، اسی طرح اس کے لیے صفاتِ کمال کا اثبات: جیسا کہ کلام، سماعت، بصارت، کہ اگر اس کی یہ صفات نہ ہوں گی تو وہ کامل نہ ہو گا...

جب وہ مسافر یہ جان جاتا ہے، تو ایک دوسری منزل میں سفر کرتا ہے؛ جس سے وہ جانتا ہے اور وہ منزل بھی اس پر رسولوں کی بعثت کو آشکار کرتی ہے۔

پھر سفر کرتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ اُس نے رسولوں کو مبعوث کیا، اور ان کے لیے ایسے دلائل قائم کیے جو ان کے اس دعوے کو سچ ثابت کرتے ہیں کہ اُس نے ہی انہیں مبعوث کیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا اور اس شخص کا تعلق ایسی قوم سے تھا جس کی طرف یہ رسول مبعوث کیا گیا؛ تو وہ اِس (رسول) پر ایمان لاتا ہے، اِس (رسول) کی تصدیق کرتا ہے، اور جو کچھ اسے بتایا جاتا ہے

اس میں اس کی پیروی کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر وہ اُس کے قلب پر سے (حجاب) اٹھا دیتا ہے، اور یہ (شخص) (عالم) ملکوت کے عجائب پر مطلع ہوتا ہے، اور اُس کے نفس کے جوہر میں عالم کی تمام (اشیا) نقش کی جاتی ہیں، پھر وہ ہر اس چیز سے بھاگ کر اللہ کی طرف آتا ہے جو اسے اللہ سے دور یا محجوب کرے، یہاں تک کہ یہ اُسے ہر چیز میں دیکھتا ہے۔ اور جب یہ اسے ہر شے میں دیکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ بس اب سفر ختم ہو، اور اس پر سے اسم مسافر کا اطلاق مٹے۔ یہاں اس کا رب اسے بتاتا ہے کہ اِس معاملے کی کوئی انتہا نہیں: نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں، اور یہ کہ تو ہمیشہ مسافر ہی رہے گا، جیسا کہ تو مسافر ہے، تجھے سکوں میسر نہیں آنا، جیسا کہ تو ہمیشہ سے ایک وجود سے دوسرے وجود کے سفر میں ہے، مراحل عالم سے "أَلَسْتُ بِرَبِّكُم" کی حاضرت میں۔

اسی طرح تو ہمیشہ ایک منزل سے دوسری منزل میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ اِس اجنبی عنصری جسم میں آ ٹھہرا؛ تو نے ہر دن اور رات اس کے ساتھ سفر کیا؛ تو اپنی عمر کے مراحل کاٹتا ہے، اور اس منزل تک جاتا ہے جسے موت کہتے ہیں۔

پھر تو برزخ کی منزلیں کاٹے گا اور اس منزل پر پہنچے گا جسے بعث (دوبارہ اٹھائے جانا) کہتے ہیں۔ وہاں تو ایسی قابلِ شرف سواری پر سوار ہو گا جو تجھے تیری سعادت کے گھر تک لے جائے گی؛ اس گھر میں بھی تو متردد ہی رہے گا، تو جنت اور سفید خوشبودار کثیب (یعنی بلند ٹیلوں) کے درمیان آتا جاتا رہے گا اور اس سفر کی کوئی انتہا نہیں۔ یہ تیرے ڈھانچے[1] کے ساتھ تیرا سفر ہے۔

جہاں تک معارف کا تعلق ہے تو وہ بھی اسی طرح ہیں۔ پس جب تک مدت تکلیف ہے تُو بدنی اعمال اور انفاس کے ساتھ ایک عمل سے دوسرے عمل کے سفر میں رہتا ہے۔ جب تکلیف کی مدت ختم ہوتی ہے تو تُو ذاتی سفر کا مسافر بن جاتا ہے؛ تُو اُس کی ذات کے لیے اُس کی عبادت کرتا ہے نہ کہ اُس کے حکم کے لیے: ﴿پاک ہے وہ جس نے اپنے بندے کو رات کے ایک پہر میں سفر کروایا﴾ اسے ﴿مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کروایا تاکہ اُسے اپنی کچھ نشانیاں

[1] یہاں ڈھانچے سے مراد یہ جسم عنصری اور اس کا مختلف عوالم میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا ہے۔

دکھائے﴾(الاسراء:۱) ہم نے اِس سفر کا تذکرہ اپنے ایک رسالے میں کیا ہے جس کا نام ہم نے "الِاسفار عن نتائج الأسفار" رکھا ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۶، ص ۸۲ب)

سالک اور سلوک کی معرفت

شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۸۹ میں فرماتے ہیں: جان لے- اللہ تجھے توفیق دے۔ سلوک معنی سے منزلِ عبادت سے منزلِ عبادت کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے، اور صورت سے اللہ کے قرب کی تلاش میں ایک مشروع عمل سے اللہ کا ہی قرب تلاش کرتے ہوئے کسی دوسرے مشروع عمل کی طرف فعل اور ترک سے منتقل ہونے کا نام ہے۔ یہ فعل سے فعل کی طرف، یا ترک سے ترک کی طرف ہو، یا فعل سے ترک کی طرف یا ترک سے فعل کی طرف ہو، صورت کی کوئی اور پانچویں قسم نہیں۔ اسی طرح علم سے یہ ایک مقام سے دوسرے مقام، ایک اسم سے دوسرے اسم، ایک تجلی سے دوسری تجلی اور ایک نفس سے دوسرے نفس کی طرف منتقل ہونے کا نام (بھی) ہے۔

اور منتقل ہونے والا سالک کہلاتا ہے[1]، یہ بدنی مجاہدات اور نفسی ریاضات کرنے والا (شخص) ہے، اِس نے اپنے نفس کے اخلاق کو تہذیب کے دائرے میں ڈھالا۔ اپنے مزاج پر اُسی اندازے سے حکم لگایا جس قدر یہ غذا کا محتاج ہے، جس سے اِس کے مزاج کا اعتدال اور قائم رہنا ہے، یوں وہ معمول کی بھوک اور عادت کی راحت کی طرف توجہ نہیں کرتا؛ کیونکہ اللہ ہر نفس پر اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جتنا وہ برداشت کر سکے؛ اگر یہ نفس اللہ کی فرمانبرداری میں حتی الامکان کوشش کرے تو اِس پر کوئی حجت نہیں۔ سالکین اپنے سلوک میں چار اقسام کے ہیں:

۱. ایسا سالک جو اپنے رب سے سلوک طے کرتا ہے۔ (سالك يسلك بربه)

[1] شیخ اکبر سالک کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سالک وہ ہے جو مقامات پر اپنے حال سے سفر کرے جو کہ عمل ہے، نہ کہ اپنے علم سے۔

۴۔ ایسا سالک جو اپنے نفس سے سلوک طے کرتا ہے۔ (سالك يسلك بنفسه)

۵۔ اور ایسا سالک جو سب سے سلوک طے کرتا ہے۔ (سالك يسلك بالمجموع)

۶۔ اور ایسا سالک جو سالک نہیں۔ (سالك لا سالك)

پس سالک کے ارادے اور علم باللہ میں اس کے رتبے کے حساب سے سلوک بھی مختلف اقسام کا ہے۔

(پہلی قسم) ایسا سالک جو اپنے رب سے سلوک طے کرتا ہے، یہ وہی ہے کہ "حق تعالیٰ اس کی سماعت، بصارت اور تمام قوتیں ہوتا ہے" اِس (سالک) کی عین ثابت ہے، اِسی لیے (حق تعالیٰ) نے اپنے اِس قول: "میں اس کی سماعت ہوتا ہوں" میں اِسی کی طرف ضمیر لوٹائی، کہ یہ وجود رکھتا ہے، پس یہ "اُس" ہی تیری عین ہے جس کی سماعت اور بصارت حق ہے۔ اور تو نے بھی انہی قوتوں کے ساتھ سلوک طے کیا۔ اور ان قوتوں کے بارے میں حق (تعالیٰ) نے بتایا کہ جب وہ تجھ سے محبت کرتا ہے تو وہ تیری سماعت اور بصارت ہوتا ہے، پس وہ تیری قوتیں ہوتا ہے۔ اور تو نے اُس کی اطاعت میں سلوک طے کیا جس کا اُس نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو ان میں اپنے نفس سے عمل کر، اور ان سے اپنی ذات کو مزین کر۔ یہی تو اللہ کی زینت ہے، وہ پاک "الجمیل" ہے اور زینت جمال ہے۔ پس وہ اِس سالک کا جمال ہے؛ اور اِس کی زینت اِس کا رب ہے: اور اسی سے وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے اور سلوک طے کرتا ہے، اور اِس میں کوئی حرج نہیں۔ اِسی لیے تو اُس نے کہا: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ﴾ (الاعراف: ۳۲) کہہ دو کہ کس نے اللہ کی وہ زینت حرام کی جو اُس نے محبت کرتے ہوئے اپنے بندوں کے لیے نکالی، اور جب ان بندوں نے نوافل سے اُس کا قرب چاہا تو اُس نے خود سے ان کو زینت بخشی۔۔۔

دوسری قسم: ایسا سالک جو خود سے سلوک طے کرتا ہے۔ یہ شروع سے ہی فرائض اور نیک اعمال والے نوافل سے اپنے رب کا قرب چاہتا ہے، جو حق کی محبت کا باعث ہیں۔ جو ان دو محبتوں کے حصول کے لیے یہ (فرائض اور نوافل) ادا کرے تو وہ حق کی طرف سے ڈالی گئی ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہ اپنی تمام توانائیاں اور قابلیتیں اس عبادت میں لگاتا ہے جس

کا رب نے حکم دیا یا جس سے اپنے اس قول میں منع کیا: ﴿جس قدر ہو سکے اللہ کا تقوی اختیار کرو﴾ (التغابن: ۱۶) ﴿اور اللہ کا ایسا تقوی اختیار کرو جیسا اِس کا حق ہے، اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا﴾ (آل عمران: ۱۰۲) اگرچہ انہوں نے یہ خدائی خبر سُن رکھی ہے اور وہ اس پر ایمان سے اعتقاد بھی رکھتے ہیں، لیکن انہیں ذوق سے یہ حاصل نہیں کہ حق ان کی طاقتیں ہوتا ہے۔ پس یہ لوگ سلوک کے تمام مراتب: حال، عمل، مقام، تجلی، اسم یا جس بارے میں بھی ایک معاملے سے دوسرے معاملے میں جانا ہو اُس میں اپنے نفوس سے سلوک طے کرتے ہیں۔ اللہ والوں میں سے ادب والوں کا یہی سلوک ہے۔

وہ یوں کہ اللہ نے اپنے بندوں کو تکلیف شرعی سے مکلف بنایا، سو انہیں پتا چلا کہ یہاں ایک حقیقت اس بات کی متقاضی ہے کہ تکلیف شرعی کا خطاب ہو۔ اور یہاں تو صرف وہی ہیں، سو انہیں پتا چلا کہ اس (خطاب) سے وہی مراد ہیں... پس وہ عموم میں اپنے نفوس سے سلوک طے کرتے ہیں، اگرچہ جانتے ہیں کہ اس معاملے میں لازماً ایک خاص نسبت ہے، یا ایک ایسی موجود عین ہے جو تکلیف شرعی کی مستحق ہے۔ پس وہ پوری کوشش کرتے ہیں، اپنے معاہدوں کو پورا کرتے ہیں، اگرچہ انہیں مقصود کی خبر نہیں، یہاں تک کہ اللہ اِن پر معاملہ کھول دیتا ہے جیسا کہ اُس نے اُن پر کھولا جنہوں نے اپنے رب سے سلوک طے کیا۔

(تیسری قسم) سالک بالمجموع، یہ ایسا سالک ہے کہ جب اِس نے حق کا اِس کی سماعت اور بصارت ہونے کا ذوق پا لیا، اور اپنے سلوک کو اولاً مجموعی طور پر اپنے نفس سے جانا، بغیر اپنے نفس کو متعین دیکھتے ہوئے، پس جب اِسے یہ پتا چلا کہ حق اِس کی سماعت ہے، اور اسے یہ پتا چلا کہ اس سماعت سے سننے والا سامع سماعت کا عین نہیں، اور اِس (سالک) نے (سمعہ کی) ضمیر کا ثابت ہونا دیکھا، اور اسے بھی دیکھا کہ یہ (ضمیر) جس کی طرف لوٹتی ہے؛ تب اِسے پتا چلا کہ اِس کا نفس اور اِس کی عین اللہ سے سنتی، اللہ سے دیکھتی، اللہ سے حرکت کرتی اور اللہ سے ہی سکون کرتی ہے؛ اور سلوک اور منتقل ہونے کا خطاب اسی سے ہے۔ لہذا اس نے اِن سب سے سلوک طے کیا۔

چوتھی قسم وہ سالک جو سالک نہیں۔ وہ اِس طرح کہ اُس نے اپنے نفس کو دیکھا کہ جب

تک حق (تعالیٰ) اِس کی صفت نہ ہو یہ (نفس) اکیلا سلوک طے نہیں کر سکتا، اور اِسی طرح یہ صفت بھی اکیلی سلوک طے نہیں کر سکتی جب تک کہ نفس مکلف موجود نہ ہو، جو کہ اِس (صفت) کے لیے محل ہے؛ پس اِس پر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان سب سے سالک ہے۔ پس جب اِس پر واضح ہو جاتا ہے کہ سلوک کا ظہور انہی سب سے ہے تو اس پر واضح ہوتا ہے کہ مظہر کا عینی وجود نہیں، اور ظاہر مظہر کی استعداد کے حکم کے مطابق مقید ہوا، وہ حق کو یہ کہتا پاتا ہے: ﴿جب تو نے پھینکا تو تو نے نہیں پھینکا مگر اللہ نے پھینکا﴾ (الانفال:۱۷) اسی طرح اگر وہ کہے: "اُس نے نہیں پھینکا" تو یہ بھی ٹھیک ہے جیسا کہ پہلا کہنا بھی ٹھیک ہے۔ جو کوئی اپنے نفس سے اِس علم پر ٹھہرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ ایسا سالک ہے جو سالک نہیں۔ (مخطوط: السفر-۱۶، ص۷۹)

سالکین کے مراتب اور اقسام

سالکین کے مراتب بیان کرتے ہوئے شیخ اکبر آگے فرماتے ہیں: جان کے جن سالکین کا ہم نے ذکر کیا ان کے یہ مراتب ہیں:

1. السالك منه إليه (اُس سے اُسی کی طرف سالک)

   یہ سالک ایک تجلی سے دوسری تجلی کی طرف جاتا ہے۔

2. السالك منه إليه فيه (اُس سے اُسی کی طرف اُس میں سالک)

   یہ سالک اسم الٰہی سے اسم الٰہی کی طرف، اسم الٰہی میں سلوک طے کرتا ہے۔

3. السالك منه إليه فيه به (اُس سے اُسی کی طرف اُس میں اُسی کے ساتھ سالک)

   یہ سالک اسم الٰہی کے ساتھ: اسم سے اسم کی طرف، اسم میں سلوک طے کرتا ہے۔

4. السالك منه لا فيه ولا إليه (اُس سے سالک، نہ اُس میں نہ اُس کی طرف)

   وہ سالک جو اللہ سے موجودات میں اور موجودات کی طرف باہر آتا ہے۔

5. السالك إليه لا منه ولا فيه (اُس کی طرف سالک، نہ اُس سے نہ اُس میں)

وہ سالک جو موجودات میں موجودات سے اُس کی طرف بھاگتا ہے؛ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام بھاگے۔

6. السالك: لا منه ولا إليه ولا فيه (سالک جو نہ اُس سے، نہ اُس کی طرف اور نہ اُس میں) لیکن سلوک سے موصوف ہے اور یہ سالک ہے۔

یہ سالک جو دنیا سے آخرت کی طرف اعمال صالحہ میں منتقل ہوتا ہے، یہ زاہدین ہیں عارفین نہیں۔

7. السالك من غير سفر (بغیر سفر کے سالک)

8. السالك المسافر (مسافر سالک)

سلوک کی بہت سی انواع ہیں، ہم نے ان میں سے بہت تھوڑی کا تذکرہ کیا ہے۔ (مخطوط: السفر–١٦، ص ٨١)

مخطوطات کتاب الاسفار

رسالہ اسفار سب سے پہلے رسائل ابن العربی کے ایک بیش قیمت مجموعے میں حیدرآباد دکن سے سن ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ یہ مکمل مجموعہ نسخہ کتب خانہ آصفیہ (نمبر ۳۷۶ میں موجود مخطوطات جو کہ سن ۹۹۷ ہجری میں نقل کیے گئے تھے) سے اخذ شدہ متن پر شائع کیا گیا، چنانچہ یہ متن اغلاط سے پاک نہیں تھا۔ پھر ڈینی گرل نے اِس کی عبارت کے نقائص کو ختم کرنے کے لیے اِس کی تدوین کا کام شروع کیا، اس جدید متن کی بنیاد قدیم ترین مخطوطات سے اخذ شدہ عبارت پر رکھی گئی تاکہ متن کی صحت کو بہتر کیا جاسکے۔ عثمان اسماعیل یحیٰی نے اپنی کتاب "تالیفات ابن العربی؛ تاریخ وترتیب" میں رسالہ اسفار کے ۱۹ مخطوطات کا ذکر کیا ہے۔ ڈینی گرل نے اپنی تحقیق کے لیے ان میں سے ۶ مخطوطات کا انتخاب کیا۔

پھر اِس اشاعت کے پندرہ سال بعد عنقاء پبلشنگز انگلینڈ اور ابن العربی فاونڈیشن پاکستان نے اِس کتاب کے عربی متن پر دوبارہ سے کام کرنے کا قصد کیا۔ ہماری اِس تحقیق کی بنیادی وجہ مخطوطہ یوسف آغا ۴۸۵۹ سے اس کے متن کو اخذ کرنا تھا جو کہ اب تک ملنے والے مخطوطات میں اس کا سب سے قدیمی نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ اِس نسخے کے میسر آجانے کے بعد اِس کتاب کے متن کو نسخہ یوسف آغا کے مطابق بنایا گیا۔ کتاب کے ابتدائی مراحل کی تحقیق میں عنقاء پبلشنگز نے اس اصل نسخے اور ڈینی گرل کی عبارت کے فرق کو الگ الگ کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد پاکستان میں ابن العربی فاونڈیشن نے ان تمام حواشی کو ڈینی گرل کی تحقیق میں ضم کرنے کا عمل شروع کیا اور نسخوں کے فرق کو ترتیب کے ساتھ حواشی میں ڈالا۔ نسخہ یوسف آغا کو مخطوطات میں شامل کرنے کے باوجود بھی عبارت کو شیخ اکبر کی منشاو مرضی کے مطابق اخذ کرنا بہت ہی مشکل مرحلہ تھا، اِس کی بنیادی وجہ بہت سے حروف پر نقطے اور اعراب کا نہ ہونا تھا، اسی لیے بعد کے نسخوں میں حروف کی تحدید میں اختلاف نمایاں تھا۔ اگر کسی ایک حرف پر بھی نقطے نہ ڈالے جائیں تو احتمال معنی کی وجہ سے مطلب یکسر تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم نے نسخہ یوسف آغا سے تحقیق شدہ متن

ابن العربی فاونڈیشن سے شائع کر دیا، اس بارے میں ہماری تحقیق صرف دو یا تین نسخوں تک محدود تھی اور باقی نسخوں میں ہم نے ڈینی گرل کی تحقیق پر ہی بھروسا کیا تھا۔ یہی متن بعد میں عنقاء پبلشنگز نے اوکسفورڈ سے بھی شائع کر دیا، ہمارے اور ان کے متن کے مابین واجبی سا اختلاف تھا، انہوں نے کچھ الفاظ کو نسخہ یوسف آغا میں کسی اور طرح سے پڑھا اور انہیں ویسے ہی رقم کیا۔

جدید تدوین

سن ۲۰۱۶ میں ہم نے جب اِس کتاب کو دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے مرشد سے اجازت چاہی تو ہمیں بتایا گیا کہ ابھی اِس کتاب میں غلطیاں ہیں۔ ہم نے سوچا اردو ترجمے کی غلطیاں ہوں گی جنہیں ٹھیک کر لیتے ہیں، پھر دل میں القا ہوا کہ عربی متن کو بھی دیکھ لینا چاہیے تاکہ مکمل اطمینان ہو جائے اور غلطیوں کی گنجائش نہ رہے۔ اسی دوران مدینہ شریف سے ایک صاحب نے بھی ہماری توجہ اس جانب دلوائی کہ آپ کے شائع شدہ عربی متن میں ابھی کچھ خامیاں ہیں، انہوں نے ڈینی گرل کے زیر استعمال ایک نسخے کو پر ولو ۱۳ے سے ہمارے شائع شدہ متن کو چیک کیا تھا، بعد میں انہوں نے ہمیں وہ نسخہ بھی ارسال کر دیا کہ ہم بھی ان غلطیوں کو دیکھ لیں۔ ہم نے اسے غنیمت جانا اور دوبارہ سے متن کو دیکھنا شروع کیا، ابتدائی نظر ڈالنے پر ہی ہمیں یہ پتا چل گیا کہ اس متن میں ابھی بہت مسائل باقی ہیں، اور اگر اس کتاب کو غلطیوں سے پاک کرنا ہے تو اِسے دوبارہ سے مکمل چیک کرنا ہو گا۔ لہٰذا ہم نے نئے سرے سے اس کتاب پر جدید مخطوطات کی روشنی میں متن کی تدوین کا عمل شروع کی۔ اس جدید تحقیق میں ہم نے مخطوطات کو از سر نو مرتب کیا، اور صرف انہی مخطوطات پر بھروسا کیا جو ہمارے سامنے تھے۔ ڈینی گرل کے زیر استعمال وہ مخطوطات جو زیادہ اہمیت کے حامل نظر نہ آئے انہیں اس تحقیق سے نکال دیا گیا۔

اللہ کا نام لے کر تدوین شروع کی اور پہلے صفحے میں ہی ایسی غلطی نظر آئی جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ یہ لفظ آج تک شائع ہونے والی تمام اشاعتوں میں غلط لکھا گیا تھا۔ اپنے رب سے یہ واضح نشانی دیکھ لینے کے بعد تو دل اور بھی مطمئن ہو گیا کہ اب اس کتاب کے ہر ہر لفظ کو دوبارہ سے چیک کرنا ہے۔ یوں اس کتاب پر دوبارہ سے اتنا کام ہوا کہ اسے نظر ثانی نہیں کہا جا

سکتا۔ یہ نئی تحقیق ہے اور اس میں پرانی تحقیق کی کسی بھی شے پر بھروسا نہیں کیا گیا۔ اپنی اس نئی تحقیق کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل مخطوطات میسر ہوئے، ہم نے ان مخطوطات کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے:

مخطوطات درجہ اول

درجہ اول میں وہ مخطوطات شامل ہیں جو ہماری نظر میں قدیمی ہیں، یا جن میں غلطیاں کم ہیں۔ ہم نے درجہ اول کے تمام مخطوطات کے متغیرات (یعنی ایسے الفاظ جو دیگر نسخوں میں مختلف لکھے گئے ہیں) حواشی میں لکھنے کی کوشش کی ہے، الّا یہ کہ یہ پروف کی فاش غلطی ہو۔

یوسف آغا-۴۸۵۹ (رمز: ی)

یہ اِس رسالے کا ایک بیش قیمت مخطوط ہے، ہمیں اس کے سکین شدہ صفحات میسر آئے، سکین کوالٹی اچھی نہیں، لگتا ہے مائیکرو فلم سے سکین کیا گیا ہے۔ مخطوط کی لکھائی بہت حد تک شیخ اکبر کی لکھائی سے ملتی ہے لیکن اس کے باوجود یہ شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھا مخطوط نہیں۔ اگر حروف کو باریکی سے جانچا جائے تو حرف کاف، عین، با اور تا کی شکل سے واضح ہے کہ یہ شیخ اکبر کا رسم الخط نہیں۔

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ مخطوط اسماعیل ابن سودکین کے ایک شاگرد نے اصل سے نقل کیا اور اسماعیل ابن سودکین کے سامنے سن ۶۳۸ میں پڑھا۔ نسخے کے آخری صفحے پر ایک سماع بھی موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: سماعا لإسماعيل سفر سنة ثمانين وثلاثين وستمائة. ماہ صفر سن ۶۳۸ھ میں اسماعیل نے سماعت کی۔

چونکہ یہ اصل سے نقل شدہ مخطوطہ ہے اسی لیے چند مقامات پر عبارت میں رہ جانے والے الفاظ حاشیے میں لکھے گئے ہیں۔ نسخے کا جلدی میں نقل کیا جانا اس وجہ سے بھی واضح ہے کہ زیادہ تر الفاظ پر نقطے نہیں لگائے گئے یا پھر نسخہ اصلی کی اتباع میں ایسا نہیں کیا گیا۔ نسخہ نامکمل ہے،

اس کے ابتدائی چند صفحات موجود نہیں۔ ہماری تدوین میں اِس نسخے کا متن "سفر ربانی؛ عماء سے عرش استوا" کے باب سے شروع ہوتا ہے اور شروع کے چند صفحات کسی دوسرے کاتب نے لکھ کر بعد میں اس میں شامل کیے ہیں۔ یہ نسخہ اس مجموعے سے متعلق ہے جو شیخ صدر الدین قونوی کے ذاتی کتب خانے سے تعلق رکھتا ہے۔

اگر ہم سے پوچھا جائے کہ کیا یہ نسخہ قابلِ اعتماد ہے؟ ہم کہیں گے: اپنی موجودہ حالت میں بھی اس وقت تک دریافت ہونے والے تمام نسخوں میں یہی سب سے پرانا اور بہترین نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ کچھ سکالر حضرات اِسے شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھا نسخہ قرار دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں ایسا کہنا درست نہیں۔ کتاب الاسفار ان چند رسائل میں سے ہے جس کا نہ اصل نسخہ ملتا ہے اور نہ ہی شیخ کے کسی ساتھی کا روایت شدہ نسخہ ملتا ہے، حتیٰ کہ شیخ اکبر کی طرف سے شیخ صدر الدین قونوی کو ملنے والے اجازت نامے میں بھی اِس کا تذکرہ نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ شیخ اکبر کی کتاب ہی نہیں جیسا کہ محمود محمود الغراب کا کہنا ہے۔ یہ شیخ اکبر کا ہی ایک رسالہ ہے اور اس کا تذکرہ فتوحات مکیہ میں متعدد بار آیا ہے۔

کوپرولو-۷۱۳ (رمز: ک)

یہ مخطوطہ جمادی الاولی سن ۶۶۳ ہجری کے آواخر میں شیخ اکبر کی وفات کے ۲۵ سال بعد نقل کیا گیا۔ کاتب کا نام ابن المروزی معلوم ہوتا ہے، عبارت خط نسخ میں خوبصورتی سے تحریر کی گئی ہے اور بہت حد تک اعراب سے مزین ہے۔ اِس مخطوطے سے واضح ہے کہ یہ مخطوط یوسف آغا (۴۸۵۹) سے ہی نقل شدہ ہے۔ کاتب نے بعض مقامات پر تساہل سے کام لیا ہے اور نقل میں کئی جگہ پروف کی غلطیاں نمایاں ہیں۔ چونکہ یوسف آغا پر نکتے اور اعراب نہیں لہٰذا حروف کی تحدید میں بعض مقامات پر کاتب نے اپنا اجتہاد کیا ہے۔ یہ نسخہ بھی مجموعہ یوسف آغا کی طرح ہو بہو ویسے ہی ایک مجموعے کا حصہ ہے جس میں تدبیرات الٰہیہ، کتاب العبادلہ اور کتاب الاسفار شامل ہیں۔

اگر ہم سے پوچھا جائے کہ یہ مخطوط کس حد تک قابل بھروسا ہے تو ہم کہیں گے: اگر یہ یوسف آغا سے ہٹ کر کوئی لفظ لائے تو وہ قابل بھروسا نہیں، دوسرا اس میں دیئے گئے اعراب پر بھی کلی بھروسا نہیں کیا جاسکتا، ان کا درجہ کاتب کے اجتہاد سے بڑھ کر نہیں۔ بعض مقامات پر اس

نسخے نے عبارت کو بگاڑا ہے لہذا احتیاط ضروری ہے۔

بایزید-۳۷۸۵(رمز:ب)

یہ نسخہ ۵ ربیع الاول سن ۷۱۶ ھ میں نہایت ہی خوبصورت خط ثلث میں شہر قیصریہ میں نقل کیا گیا۔ اس نسخے کو دیکھ کر ایک بات تو واضح ہے کہ یہ یوسف آغا یا کوپرولو سے نقل شدہ نہیں بلکہ اس کی اصل کوئی اور ہے، اسی لیے یہ بعض مقامات پر دونوں سے مختلف لفظ لاتا ہے۔

نسخے میں بعض الفاظ کو متعین کرنے کے لیے اعراب کا سہارا لیا گیا ہے، اس نسخے کو نہایت نفیس طرح سے لکھا گیا ہے، عبارت سیاہ رنگ سے لکھی گئی ہے جبکہ عنوانات کے لیے سرخ سیاہی استعمال کی گئی ہے۔ عثمان یحیٰی کے بقول یہ مخطوط شمس الدین فناری کے کتب خانے سے تعلق رکھتا ہے اور کسی اصلی نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ اِس پر موازنہ کیا جانے کے آثار جا بجا نمایاں ہیں، اور نسخے کے آخر میں یہ عبارت درج ہے: واتفق إتمام نسخ النسخة صبيحات يوم الخميس، الخامس من شهر ربيع الأول سنة ستة عشرة وسبعمائة من هجرية بمدينة قيصرية. یہ نسخہ جمعرات کی صبح ۵ ربیع الاول سن ۷۱۶ ھ میں شہر قیصریہ میں مکمل ہوا، جبکہ حاشیے میں یہ درج ہے: بلغت المقابلة في حادي عشر ربيع الأول للسنة ۱۱ ربیع الاول کو موازنہ مکمل ہوا۔ موازنے میں خصوصیت یہ ہے کہ بہت سے الفاظ کو لکھ کر اوپر "صح" کا نشان ہے، یعنی بتایا گیا ہے کہ یہ لفظ درست ہے۔ اس کے علاوہ چند مقامات پر "اظنہ" (یعنی میرے خیال میں) کا لفظ لکھ کر آگے وہ الفاظ لکھے گئے ہیں جو اس کاتب کی نظر میں ہونے چاہییں۔ مثلاً جہاں جہاں کاتب کو لگا کہ جس نسخے سے یہ نسخہ نقل ہے اس میں خامی ہو سکتی ہے وہاں "اظنہ" کے لفظ سے حاشیے میں بہتر لفظ لایا گیا ہے۔ یہ نسخہ بھی ایسے مجموعے کا حصہ ہے جس میں صرف دو ہی مخطوط ہیں ایک رسالہ اسفار اور دوسرا کتاب العبادلہ۔

ہماری رائے میں یہ اس رسالے کا ایک بہترین نسخہ ہے، ہمارے نزدیک یہ کوپرولو سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اسی لیے بعض مقامات پر ہم نے اس کی عبارت کو کوپرولو کی عبارت پر ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



شہید علی-۱۳۴۰ (رمز: ش)

سن ۷۸۹ ہجری میں شہر مکہ میں نقل ہوا خط نسخ میں لکھا یہ نسخہ اِس وجہ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اِسے عبد الکریم بن ابو بکر الجبرتی نے نقل کیا، آپ کا تعلق الجبرتی خاندان سے ہے۔ یہ نسخہ بعض جگہوں پر یوسف آغا، کوپرولو اور مخطوطہ بایزید سے مختلف نص سامنے لاتا ہے، جس سے واضح ہے کہ اس کی اصل ان تینوں سے جدا ہے، اس نسخے میں پروف کی غلطیوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ بہت سے الفاظ کو صرف جلدی میں نقل کرتے ہوئے غلط لکھ دیا گیا ہے۔ اگر دیگر نسخوں سے عبارت کا موازنہ نہ کیا جائے تو اس نسخے سے درست متن حاصل کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بہت سے دیگر الفاظ کو درست شکل میں بھی لکھا گیا ہے۔

نسخے پر موازنے کے آثار بالکل نہیں، اگر اس کا موازنہ کیا جاتا تو اسے مزید بہتر بنایا جا سکتا تھا۔ یہ بھی درج نہیں کہ اسے کب نقل کیا گیا، بس آخر میں کاتب کا نام درج ہے۔ یہ نسخہ اس ذاتی مجموعے کا حصہ ہے جس میں ۲۰ مخطوطات شامل ہیں۔ یہ تمام مخطوطات ایک ہی کاتب نے نقل کیے ہیں، ان ۲۰ میں سے ۱۱ شیخ اکبر ابن العربی کے ثابت شدہ رسائل اور کتابیں ہیں۔ مجموعے کی ابتدا میں ایک فہرست دی گئی ہے اور ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

ہماری رائے میں اس نسخے کو کتاب الاسفار کے متغیرات کو سمجھنے کے لیے زیر نظر رکھنا ضروری ہے۔

مخطوطات درجہ دوم

درجہ دوم میں وہ مخطوطات شامل ہیں جو قدیمی نہیں یا جن میں درجہ اول کے مخطوطات کے مقابلے میں غلطیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ہم نے درجہ دوم کے صرف وہی متغیرات حواشی میں لکھے ہیں جن میں ایک سے زیادہ مخطوطات شریک ہیں۔ اگر درجہ دوم کا کوئی مخطوطہ فاش غلطی کرتا ہے یا پھر اِس سے متن کا کوئی ایک حصہ چھوٹ جاتا ہے تو ہم نے ہر مرتبہ اِس جانب اشارہ نہیں کیا۔

نسخہ فخر الدین الخراسانی (رمز: ف)

خط نسخ میں لکھا یہ نسخہ پاکستان کے ایک ذاتی کتب خانے کی زینت ہے، ابن العربی فاؤنڈیشن کے پاس اس نسخے کا ایک ڈیجٹیل سکین امیج ہے جس کی بنا پر اس سے موازنہ کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ سن ۸۱۴ھ میں یمن کے شہر زبید میں نقل کیا گیا ہے اور کاتب نے اسے شیخ اکبر کی دیگر بہت سی کتب و رسائل کے ساتھ نقل کیا جن کی تعداد ۶۰ بنتی ہے۔ مکمل مجموعہ بڑے صفحے پر نقل کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں رسالہ اسفار صفحہ نمبر ۵۸۷ سے لے کر ۶۰۰ تک ہے۔ اندازِ کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے یہ نسخہ جلدی میں نقل کیا ہے مگر حواشی میں موازنہ کیے جانے کے آثار بھی واضح ہیں جس سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ سب سے بڑی وجہ جو اس نسخے کو دیگر نسخوں سے متمیز کرتی ہے وہ اس کا اعراب اور نقطوں سے عاری ہونا ہے گویا یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی ایسے نسخے سے نقل شدہ ہے جس پر اعراب اور نقطے بہت کم تھے۔ قوی گمان یہی ہے کہ یہ یا تو نسخہ اصلی سے نقل ہوا ہے یا پھر کسی ایسے نسخے سے نقل ہوا ہے جو اصل سے بغیر نقطوں کے نقل ہوا ہے۔ اس نسخے کی عبارت کافی حد تک اصل کے قریب ہے اس لیے یہ اس رسالے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔

یوسف آغا ۵۴۶۳ (رمز: غ)

یہ مخطوط ایک ایسے بڑے مجموعے کا حصہ ہے جسے شہر مکہ میں سن ۹۴۶-۹۴۷ ہجری میں نقل کیا گیا۔ مخطوط بڑے صفحے پر نقل کیا گیا ہے، جابجا حاشیے میں موازنہ کیا جانے کے آثار ہیں۔ ہم نے اسے کتاب الاسفار کا ایک اچھا مخطوط پایا ہے۔ یہ دیگر درجہ دوم کے مخطوطات والا متن ہی فراہم کرتا ہے۔

نسخہ رفاعیہ مکتبہ المانیہ (رمز: ا)

اونلائن ویب سائٹ میں اس کا نمبر vollers 0251 ہے۔ یہ اس کتاب کا خط نسخ میں لکھا ایک بہترین نسخہ ہے۔ نسخے پر کاتب کا نام اور تاریخ نقل ثبت نہیں جس وجہ سے اس کی تاریخی حیثیت کا تعین مشکل ہے۔ ہم نے اس کی عبارت کو کافی حد تک اصل سے قریب پایا ہے، جس سے

یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اچھے مخطوط سے نقل شدہ ہے۔

نسخہ مجلس شوری ملی ایران (رمز: م)

ہم نے مجلس شوری ملی ایران کے اس مخطوط کو درجہ دوم میں رکھا ہے، اس کا متن عمومی طور پر درجہ دوم کے مخطوطات سے ملتا جلتا ہے لیکن اس میں غلطیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ہم نے اس مخطوط کے تمام متغیرات کو حواشی میں رقم نہیں کیا، صرف انہی متغیرات کو درج کیا گیا ہے جن میں یہ مخطوط کسی دوسرے مخطوط کے ساتھ مشترک ہے۔

نسخه یوسف آغا (۴۸۵۹)

فمن ذلك

سفر رباني من العماء الى العرش الاستوا

الذي يسمى به الاسم الرحمان

ورد خبر في سؤال بعض الناس الى رسول الله صلى الله عليه
وسلم اين كان ربنا قبل ان يخلق الخلق او هما فقال صلى الله
عليه وسلم كان في عماء ما فوقه هواء وما تحته هواء فعقد لكون
اليمنما يمنا فانه ويدرك يدق الرب

اعلم ان من اسرار الالوهة وما جرى عليه يمنع النور ان
يتصل بالالوهة ويمنع الالوهة ان يتصل النور في الحدود
الذاتية ومن هذا العماء قول الله تعالى وما ورد في الصحيح عن
النبي صلى الله عليه وسلم ما ترددت في شيء انا فاعله ترددي
في قبض نسمة المؤمن يكره الموت وانا اكره مساءته ولا بد
له من لقائي وقوله تعالى اسرال العوالرب ان الله الا انسان
يقول وداريه في ظلل من الغمام يعني بين المدار والمنظ
وما اشبه هذا النوع مما ورد في الاخبار وهذا من ذاتب
الالوهة لما ارادت الوصول الى الكون واما ما ورد من هذا
الفرع الكون لما اراد الاتصال بالالوهة قوله صلى الله عليه

صفحه اول

نسخه یوسف آغا (۴۸۵۹)

ومِلاك الأمر وجميع هذا السهم الأشرف الأعلى المقرون به
سعادة الأبد وفي هذا السهم يأمن صاحبه في سفره فيه من
كل ما يحذر من الفواحش إلى حول بيته ومن سعادته الأبدية
ولو طال عليه جميع من في الأرض عليهم ولكن عليهم ويحصل لصاحبه
المقصد به من القصد ما يقف به على غوامض الأسرار إذ كان
نوره ينير كل شيء ويكمل ويتكمل كل نوبه وزور ويورث
النفس شجاعة وإقداما وقوة فيفعل بالله ما لا يقدر على
فعله بالأجرام ولا بالقود فإن صاحب هذا السهم يحصل له
في أوراد قوله منه ملئ طبيعي وضيق صدر وخوف لما يراه في
أول الطريقة من ضعف وقوة هذا السلام وهذا الضعف والذلة
الواهبة له تورثه العزة والقوة ويكشف له علم الظاهر والباطن
فلا يخفى عليه شيء ويتولى الله نفسه في خروجه إلى الإرشاد
والهداية فيكون معانا ويحصل له اليسر من الله حتى يأذن فتتوفر
دواعيه إلى التبليغ فإن الخوف مانع والجبن صارف عن الحق
يؤيد صاحب هذا السهم ناصرا يعرفه ويأنس به ويذكر له أنه
لا يدرى لك ويعطى الحجة والقوة والظهور على خصمائه
والله يقول الحق وهو يهدي السبيل .

[illegible]

صفحه آخر

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الكاين في العما الموصوف بالاستوا جلال ذاته
بعد فراغه من خلق ارضه الى خلق سمواته وانزل
القرآن في ليلة القدر وهي الليلة المباركة الى السما الدنيا
جملة بسوره وآياته ورحل السيارة في منازل البروج والنجوم
وجعل ذلك مما تمدح به من تقديراته واسرى بسيدنا
محمد عبده صلى الله عليه وسلم ليلا من المسجد الحرام الى
المسجد الاقصى الى قاب قوسين او ادنى ليريه من آياته
واهبط آدم عليه السلم الى ارض ابتلايه واخرجه من
جنته دار نعيمه ولذاته ورفع ادريس عليه السلم من عالم
الاكوان الى ان انزله المكان العلي في اوسط درجاته
وحمل نبيه نوحا عليه السلم بين تلاطم امواج بحر طوفانه
في سفينة نجاته وذهب بابرهيم خليله عليه السلم
ليريه ما شاء من هدايته وكراماته واخرج يوسف
عليه السلام عن ابيه عليه السلم ثم اتبعه اباه ليصدقه فيما
راه في منامه من احسن بشاراته واسرى
واهله لينجيهم من نقماته واعجل موسى عليه السلم عن

١٢٩ بايزيد

تورثه العزة والقوة ويكشف له علم الظاهر والباطن
فلا يخفى عليه شيء ويتولاه الله بنفسه في خروجه الى
الارشاد والهداية فيكون معانا ويحصل له البشرى
من الله حتى يأمن فيتوفر داعيته الى التبليغ فان الخوف
مانع والجبن صارف غير ان الحق يؤيد صاحب هذا
السفر تاييدا يعرفه ويانس به ويركن اليه لا بد من ذلك
ويعطى الحجة والقوة والظهور على خصمائه والله يقول
الحق وهو يهدي السبيل

هذا آخر الاسفار والحمد لله حق حمده والصلوة والسلام
الاتمان على سيدنا محمد وآله وصحبه وعترته اجمعين
واتفق اتمام نسخ النسخة صبيحة يوم الخميس الخامس عشر
من شهر ربيع الاول لسنة ست عشرة وسبعمائة هجرية
بمدينة قيصرية

بلغت المقابلة

٧١٥ الهجري سنة



بسم الله الرحمن الرحيم وبه ثقتي

الحمد لله الكائن في العماء الموصوف بالاستواء جلال
ذاته بعد فراغه من خلق ارضه الى خلق سمواته وانزل
القرآن في ليلة القدر وهي الليلة المباركة الى السماء
الدنيا جملة بسوره واياته وزحل السيارة في منازل المزج
والتخليص وجعل ذلك مما يمدح به من تدبر اياته واسرى بسيدنا
محمد عبده صلى الله عليه وسلم ليلا من المسجد الحرام الى المسجد
الاقصى الى قاب قوسين او ادنى ليريه من اياته واهبط
ادم الى الارض ابتلاء به واخرجه من جنته دار نعيمه ولذاته
ورفع ادريس عليه السلام من عالم الاكوان الى ان انزله المكان
العلي في اوسط درجاته وحمل نبيه نوحا عليه السلام بين
تلاطم امواج بحر طوفانه في سفينة نجاته وذهب بابرهيم
خليله عليه السلام بمحجة من يشاء من هدايته وكراماته واخرج
يوسف عليه السلام ثم اتبعه اباه ليصدق فيما راه في منامه
من احسن بشاراته واسرى بلوط واهله لينجيه من نقماته
واعجل موسى عليه السلام عن قومه لما جاء به لميقاته والاح
له نورا في صورة نار ليتفرغ اليه فناداه من حاجاته فسعى
اليه فناجاه بمناجاته واخرجه فارا من قومه ليرسله فيكرمه
برسالاته واسرى بقومه ليغرق من نازع ربه في ربوبيته
من لغاته واتبعه حين فارقه الاب في علمه في طلب من علمه
من لدنه علمه واتاه رحمة من رحماته ثم اتبعه في سفره
ليعلمه مما خصه الله به من قضاياه وحكوماته وحمل نبيه
موسى عليه السلام في تابوته وهو لا يعقل في بحر هلكاته
ورفع عيسى عليه السلام اليه لما كان كلمة من كلماته
واذهب نبيه يونس عليه السلام مغضبا فضيق عليه في بطن

آن

نسخہ شہید علی (۱۳۴۰)

والفق ويكشف له علم الظاهر والباطن فلا يخفى عليه
شيء ويتولاه الله بنفسه في خروجه الى الارشاد
والهداية فيكون معانا ويحصل له البشرى من الله
حتى يامن فيتوفر دواعيه الى التبليغ فان الخوف مانع
والحسن صارف غير ان الحق يؤيد صاحب هذا
السفر نابيدا بعزته وبالسرية دبر كن اليه لا بد
من ذلك ويعطى الحجة والقوة والظهور على خصمائه
والله يقول الحق وهو يهدي السبيل تم والله اعلم
تم كتاب الاسفار من نتائج الاسفار
بحمد الله وعونه وحسن توفيقه
والحمد لله رب العالمين

كتبه
عبد الكريم بن ابي بكر ...

صفحہ آخر

نسخه کوپرولو (۷۱۳)

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله الكائن في العماء الموصوف بالاستواء جلال ذاته
بعد فراغه من خلق أرضه إلى خلق سماواته، وأنزل القرآن في ليلة القدر وهي الليلة المباركة إلى السماء الدنيا
جملة بسوره وآياته، وحمل السيارات في منازل البروج والتحليل وجعل ذلك مما تمدح به من تقدير آياته، وأسرى
بسيدنا محمد عبده صلى الله عليه وسلم ليلا من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى إلى قاب قوسين أو أدنى ليريه
من آياته، وأهبط آدم إلى الأرض لابتلائه وأخرجه من جنته دار نعيمه ولذاته، ورفع إدريس عليه السلام
من عالم الأكوان إلى أن أنزله المكان العلي في أوسط درجاته، وحمل نبيه نوحا عليه السلام بين تلاطم أمواج بحر
طوفانه في سفينة نجاته، وذهب بإبراهيم خليله عليه السلام لينجيه مما شاهده من هدايته وكراماته، وأخرج يوسف
عليه السلام عن أبيه عليه السلام ثم أتبعه إياه ليصدقه فيما رآه في منامه من حسن بشاراته، وأسرى بلوط وأهله
لينجيه من نقماته، وأعجل موسى عليه السلام عن قومه لما جاء لميقاته وأراه نورا في صورة نار ليتفرغ
إليه فناداه من حاجاته فسعى إليه فحاباه بمناجاته وأخرجه فارا من قومه ليرسله فيكرمه برسالاته
وأسرى بقومه ليغرق من نازع ربه في ربوبيته من طغاته، وأتعبه حين فارق الأدب عليه في طلب من
علمه من لدنه علما وآتاه رحمة من رحماته، ثم أتبعه في سفره ليعلمه بما خصه الله من قضاياه وحكوماته
وحمل نبيه موسى عليه السلام في تابوته وهو لا يعقل في يم هلكاته، ورفع عيسى عليه السلام إليه لما كان كلمة
من كلماته، وذهب نبيه يونس عليه السلام مغاضبا فضيق عليه في بطن حوته في ظلماته، وفصل طالوت
بالجنود وفيهم داود عليه السلام ليبتليهم بنهر البلوى ليتمكن من صاحب غرفاته، وأخرج الآفاق
بني الترتيب ليقيم شدة بين الطائع من عباد الله ومن عصاته، وأنزل الروح الأمين على قلوب أهل نبواته
وأصعد الكلم الطيب إليه على براق العمل الصالح ليكرمه بمشاهدة ذاته، والصلاة على سيدنا
محمد صلى الله عليه وسلم خير من تخلق بأسمائه وصفاته، والسلام عليه وعلى آله وأصحابه وقرابته وأزواجه
وبنيه وبناته أما بعد فإن الأسفار ثلاثة لا رابع لها أثبتها الحق عز وجل وهي
سفر من عنده وسفر إليه وسفر فيه وهذا السفر فيه هو سفر التيه والحيرة فمن سافر من عنده
فربحه ما وجده وذلك هو ربحه ومن سافر فيه لم يربح سوى نفسه والسفران الأولان لهما غاية
يصلون إليها ويحطون عن رحالهم وسفر التيه لا غاية له والطريق التي يمشي فيها المسافرون
طريقان طريق في البر وطريق في البحر قال الله تعالى هو الذي يسيركم في البر والبحر وهنا نكتة
وهي أنه تعالى ما قدم البر على البحر وتمم بتقديمه إلا ليعلم أنه من قدر على البر لا يسافر في البحر
إلا من ضرورة وكان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول لولا هذه الآية ثم يتلو هو الذي يسيركم في البر
والبحر لضربت بالدرة من سافر في البحر ولم يجز إلا بإشارة إلى أن السفر الأول قوله في ذلك آيات

فحاباه

ويعلم اهل مقام يقتضي له الزيادة والشغوف على غيره والتضرع في كل ما يبصره ويأتيه ذلك فيه نعمته
ونعيم ويقف من هذا المقام بهذه الصفة على علم التوارث وفيما ذا يقع وما الذي يورث وممن يورث
ومن يرث ومن هذا السفر تعرف مشارق الانوار ومطالع اهلة الاسرار فيحذرون من ادراك الصفات
التي تفنيهم عن ذواتهم والنعيم بها الا انه تكون النجاة لهم عقيب هذا خائفين مما يحذرون منه ولو كان
العدو ما كان من القوة فانهم الغالبون بنصر الله فانه سبحانه لا يقاوم ولا يغالب فانه العزيز
الرحيم وهذه الصفة اذا قامت بالعبد فان الله يأخذ بيده في جميع اموره ويهديه الى ما فيه نجاته وله من
خرق العوائد المشي على الماء والنجاة من الاعداء اعداء الارواح والبشر وهلاك الاعداء وينتج هذا السفر
القرب الالهي المقرون به سعادة الابد وفي هذا المقام يأمن صاحبه في سفره فيه من كل ما يحذره من
القواطع التي تحول بينه وبين سعادته الابدية ولو مال عليه جميع من في الارض غلبهم وظهر عليهم ويحصل
لصاحبه المتصف به من الكشف ما يقف به على غوامض الاسرار اذ كان نوره ينفر كل شبهة وجهل
ويبطل كل تمويه وزور ويورث النفس شجاعة واقداما وقوة فيفعل بالهمة ما لا يقدر على فعله بالاجرام
ولا بالعدد غير ان صاحب هذا السفر يحصل له في اول دخوله فيه هلع طبيعي وضيق صدر وخوف لما يراه
في اول طريقه من ضعفه وقوة هذا المقام وهذا الضعف والذلة القائمة به تورثه العزة والقوة
وينكشف له علم الظاهر والباطن فلا يخفى عليه شيء ويتولاه الله بنفسه في خروجه الى الارشاد والهداية
فيكون معانا ويحصل له البشرى من الله حتى يأمن فتتوفر داعيته الى التبليغ فان الخوف مانع والجبن
صارف غير ان الحق يؤيد صاحب هذا السفر تأييدا يعرفه ويأنس به ويركن اليه ولا بد من ذلك ويعطى
الحجة والقوة والظهور على خصمائه والله يقول الحق وهو يهدي السبيل

هذا آخر الاسفار والحمد لله حق حمده والصلاة على سيدنا محمد وآله الطيبين

نسخ في اواخر شهر جمادى الاولى من سنة [illegible]
[illegible] على يدي [illegible]

صفحه آخر

نسخه المانيه (مكتبه رفاعيه)

به نورث العزة والقوة ونكشف له علم الظاهر
والباطن فلا يخفى عليه شئ ويتولاه الله تعالى
بنفسه في خروجه الى الارشاد والهداية فيكون
معانا وتحصل له البشرى من الله حتى يامن
فتتوفر دواعيه الى التبليغ فان الخوف مانع
والجبن صارف عن اتيان الحق يؤيد صاحب
هذا السفر تاييدا يعرفه ويانس به ويركن
اليه لا بد من ذلك ويعطى الحجة والقوة
والظهور على خصمائه والله يقول الحق
وهو يهدى السبيل
تم كتاب الاسفار عن
نتائج الاسفار
والحمد لله وحده
وصلى الله على
من لا نبي قبله ولا بعده

صفحه آخر



نسخه مجلس شوری ملی ایران

٧١

١٤١

ينفي كل شبهة وجهل ويبطل كل تمويه وزور ويورث النفس
شجاعة واقداماً فيفعل بالهمة ما لا يقدر على فعله بالاجرام ولا
بالعدد غير ان صاحب هذا السفر يحصل له في اول دخوله فيه ضيق
طبيعي وضيق صدر وخوف لما يراه في اول الطريق من ضعفه وقوة
هذا المقام وهذا الضعف والذلة القائمة به تورثه العزة والقوة
ويكشف له علم الظاهر والباطن فلا يخفى عليه شيء ويتولى
الله تعالى بنفسه في خروجه الى الارشاد والهداية فيكون معاناً
ويحصل له البشرى من الله سبحانه وتعالى حتى يأمن فيسوقونه
الحبيه الى التبليغ فان الخوف مانع والجبن صارف غير ان الحق
يؤيد صاحب هذا السفر تأييداً يعرفه ويأنس به ويركن اليه لابد
من ذلك ويعطي الحجة والقوة والظهور على خصمائه والله يقول
الحق وهو يهدي السبيل تمّ كتاب الاسفار عن نتائج الاسفار
الحمد لله رب العالمين والصلوة
والسلام على محمد وآله بلغ مقابلة
اجمعين تمت الاحمل

صفحه آخر

نسخه یوسف آغا (۵۴۶۳)

فلا ينبسط لعمل ولا ناظر فانا من لا نعلم به من طرق الاسانيد الا ما اوصلنا الينا [illegible] وعلى السنة رسله المترجمين عنه
[illegible] ذلك وانما نسبة هذه الاسماء اليه غير معلومة عندنا فان المعرفة بالنسبة الى امر [illegible] على علم المنسوب اليه
وعلما بالمنسوب اليه ليس بحاصل فعلمنا بهذه النسبة الحاصلة ليس بحاصل فالتنكر والمنكر والمتفكر [illegible]
[illegible] الله واياكم ممن عقل و [illegible] ما وصل اليه سبحانه وتعالى واعلم ان سفر الحق [illegible] صاحب
المحبوس الى المعتق [illegible] من النعيم الى العذاب ومن السفر الى التجلي ومن الموت الى الحياة [illegible] الاكوان [illegible]
[illegible] العالم ويؤدي الى العلم بالنشأة الانسانية ومن ان [illegible] من جهة جسمية والحركة المستقيمة
ودون المنكوسة والافقية وان [illegible] الحكم الشرعية ويعلم كل مقام يقتضي [illegible] والمشرف على [illegible] والنصرة
في كل ما [illegible] ويدنو من هذا المقام هذه الصفة على علم الوارث [illegible] وما الذي
[illegible] ومن هذا السفر [illegible] الانوار ومطالع الاهلة الاسرار [illegible]
الصفات التي [illegible] الا انه يكون النجاة [illegible] ولو كان العبد
ما كان من القوة [illegible] بنصر الله [illegible] ولا [illegible] فانه العزيز الرحيم وهذه الصفة [illegible]
[illegible] بالعبد فان الله [illegible] من جميع اموره ويهديه الى [illegible] نجاته وله من [illegible] على [illegible]
من الاعداء اعدا الارواح والنفوس وهلاك الاعدا [illegible] هذا السفر [illegible] سعادة الابد [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] من كل [illegible] من [illegible] التي [illegible] سعادة الابدية [illegible] من [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] من الكشف [illegible] الاسرار [illegible] كل [illegible]
[illegible] الحكمة [illegible] الابالعبد [illegible]
ان صاحب هذا السفر [illegible] من [illegible]
وقوة هذا المقام وهذا الضعف [illegible] العزة [illegible] وتكشف له علم [illegible]
[illegible] الى الارشاد والهداية [illegible] البشرى من الله [illegible]
[illegible] الى التبليغ فان الخوف مانع والجبن [illegible] صاحب هذا السفر [illegible]
اليه لابد من ذلك وحصل الحزن والعزة والطول على [illegible] والله يقول الحق وهو يهدي السبيل

تم كتاب الاسفار عن نتائج
الاسفار بحمد الله وعونه
وحسن توفيقه

[illegible] للشيخ محيي الدين محمد بن علي بن عربي
قدس الله روحه
[illegible]
[illegible]
[illegible]

صفحه آخر

نسخه فخر الدين الخراسانى

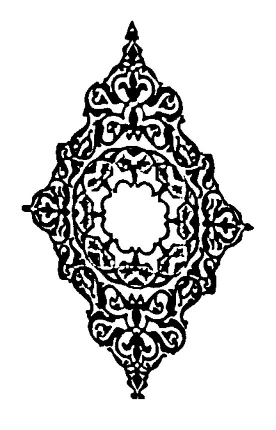
كتاب الاسفار 587

[illegible]

صفحه اول

كِتَابُ الإِسْفَار عَنْ نَتَائِجِ الأَسْفَار

روحانی اسفار اور اُن کے ثمرات



كتاب الإسفار عن نتائج الأسفار

بسم الله الرحمن الرحيم وصلىٰ الله علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ آله وسلم

الحمد لله الكائن في العماء، الموصوف بالاستواء، جلال ذاته بعد فراغه من خلق أرضه إلىٰ خلق سماواته * وأنزل القرآن في ليلة القدر - وهي الليلة المباركة - إلىٰ السماء الدنيا جملة بسوره وآياته * ورحّل السيارة في منازل المزج والتخليص، وجعل ذلك مما تمدّح به من تقديراتِه * وأسرىٰ بسيدنا محمد عبده - صلىٰ الله عليه وسلم - ﴿لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ﴾ إلىٰ ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ ليريه من آياتِه * وأهبط آدم إلىٰ أرض ابتلائه، وأخرجه من جنته؛ دار نعيمه ولذّاته * ورفع إدريس - عليه السلام - من عالم الأكوان إلىٰ أن أنزله المكان العلي في أوسط درجاته * وحمل نبيه نوحًا - عليه السلام - بين تلاطم أمواج بحر طوفانه، في سفينة نجاته * وذهب بإبراهيم خليله - عليه السلام - ليمنحه ما شاء من هدايته وكراماته * وأخرج يوسف - عليه السلام - عن أبيه - عليه السلام - ثم أتبعه أباه ليصدقه فيما رآه في منامه، من أحسن بشاراته * وأسرىٰ بلوط وأهله ليُنجيه من نقماته * وأعجل موسىٰ - عليه السلام - عن قومه لما جاء ربه لميقاته * وألاح له نورًا في صورة نار ليتفرَّغ إليه، فناداه من حاجاته * فسعىٰ إليه فحاباه بمناجاته * وأخرجه

روحانی اَسفار اور ان کے ثمرات

اللہ کے نام سے جو الرحمٰن اور الرحیم ہے اور درود و سلام ہوں ہمارے آقا محمد ﷺ اور آپؐ کی آل پر۔

سب تعریف اللہ کے لیے، جو عماء میں موجود اور استوا سے موصوف ہے۔ اُس کی ذات کا جلال اُس کی زمین کی تخلیق سے لے کر اُس کے آسمانوں کی تخلیق کی فراغت بعد ہے۔ اُس نے قرآن کو اس کی تمام سورتوں اور آیات کے ساتھ شب قدر میں۔ اور یہی مبارک رات[1] ہے۔ آسمانِ دنیا پر اُتارا۔ اُس نے سیاروں کو "امتزاج اور تخلیص"[2] کی منازل میں چلایا، اور یہ اس لیے کیا کہ اس سے اُس کے اندازوں کی تعریف کی جائے۔ اُس نے ہمارے آقا اور اپنے بندے محمد ﷺ کو رات کے ایک پہر میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ، (اور پھر) قاب قوسین اَو ادنیٰ تک سفر کروایا تاکہ انہیں اپنی چند نشانیاں دکھائے۔ اور آدم کو انہیں آزمانے والی زمین میں اُتارا، اور انہیں اپنی جنت سے نکالا جو اُن کے لیے نعمتوں اور لذتوں کا گھر تھا۔ اِدریس علیہ السلام کو عالم اکوان سے اٹھایا اور ایک بلند مقام میں ٹھہرایا جو کہ اِس (عالم کے) درمیانی درجات میں سے ہے۔ اپنے نبی نوح علیہ السلام کو سمندری طوفان اور تلاطم خیز موجوں کے درمیان ان کی نجات والی کشتی میں بٹھائے رکھا۔ اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا ساتھ دیا تاکہ انہیں انہی کی ہدایت اور عزت و اکرام میں سے جو چاہے عطا کرے۔ (پہلے) تو یوسف علیہ السلام کو اپنے باپ (یعقوب علیہ السلام) سے دور کیا، پھر اُن کے باپ کو اُن کے پیچھے بھیجا تاکہ آپ ان بہترین خوشخبریوں کی تصدیق کریں جو (یوسف علیہ السلام) نے خواب کی شکل میں دیکھیں۔ لوط علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کو راتوں رات سفر کروایا تاکہ انہیں اپنے انتقام سے نجات دے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مقررہ وقت پر اپنے رب سے ملنے آئے تو انہیں ان کی قوم سے جلدی کی بنا پر آگے کر دیا۔ آپ کے سامنے آگ کی صورت میں نور ظاہر کیا تاکہ آپ اِس کی طرف متوجہ ہوں، پس آپ کو آپ کی ضرورت سے پکارا۔ جب وہ اِس کی طرف بڑھے تو اپنی مناجات سے آپ کو محبوب بنایا۔ اور (اس سے قبل) آپ کو آپ کی

فارًا من قومه ليرسله بتكرمته برسالاته * وأسرىٰ بقومه ليغرَق من نازع ربَّه في ربوبيته من طُغاته * وأتعبه حين فارق الأدب في علمه في طلب من علَّمه من لَدُنْه علمًا، وآتاه رحمة من رحماته * ثم أتبعه في سفره ليعلِّمه بما خصه الله به[1] من قضاياه وحكوماته[1]* وحمل نبيَّه موسىٰ - عليه السلام - في تابوته وهو لا يعقل في يمّ هلكاته * ورفع عيسىٰ - عليه السلام - إليه لما كان كلمة من كلماته * وأذهب نبيَّه يونس - عليه السلام - مغاضِبًا فضيّق عليه في بطن حوتٍ في ظلماته * وأفصل طالوتَ بالجنود - وفيهم داود عليه السلام - ليبتَلِيَهم بنهر البلوىٰ، ليتمكن مَن صاحب غرفاته * وأخرق الآفاق بذي القرنين ليُقيم سَدًا بين الطائعين من عباد الله وبين عُصاته * وأنزل الروح الأمين علىٰ قلوب أهل نُبُوّاته * وأصعد الكلِم الطيّب إليه علىٰ بُراق العمل الصالح، ليُكْرِمه بمشاهدة ذاته *

والصلاة علىٰ سيدنا محمد - صلىٰ الله عليه وسلم - خير من تخلّق بأسمائه وصفاته * والسلام عليه وعلىٰ آله من أصحابه وقرابته وأزواجه وبنيه وبناتِه *

أما بعد: فإن الأسفار ثلاثة، لا رابع لها، أثبتها الحق - عز وجل - وهي:

١. سفر من عنده.
٢. وسفر إليه.
٣. وسفر فيه.

[1] ك، ف: - به. م، غ: خصه الله سبحانه وتعالىٰ من.

قوم سے مفرور حالت میں نکالا تاکہ آپ کو (منصبِ) رسالت کے عزت و اکرام کے ساتھ (واپس) بھیجے۔ اور آپ کی قوم کو رات میں سفر کروایا تاکہ جو سرکش رب کی ربوبیت میں سرکشی اختیار کریں (وہ) انہیں غرق کر دے۔ جب آپ اپنے علم میں ادب کھو بیٹھے تو آپ کو ایسی ہستی (یعنی حضرت خضر) کی تلاش میں تھکا دیا جسے خود سے علم لدنی عطا کیا، اور اپنی رحمتوں میں سے رحمت دی۔ پھر اس سفر میں آپ کو (خضر علیہ السلام) کا تابع کیا تاکہ آپ کو بتائے کہ اللہ نے انہیں کن معاملات اور فیصلوں سے مخصوص کیا۔ اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو اُس وقت تابوت میں ہلاک کر دینے والی موجوں کے سپرد کیا جب آپ غیر عاقل (بچے) تھے۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام (اللہ کے) کلمات میں سے ایک کلمہ تھے تو انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔ اور اپنے نبی یونس علیہ السلام کو غصے کی حالت میں (قوم) سے چلتا کیا پھر مچھلی کے پیٹ اور اُس کی تاریکیوں میں انہیں قید کیا۔ اور طالوت کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا- اور اس لشکر میں داؤد علیہ السلام بھی شامل تھے- تاکہ انہیں دریائے آزمائش سے آزمائے، اور یہ ثابت ہو جائے کہ کون چُلّو والا ہے (اور کون صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا)۔ اور اُس نے ذوالقرنین سے آفاق کھولے تاکہ وہ اللہ کے فرمانبر دار اور نافرمان بندوں کے درمیان ایک دیوار بنائیں۔ اور اِس نبوت کے اہل قلوب پر روح الامین کو اتارا۔ اور پاک کلمے کو عمل صالح کے بُراق پر (بٹھا کر) اپنی طرف بلند کیا تاکہ اسے اپنی ذات کے مشاہدے کا شرف بخشے۔

اور درود ہوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، جو (اللہ) کے اسما اور صفات سے متحقّق ہونے والوں میں سب سے بہتر ہیں، اور سلامتی ہو آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر، جس میں آپؐ کے اصحاب، قرابت دار، ازواج، بیٹے اور بیٹیاں شامل ہیں۔

امابعد: بیشک سفر تین ہیں، چوتھا کوئی نہیں، اور انہیں ہی حق عزوجل نے ثابت کیا، اور وہ یہ ہیں:

۱. سفر من عندہ (اُس سے سفر)۔
۲. سفر الیہ (اُس تک سفر)۔
۳. سفر فیہ (اُس میں سفر)۔

وهذا السفر فيه؛ هو سفر التِيه[٢] والحيْرة. فمن سافر من عنده؛ فرِبحه ما وجد،[1] وذلك هو ربحه. ومن سافر إليه؛[2] لم يربح سوى نفسه. والسفران الأوّلان لهما غاية يصلون إليها ويحطُّون عن رِحالهم، وسفر التيه لا غايةَ له. والطريق التي يمشي فيها المسافرون طريقان: طريق في البرّ، وطريق في البحر. قال الله – عز وجل –: ﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾[3] وهنا نكتة؛ وهي أنه تعالى ما قدَّم البر على البحر وتهمَّم بتقديمه إلا ليُعلم أنه من قدر على البر لا يسافر في البحر إلا من ضرورة.[٣] وكان عمر بن الخطاب – رضى الله عنه – يقول: لو لا هذه الآية، ثم يتلو ﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ لَضربتُ بالدِّرَة من سافر في البحر، ولو لم يكن في الإشارة إلى ترك السفر في البحر[4] إلا قوله[5]: ﴿إِنَّ[6] فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾[7] لكانت هذه الآية كافية.

ثم نقول: وما منها سفر، من هذه الثلاثة الأسفار إلا وصاحبه فيه على خطر، إلا إن يكون محمولًا كالإسراء. فكلّ من سُوفِرَ به نجا، وكل من سافر من غير أن يُسافَر به فهو على خطر.[8]

ثم إنه لما كان الوجود مبدأه على الحركة لم يتمكَّن أن يكون فيه سكون؛ لأنه لو سكن لعاد إلى أصله؛ وهو العدم، فلا يزال السفر أبدًا في العالم العُلْويّ والسُفْليّ. والحقائق الإلهية كذلك لا تزال في سفر غاديةً رائحةً. وقد جاء النزول الرَّبَاني إلى السماء الدُّنيا[٤] وقد جاء الاستواء إلى السماء على ما يعطيه التنزيه ونفْي المماثلة

[1] التشكيل في ك: وُجِدَ؛ وفي ب: وَجَدَ.

[2] ك، ش، ف، ا، م، غ: سافر فيه. (انظر المسافرون إليه وأحوالهم فيما يأتي)

[3] [يونس: ٢٢]

[4] ك، ب، ف: – في البحر.

[5] ف، ا: + في ذلك.

[6] ك: – إن.

[7] [الشورى: ٣٣]

[8] ش، غ، م: + عظيم.

سِفر فیہ (یعنی اُس میں سفر) سِفر حیرت اور گمراہی ہے۔ جو کوئی "اُس سے سفر" کرتا ہے تو اُس کا نفع وہ (علم) ہی ہے جو وہ پاتا ہے، یہی اِس (سفر) کا فائدہ ہے۔ اور جس نے "اُس تک سفر" کیا اُس نے (اس سفر میں) اپنے نفس (کی لذت) کے سوا کچھ نفع نہ پایا۔ پہلے دو اسفار (سفر من عندہ اور سفر الیہ) کی ایک انتہا ہے جس تک پہنچ کر مسافر سفر سے دستبردار ہو جاتے ہیں، جبکہ سفر حیرت کی کوئی انتہا نہیں۔ پھر مسافروں کے چلنے کے بھی دو راستے ہیں: ایک بری راستہ اور دوسرا بحری راستہ۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے﴾ (یونس:۲۲) یہاں ایک نکتہ ہے؛ وہ یہ کہ اس متعال نے خشکی کا ذکر تری سے اس لیے پہلے رکھا اور اِس پہلے رکھنے پر زور دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو خشکی پر سفر کی قدرت رکھتا ہو اُسے صرف ضرورت کے تحت ہی سمندری سفر کرنا چاہیے۔[۳] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: اگر یہ آیت نہ ہوتی- پھر تلاوت فرماتے: ﴿وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے﴾- تو میں اُسے درے لگاتا جو سمندر کا سفر کرتا۔ اگر سمندری سفر نہ کرنے میں اُس کا صرف یہی ایک اشارہ ہوتا جو کہ اُس کا کہنا ہے: ﴿اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے اور جہاز اس پانی کی سطح پر ہی کھڑے رہیں بے شک اِس میں ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں﴾ (لقمان:۳۱) تو یہی ایک آیت کافی تھی۔

اس کے بعد ہم کہتے ہیں: اِن تینوں سفروں میں سے کوئی سا بھی سفر ہو تو وہ صاحبِ سفر کے لیے پُر خطر ہے، سوائے یہ کہ اگر اُسے سفر کروایا جائے؛ جیسا کہ معراج (النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھی۔ پس ہر وہ شخص جسے سفر کروایا گیا وہ محفوظ رہا، اور ہر وہ شخص جس نے ایسی صورت میں سفر کیا کہ اُسے سفر نہ کروایا گیا تو وہ خطرے میں ہے۔

چونکہ وجود کی بنیاد حرکت پر ہے تو اِس میں سکون کی صلاحیت نہیں؛ کہ اگر وہ ساکن ہو گیا تو اپنی اصل یعنی عدم کی طرف لوٹ جائے گا، سو عُلوی اور سُفلی عالم میں ہمیشہ سفر ہی ہے۔ حقائق الٰہیہ بھی اسی طرح ہمیشہ سے سفر میں ہیں، آ رہے ہیں جا رہے ہیں۔ آسمانِ دنیا پر نزول ربانی کی خبر آئی ہے،[۴] اِسی طرح تنزیہ کے مطابق اور مماثلت و تشبیہ کے بغیر اُس کا آسمان پر قائم ہونے کا بھی ذکر ہے۔ جہاں تک عالم عُلوی کا تعلق ہے تو یہ افلاک - اور جو کچھ ان میں ہے - ہمیشہ سے

والتشبيه. وأما العالم العلوي فلا تزال الأفلاك دائرة بمن فيها لا تسكن، ولو سكنتْ بطُل الكون وتمّ نظام العالم وانتهى. وسِباحة[1] الكواكب في الأفلاك سفرٌ لها ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ﴾[2] وحركات الأركان الأربعة، وحركات المولّدات[3] في كل دقيقة والتغير[4] والإسْتِحالات[5] في كل نفَس. وسفر الأفكار في محمود ومذموم، وسفر الأنفاس من المتنفَّس،[6] وسفر الأبصار في المبصَرات يقظةً ونومًا، وعبورها من عالم إلى عالمٍ بالاعتبار. وهذا كله سفر بلا شك عند كل عاقل.

وقد ذهب بعضهم إلى أنّ عالم الأجسام من وقت خلَقَه الله لم يزل بجملته نازلًا، ولا يزال في الخلاء[٥] الذي لا نهاية له. وعلى الحقيقة فلا نزال[7] في سفرٍ أبدًا من وقت نشأتنا، ونشأة أصولنا إلى ما لا نهاية له. وإذا لاح لك منزل تقول فيه: هذا هو الغاية، انفتح عليك منه طريق آخر، فتزوّدت منه وانصرفت. فما من منزل تُشْرِف عليه إلا ويمكن أن تقول: هو غايتي، ثم إنك إذا وصلتَ إليه، لم تلبثْ أن تخرج عنه راحلًا.

وكم سافرتَ في أطوار المخلوقات إلى أن تكونْتَ دمًا في أبيك وأُمّك، ثم اجتمعا من أجْلك - عن قصْد لظهورك أو غير قصد - فانتقلتَ مَنيًا، ثم انتقلت من تلك الصورة علَقةً إلى مُضْغة إلى عظْم، ثم كُسِيَ العظم لحمًا، ثم أُنْشِئتَ نشأةً أُخرى، ثم أُخرجتَ إلى الدنيا، فانتقلتَ إلى الطفولة، ومن الطفولة إلى الصِبا، ومن الصبا إلى الشباب، ومن الشباب إلى الفتوّة، ومن الفتوة إلى الكهولة، ومن الكهولة إلى الشيْخوخة، ومن الشيخوخة إلى الهَرَم؛ وهو أرْذَل العُمر. ومنه إلى البرزخ فسافرتَ

---

[1] ب: سياحة.

[2] [يس: ٣٩]

[3] م، غ: مولودات.

[4] ب: والتغيير. ف، م، ا: بالتغيير. ش، غ: بالتعيين.

[5] ف: والإستحالة.

[6] ش، م، غ: المتنفسين.

[7] ك: تزال.

دائروں میں گھوم رہے ہیں رکتے نہیں، اگر یہ رُک جائیں تو کائنات برباد ہو جائے اور اِس عالم کا نظام تمام ہو کر اپنے انجام کو پہنچ جائے۔ سیاروں کا افلاک میں تیرنا ہی اِن کا سفر ہے ﴿اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دیں﴾ (یسین: ۳۹) چار ارکان کی حرکات، ہر لمحے مولدات کی حرکات اور ہر سانس میں تغیّر اور استحالات، افکار کا محمود (قابل تعریف) اور مذموم (قابل مذمت) میں سفر، سانس لینے والے میں سانسوں کا سفر، آنکھوں کا نیند اور جاگتے میں مبصرات (یعنی دیکھی جانی والی اشیا) میں سفر، اور ان کا غور و فکر کی غرض سے ایک دنیا سے دوسری دنیا میں جانا۔ بلا شک و شبہ یہ تمام عقل رکھنے والوں کے نزدیک سفر ہی ہیں۔

بعضوں کا کہنا ہے کہ جب سے اللہ نے اس عالم اجسام کو تخلیق کیا یہ سارے کا سارا نیچے کی طرف گر رہا ہے، اور یہ اُس خلا[5] میں ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ در حقیقت ہم ہمیشہ سے -جب سے ہم پیدا ہوئے یا جب سے ہمارے آباؤ اجداد کی پیدائش ہے بلکہ اِس سے بھی پہلے سے- سفر میں ہیں۔ جب تجھے کوئی منزل نظر آتی ہے تو تُو اُس کے بارے میں کہتا ہے: یہی انتہا ہے، مگر اسی (منزل) سے تیرے لیے اور راستے پھوٹ پڑتے ہیں، تو اِس سے زاد لیتا ہے اور آگے چل پڑتا ہے۔ کس کس منزل کے بارے میں تو یہ کہہ سکتا تھا: یہی میری انتہا ہے، مگر جیسے ہی تو اِس تک پہنچا، کچھ وقت ہی اس میں ٹھہرا کہ اس سے بھی چلتا بنا۔

تُو نے مخلوقات میں کتنے ہی مراحل طے کیے یہاں تک کہ تُو اپنے باپ اور اپنی ماں کا خون بنا، پھر وہ تیری خاطر ملے، تجھے ظاہر کرنے کی غرض سے یا اس کے بغیر، پھر تو منی میں منتقل ہو گیا، پھر اِس صورت سے ایک چپکنے والی بوٹی (علقہ) کی صورت میں منتقل ہوا، اُس سے (مضغہ) گوشت کا لوتھڑا اور اس سے ہڈی کی شکل بنا، پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا گیا، پھر تجھے ایک دوسری نشأۃ بنا دیا گیا، پھر تجھے دنیا میں لایا گیا، اور تو بچپنے میں جا پہنچا، بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی، جوانی سے پختہ عمر، پختہ عمر سے ادھیڑ عمر، ادھیڑ عمر سے بڑھاپا، اور بڑھاپے کی بھی آخری عمر جو کہ کمزوری والی عمر ہے۔ اور یہاں سے برزخ کی طرف گیا، تو نے برزخ میں حشر تک کا سفر کیا، پھر تو نے حشر سے (پل) صراط کی طرف ایک سفر شروع کیا جو یا تو جنت میں پہنچ کر اختتام پذیر ہو گا یا دوزخ میں؛ اگر تو اِس کے اہل میں سے ہوا، لیکن اگر تُو اِس (دوزخ) کے اہل میں سے نہ ہوا پھر تُو دوزخ

في البرزخ إلى الحشر، ثم من الحشر أحدثْتَ سفرًا إلى الصراط، إمّا إلى الجنّة وإمّا إلى النار[1] إن كنتَ من أهلها، وإن لم تكن من أهلها سافرت من النار إلى الجنة، ومن الجنة إلى كثيب الرؤية. فلا تزال تتردَّد بين الجنة والكثيب دائمًا أبدًا. وفي النار لا يزالون مسافرين من صعود إلى هبوط، ومن هبوط إلى صعود، مثل قِطَع اللحم في القِدرْ على النار ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾.[2]

فما ثَمَّ سكونٌ أصلًا، بل الحركة دائمة في الدنيا. ليلٌ ونهارٌ[3] يتعاقبان، فتتعاقب[4] الأفكار والحالات والهيئات بِتعاقُبِها،[5] وتعاقُبِ الحقائق الإلهية عليها. فتارةً تنزل على الاسم الإلهي الرحيم، وتارةً على الاسم التوّاب، وتارة على الغفّار، وتارة على الرزّاق وعلى الوهّاب وعلى المُنْتقِم. وكلٌّ اسمٍ للحضرة الإلهية وهي أيضًا تنزل عليك بما عندها من الوهب والرزق الانتقام والتوبة والمغفرة والرحمة. فنزولٌ منك عليها بالطلب، ونزول منها عليك بالعطاء.

فإذا كان الأمر على هذا، فيرجع العبد بفكره وينظر في الفرقان بين السفر الذي كلِّف أن يستعِدّ له وفيه سعادته - أعني في الاستعداد -: وهو السفر إليه، والسفر فيه، والسفر من عنده - وهذه الأسفار كلها مشروعة له - وبين السفر الذي ما كُلِّف أن يستعدّ له: كالمشْي في الأرض في المُباح، والسفر في تجارة الدنيا لتثمير[6] المال وأمثال ذلك، وكسفر نفَسه بالدخول والخروج؛ فإنه من وجهٍ غيرُ مكلَّف به ولا مشروع، وإنما تقتضيه[7] النشأة. نسأل الله جميل العاقبة والعافية.

ثم إن المسافرين من عنده على ثلاثة أقسام:

---

[1] ك، ف، غ، م، ا: جنة إما إلى نار.

[2] [النساء: ٥٦]

[3] ش، ف، م، ا، غ: ليلًا ونهارًا.

[4] ب، ش، غ، م: فيتعاقب

[5] ش، غ، م: بتعاقبها.

[6] ش، غ: ليتميز.

[7] ب، ش، م: يقتضيه.

سے جنت کی طرف سفر کرے گا، اور جنت سے کثیب[٦] رویت کی طرف۔ اور تو ہمیشہ جنت اور کثیب کے درمیان سفر میں رہے گا۔ اور دوزخی دوزخ میں بھی ہمیشہ سفر میں رہیں گے؛ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر، جیسا کہ آگ پر رکھی ہانڈی میں گوشت کے ٹکڑے اوپر نیچے ہوتے رہتے ہیں ﴿جب بھی اِن کی جلدیں پک جائیں گی تو ہم ان کو نئی جلدیں عطا کر دیں گے تاکہ یہ عذاب کو چکھیں﴾ (النسا:٥٦)

یہاں اصلاً کوئی سکون نہیں بلکہ (اس) دنیا میں حرکت کو ہی دوام ہے۔[1] رات اور دن ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں، اسی سے افکار، حالات اور ہیئات بھی بدلتے رہتے ہیں، اور حقائق الٰہیہ کا تعاقب بھی انہی پر ہے۔ کبھی یہ اسم الٰہی "الرحیم" پر اترتے ہیں کبھی اسم "التواب" پر، کبھی (اسم) "الغفار" پر، کبھی (اسم) "الرزاق" پر، کبھی اسم "الوہاب" اور (اسم) "المنتقم" پر۔ حاضرت الٰہی کا ہر اسم بشمول جو اس کے پاس ہے یعنی وہب، رزق، انتقام، توبہ، مغفرت اور رحمت کے ساتھ تجھ پر اترتا ہے۔ تیرا اِن (اسما) پر اترنا طلب سے ہے اور اِن کا تجھ پر اترنا عطا سے ہے۔

اگر یہ معاملہ اسی طرح سے ہے تو بندے کو چاہیے کہ اپنی فکر کی طرف لوٹے اور اُس فرقان میں غور کرے جو ان دونوں سفروں میں ہے؛ ایک وہ سفر جس کی تیاری کا اُسے مکلف کیا گیا اور جس کی تیاری میں اس کی سعادت ہے:- یہ (سفر الیہ) اُس تک سفر (سفر فیہ) اُس میں سفر اور (سفر من عندہ) اُس سے سفر ہی ہے، یہ تمام سفر اُس کے لیے مشروع ہیں - اور دوسرا وہ سفر جس کی تیاری کا اُسے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا؛ جیسا کہ زمین میں مباح (کاموں کے لیے) سفر کرنا، یا مالی نفع کے لیے دنیاوی تجارتی سفر یا اِس جیسے دیگر اسفار، یا اُس کے سانسوں کے اندر جانے اور باہر نکلنے کا سفر؛ ایک رخ سے اُسے اِن سفروں کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا اور نہ ہی شرعاً ایسا حکم دیا گیا، بلکہ یہ اُس کی ظاہری نشأۃ کا تقاضا ہیں۔ ہم اللہ سے بہترین عاقبت اور عافیت کے خواستگار ہیں۔

پھر مسافر من عندہ (اس سے آنے والے مسافر) بھی تین اقسام کے ہیں:

١. ایک دھتکارا ہوا مسافر، جیسا کہ ابلیس - اللہ کی اس پر لعنت ہو - اور تمام مشرک لوگ۔

---

[1] سکوں محال ہے دنیا کے کارخانے میں ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

مسافرٌ مطرود: كإبليس – لعنه الله – وكلِ مشرك.

ومسافرٌ غير مطرود، لكنه سفرُ خجَل كسفر العُصاة؛ لأنهم لا يقدرون على الإقامة في الحضرة مع المخالفة للحياء الذي غلب عليهم.

وسفرُ اجتباء واصطفاء كسفر المرسلين من عنده إلى خلقه، ورجوعِ الوارثين العارفين من المشاهدة إلى عالم النفوس، بالملك والتدبير والناموس والسياسة.

ثم المسافرون إليه أيضًا ثلاثة:

مسافرٌ أشرك به وجسّمه وشبّهه ومثّله ونسب إليه ما يستحيل عليه، إذ قال عن نفسه: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[1] فهذا المسافر يصل إلي الحجاب – لا يراه أبدًا – طريدًا عن الرحمة.

ومسافرٌ نزّهه عن كل ما لا يليق به، بل يستحيل عليه مما جاء في المتشابهِ في كتابه، ثم يقول في آخر تنزيهه: والله أعلم بما قاله في كتابه، ثم لم يزلْ فيما عدا الشرك والتشبيه خائضًا في المخالفات. فهذا إذا وصل، وصل إلى العِتاب، لا إلى الحجاب ولا إلى عذاب مؤبَّد. فهذا يتلقّاه الشافعون ينتظرونه على الباب، فيُنْزِلونه عليه خيرَ مُنْزَل، لكنه يُعْتَب في عدم الاحترام.

ومسافرٌ معصوم و[2] محفوظ، قد بسطهما الأُنس والإدلال[3]، يخاف الناس ولا يخافون، ويحزن الناس ولا يحزنون؛ لأنهم من الخوف والحزن انتقلوا، ومن انتقل من شيء من المحال أن يَحُطَّ فيه. ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾[4] وهي البُشرى التي لهم في الآخرة. فهؤلاء هم المسافرون إليه.

---

[1] [الشورى: ١١]

[2] ش، م، ا، ف، غ: + مسافر.

[3] ك، ف، ب: الدّلال. م: والإذلال.

[4] [الأنبياء: ١٠٣]

۲. دوسرا وہ مسافر جسے دھتکارا تو نہیں گیا، لیکن یہ ندامت کا سفر ہے مثلاً گناہگاروں کا سفر کیونکہ وہ (اس کی) مخالفت کرنے پر اُس کے حضور غلبہ ندامت کے باعث قیام کی قدرت نہیں رکھتے۔

۳. تیسرا پسندیدہ اور منتخب کیے ہوؤں کا سفر، جیسا کہ پیغمبروں کا اُس سے مخلوق کی طرف سفر، یا وارثین عارفین کا (عالم) مشاہدہ سے عالم نفوس کی طرف بادشاہت، تدبیر، شریعت اور سیاست سے لوٹنا ہے۔

پھر اُس تک سفر کرنے والے بھی تین (طرح کے) ہیں:

۱. ایک وہ مسافر جس نے اس سے شرک کیا، اُسے مجسم کیا، اُس کی شبیہ اور مثال بنائی، یا اُس ذات کی طرف وہ کچھ منسوب کیا جو اُس کے لیے جائز نہیں، کہ اُس نے اپنے بارے میں کہا ہے: ﴿اُس جیسی کوئی چیز نہیں﴾ (الشوریٰ: ۱۱) یہ مسافر حجاب تک ہی پہنچتا ہے کبھی اُسے دیکھ نہیں پاتا، یہ رحمت سے دھتکارا ہوا مسافر ہے۔

۲. دوسرا وہ مسافر جس نے اُس (ذات) کو ہر اُس بات سے منزّہ کیا جو اُس کے شایان شان نہیں، بلکہ جو اُس پر محال ہیں چاہے یہ اُسی کی کتاب کی متشابہ آیات میں کیوں نہ آئی ہوں، پھر ایسا (مسافر) اِس تنزیہ کے بعد کہتا ہے: اللہ (بہتر) جانتا ہے جو اُس نے اپنی کتاب میں کہا، پھر شرک اور تشبیہ کو چھوڑ کر یہ ہر قسم کی مخالفات میں لگا رہا۔ اگر یہ کہیں پہنچا تو عتاب تک پہنچے گا، نہ حجاب تک اور نہ ہی دائمی عذاب تک۔ اِس کا استقبال شفاعت کرنے والے کریں گے، دروازے پر اِس کا انتظار کر رہے ہوں گے، اور اِسے بہترین گھر میں ٹھہرائیں گے لیکن حرمت کا خیال نہ رکھنے پر اِس کی سرزنش ہو گی۔

۳. تیسرا معصوم اور محفوظ مسافر، ان دونوں کو انس اور شوخی نے گھیر رکھا ہے، لوگوں کو خوف ہوتا ہے جبکہ یہ بے خوف ہوتے ہیں، لوگ غمناک ہوتے ہیں اور یہ بے غم ہوتے ہیں، کیونکہ یہ خوف اور غم سے نکل گئے، اور جو کوئی کسی مقام سے نکل گیا تو وہ اُس میں ٹھہرا نہیں رہتا۔ ﴿انہیں (اُس دن کا) بڑا بھاری خوف بھی غمناک نہ کرے گا اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے) یہی وہ دن ہے جس کا تم سے

وأما المسافرون فيه؛ فطائفتان:

طائفةٌ سافرتْ فيه بأفكارها وعقولها؛ فضلّتْ عن الطريق، ولا بدّ. فإنهم ما لهم دليل في زعْمِهم يدُلّ بهم سوىٰ فكرِهم؛ وهم الفلاسفة ومن نحا نحْوَهم.

وطائفةٌ سُوفِرَ بها[1] فيه؛ وهم الرسل، والأنبياء، والمصطفون من الأولياء، كالمحقِّقين من رجال الصوفية مثل: سَهْل بن عبدالله، وأبي يزيد، وفَرْقَد السَّبْخي، والجنيد بن محمد، والحسن البصري، ومن شُهِرَ منهم ممن يعرفه الناس إلىٰ زماننا هذا.

غير أن الزمان اليوم ليس هو كالزمان الماضي، وسبب ذلك قُرْبه من الدار الآخرة. فكَثُر الكشفُ في أهله اليوم، وصارت لوائحُ الأرواح تبدو وتظهر. فأهل زماننا اليوم أسْرَعُ كشفًا وأكثر شهودًا وأغزر[2] معرفةً وأتمّ في الحقائق، وأقلّ عملًا من الزمان المتقدِّم؛ فإنهم كانوا أكثر عملًا وأقلُ فتحًا وكشفًا منّا اليوم، وذلك لأنهم أبْعَدُ إلاّ زمانَ الصحابة لشهود النبي - صلىٰ الله عليه وسلم - ونزولِ الأرواح عليه فيما بينهم مع الأنفاس. كان المنوَّرون منهم عندهم هذا وكانوا قليلين جدًا مثل أبي بكر الصديق وعمر بن الخطاب وعلي بن أبي طالب - رضي الله عنهم - وأمثالهم. فالعمل فيما مضىٰ كان أغلب والعلم في وقتنا هذا أغلب، والأمر في مزيد إلىٰ نزول عيسىٰ - عليه السلام - فإنه يَكْثُر. والركعة اليوم منا كعبادة شخص ممن تقدم عمرَه كلَّه كما قال - صلىٰ الله عليه وسلم -: «للعامل منهم أجرُ خمسين رجلًا يعملون مثل عملكم».[V] وما أحْسَنَها من عبارة وألطفَها من إشارة. وهذا مما ذكرناه لاقتراب

---

[1] ش: بهم.

[2] ش: أعرب.

وعدہ کیا جاتا تھا﴾ (الأنبیاء: ۱۰۳) یہی اُن کے لیے آخرت میں بشارت ہو گی۔ یہی لوگ اُس تک سفر کرنے والے ہیں۔

جہاں تک اُس میں سفر کرنے والوں کا تعلق ہے تو وہ دو گروہ ہیں:

۱. ایک وہ جماعت جس نے اپنے افکار اور اپنی عقول سے اُس (کی ذات) میں سفر کیا، یہ راستہ گنوا بیٹھے اور یہی لازم ہے۔ کیونکہ اِن کے گمان کے مطابق اِن کے پاس اِن کی اپنی تفکیر کے سوا کوئی ایسی دلیل نہیں جو اِن کی رہنمائی کرتی؛ یہ فلاسفہ یا ان کے راستے پر چلنے والے ہی ہیں۔

۲. دوسری وہ جماعت جنہیں اُس میں سفر کروایا گیا؛ یہ رسول، انبیا اور اولیا میں سے منتخب ہستیاں ہی ہیں جیسا کہ صوفیائے محققین مثلاً: سہل بن عبداللہ تستری، بایزید بسطامی، فرقد سبخی، جنید بغدادی، حسن بصری یا وہ مشہور ہستیاں جنہیں لوگ آج تک جانتے ہیں۔

مگر آج کا دور ماضی جیسا نہیں، اِس کی وجہ (زمانے کا) دار آخرت سے نزدیک ہونا ہے۔ آج اہل کشف میں کثرت سے کشف ہے، ارواح کے ظواہر روشن اور واضح ہیں۔ ہمارے زمانے والے آج جلدی کشف پانے والے، زیادہ مشاہدے والے، وافر معرفت اور مکمل حقائق والے ہیں، جبکہ یہ پچھلے دور والوں سے اعمال میں پیچھے ہیں؛ کیونکہ وہ لوگ زیادہ اعمال والے اور ہم سے آج (کے مطابق) کم کشف اور مشاہدے والے تھے، کیونکہ وہ (آخرت) سے دُور تھے، سوائے صحابہ کا دور کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، آپؐ پر ہر لمحے اپنے درمیان ارواح کو اترتے دیکھا۔ ان میں بھی منور ہستیاں تھیں مگر کم تھیں جیسا کہ ابو بکر صدیق، عمر ابن الخطاب اور علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم یا ان جیسے۔ پہلے عمل غالب تھا اور آج کے ہمارے اس دور میں علم غالب ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک یہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ آج ہم میں سے کسی کی ایک رکعت بھی ایسی ہے کہ جیسے پہلے وقتوں میں کسی نے ساری عمر عبادت میں گزار دی، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اُن (آخری دور کے لوگوں) میں سے عمل کرنے والے کو تم جیسے پچاس (۵۰) آدمیوں کے اعمال کے برابر اجر ملے گا۔"[۷] یہ کتنی ہی بہترین تعبیر اور کیا ہی لطیف اشارہ ہے۔ یہ جو ہم نے ذکر کیا اس کی وجہ زمانے کی (آخرت سے) قربت اور حکم برزخ کا ظہور ہے۔ کیا تُو نے

الزمان وظهور حكم البرزخ. ألا ترى إلى قوله - صلى الله عليه وسلم -: «لا تقوم الساعة حتى يكلّم الرجلَ فخذُه بما فعل أهله عَذَبة سوطه».[١] و«تقول الشجرة: هذا يهودي خلفي اقتُلْه».[٩] وهذا في الدنيا، فهل هذا إلا من ظهور موطن[1] الآخرة التي هي الدار الحيوان.

فالعلم واحد منتشر يستدعي حَمَلَة، فمهما كثر حاملوه، بما هم فيه من الصلاح؛ لأنه علم الصالحين، قُسِم عليهم، ولهذا قلّ فيمن تقدم. ومن كان عنده منه شيء لم يظهر عليه؛ لأنه غالب عليه. ومهما قَلّ حاملوه - بما هم[2] فيه العامة من الفساد - حصل للصالح سهم موفور[3]؛ لأنّ عنده نصيبَ كل مُفسِد، فإنه وارثه. فلهذا كثر العلم والفتح والكشف في المتأخر، ومن كان عنده منه شيء ظهر عليه؛ لأن علمه غالب عليه لكثرته. فسبحان واهبِ الكل، ولكن مع هذا كله فالآخِر في ميزان الأول ولا بد، إذا كان تابعًا له مقتديًا به، ولكن من حيث الوزن؛ وهو العمل، لا من حيث العلم بالله؛ فإن العلم بالله لابد فيه من الميزان و ﴿ذَٰلِكَ فَضۡلُ ٱللَّهِ يُؤۡتِيهِ مَن يَشَآءُۚ وَٱللَّهُ ذُو ٱلۡفَضۡلِ ٱلۡعَظِيمِ﴾[4]

ونحن إن شاء الله نذكر في هذه العجالة من الأسفار التي وقفنا عليها علمًا وعينًا؛[5] وهي التي وقعت للأنبياء - عليهم السلام - والأسفار الإلهية، وسفر المعاني في معرض التنبيه على ما يبغى[6] من الأسفار. فإن الله قد ذكر في القرآن[7] أسفارًا كثيرة عن[8] أصناف من المخلوقات، فاقتصرنا على هذا القدر.

---

[1] ش: مؤمن.
[2] التشكيل في ب: همَّ.
[3] في سائر النسخ ما عدا ب: منهم موفورا.
[4] [الحديد: ٢١]
[5] ش: غيبا.
[6] ش، أ، م، غ: يبقى؛ ف: بدون النقط.
[7] م: + العظيم
[8] ش: على.

آپ ﷺ کے اِس قول پر غور نہیں کیا: "اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ آدمی کی ران اور اُس کے کوڑے کی دستی اُسے یہ نہ بتائے کہ اُس کے گھر والوں نے کیا کیا۔"[8] درخت کہے گا: "میرے پیچھے یہودی (چھپا) ہے اُسے قتل کر دے۔"[9] یہ سب دنیا میں ہو گا، کیا یہ سب آخرت کے ٹھکانے - جو کہ دائمی زندگی کا گھر ہے - کے ظہور کے باعث نہیں؟

علم ایک ہی ہے جو پھیلا ہے یہ اٹھانے والوں کو بلا رہا ہے۔ اِس کے اٹھانے والے جتنے بڑھتے جائیں - اس شرط پر کہ وہ صالح ہوں؛ کیونکہ یہ صالحین کا علم ہے - یہ اُن پر تقسیم ہو گا، اِسی لیے یہ پہلے لوگوں میں کم تھا۔ اُن میں سے کسی کے پاس اگر اِس (علم) کا کچھ حصہ تھا بھی تو اُس پر ظاہر نہ تھا کیونکہ وہ اِس پر غالب تھا۔ اور اگر اِس کو اٹھانے والے کم ہو جائیں - کہ عوام کی حالت تو بہت ہی خراب ہے - تو صالح کو یہ وافر مقدار میں ملے گا؛ کیونکہ اُس کے پاس ہر بدکار کا حصہ بھی آئے گا، کیونکہ وہ (نیک بندہ) اِس (علم) کا وارث ہے۔ اِسی لیے پچھلوں میں علم، کشف اور فتح کثرت سے ہے، اگر اِن میں سے کسی کے پاس کچھ ہوتا بھی ہے تو اُس پر ظاہر ہوتا ہے؛ کیونکہ اُس کا علم اپنی کثرت کے باعث اُس پر غالب ہے۔ پس پاک ہے وہ جس نے سب کو دیا، لیکن اس سب کے باوجود بعد والا پہلے والے کے میزان میں ہے کہ یہ اُس کا تابع اور اس کی اقتدا کرنے والا ہے، لیکن یہ (اتباع اور اقتدا) وزن کے حساب سے ہے جو کہ عمل ہے نہ کہ علم باللہ کے حساب سے، بیشک علم باللہ کا بھی ایک میزان ہے اور ﴿یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے عظیم فضل والا ہے﴾ (الحدید: ۲۱)

اگر اللہ نے چاہا تو اِس پوٹلی میں ہم اُن اسفار کا ذکر کریں گے جن پر ہم علم اور عین[10] سے مطلع ہوئے؛ یہ مختلف انبیا علیہم السلام کو پیش آئے، اور خدائی اسفار، آگاہی کے راستے سے معانی کا سفر یا وہ اسفار جن کی طلب رکھی جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مختلف اصناف کی مخلوقات کے بہت سے اسفار کا ذکر کیا ہے، لیکن ہم نے انہی پر اکتفا کیا۔

فمن ذلك سفر رباني من العماء إلى عرش الاستواء الذي تَسَلَّمه الاسم الرحمن

ورد خبر وهو أن بعض الناس قال لرسول الله – صلى الله عليه وسلم –: «أين كان ربنا قبل أن يخلق الخلق» – أو كما قال – فقال – صلى الله عليه وسلم –: «كان[1] في عماءٍ ما فوقه هواء وما تحته هواء» فقد تكون[2] لفظة «ما» هنا نافية[10]، وقد تكون بمعنى الذي. اعلم أن هذا سُرادِق الألوهية وحاجز عظيم يمنع الكونَ أن يتَّصِل بالأُلوهة[3] وتمنع الألوهة[4] أن تتصل بالكون، أعني في الحدود الذاتية. ومن هذا العماء يقول الله – تعالى – ما ورد في الصحيح عن النبي – صلى الله عليه وسلم –: «ما ترددتُ في شيء أنا فاعلُه تردُّدي في قبض نسمة المؤمن، يكره الموت وأنا أكره مساءته، ولا بد له من لقائي».[11] وقوله – تعالى –: ﴿ما يُبدَّلُ القولُ لديَّ﴾[5] وإليه الإشارة بقوله[6]: وَجَاءَ رَبُّكَ ﴿فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ﴾[7] يعني في يوم الفصل والقضاء، وما أشبه هذا النوع مما ورد في الأخبار، فهذا من جانب الألوهة لما أرادت الوصول إلى الكون. وأما ما ورد من[8] هذا الفن عن الكون لما أراد الاتصال بالألوهة،[9] قوله – صلى الله

---

[1] ش، م، ف، ا، غ: – كان.

[2] ب، غ: يكون.

[3] ب، ش، م، ا، غ: بالألوهية.

[4] م، ا: الألوهية. ش: الألوه.

[5] [ق: ٢٩]

[6] ي، ك، ف: بقول. ش: بقولي.

[7] [البقرة: ٢١٠]

[8] م، ف، غ: في.

[9] ب: الألوهية.

عماء سے استوائے عرش تک کا ربانی سفر
جسے اسم الرحمٰن سنبھالتا ہے

حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ہمارا رب تخلیق خلق سے پہلے کہاں تھا؟ - یا جیسے بھی پوچھا - آپؐ نے فرمایا: وہ عماء میں تھا جس کے نہ اوپر ہوا تھی اور نہ نیچے ہوا تھی۔ یہاں لفظ "ما" نفی کے معنوں بھی ہو سکتا ہے اور "الذی" کے معنوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ جان لے کہ یہ (عماء)[11] وہ خدائی شامیانہ اور ایسی عظیم رکاوٹ ہے جو کائنات کو الوہت سے جڑنے اور الوہت کو کائنات سے جڑنے - میرا مطلب ہے ذاتی حدود میں جڑنے - سے روکتی ہے۔ اسی عماء سے اللہ تعالی فرماتا ہے جو نبی کریم ﷺ سے صحیح (حدیث) میں آیا ہے: "میں کچھ کرنے میں اتنا تردد نہیں کرتا جتنا تردد میں اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں کرتا ہوں، اُسے موت ناپسند ہے اور مجھ پر اُس کی ناپسندیدگی ناگوار ہے، لیکن مجھ سے ملنا بھی لازم ہے۔"[12] اور اللہ تعالی کا یہ قول: ﴿میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی﴾ (ق:۲۹) اور اِس قول میں بھی اِسی طرف اشارہ ہے: تیرا رب ﴿بادل کے سائے میں آیا﴾ (البقرہ:۲۱۰) یعنی فیصلے اور قضا کے دن، یا اس طرز کا دیگر جو کچھ روایات میں آیا ہے، یہ تو ہو گیا کہ جب الوہت کائنات سے جڑنا چاہے۔ جہاں تک اِس بارے میں کائنات کے الوہت سے اتصال کی باتیں ہیں تو آپ ﷺ کا یہ کہنا: "میں تیری تعریف کا شمار نہیں کر سکتا۔"[13] یا آپ ﷺ کا یہ قول: "یا جو تو نے اپنے علم غیب میں چھپا رکھا ہے۔"[14] اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول: "ادراک کے ادراک سے عجز بھی ایک ادراک ہے۔"[15]

عليه وسلم -: «لا أُحْصي ثناءً عليك»[١٢] وقوله: «أو استأثرتَ به في علم غيبك»[١٣] وقول أبي بكر الصديق[1]: «العجز عن درك الإدراك إدراك».[١٤]

فلما أوجد دائرة الكون المحيطة المعبَّر عنها بالعرش[١٥] الذي هو السرير الأقدس، فلا بد من مِلِك لهذا السرير، وهو يريد الإيجاد. والإيجاد ثمرة جود الوجود الإلهي ولا بد، فلا بد من الرحمانية أن تكون الحاكمة في هذا الفصل. فاستوى عليه الاسم الرحمان في سرادق العماء الذي يليق بالرحمانية الإلهية، وهو نوع من العماء الرباني. وكان سفر الرحمانية[2] من العماء الرباني إلى الاستواء العرشي[3] موجودٌ[4] عن الجود، وما دون العرش موجود عن المستوِي[5] على العرش وهو الاسم الرحمان الذي وسعت رحمته كل شيء وجوبًا ومِنّة. ولما سافر هذا الاسم الرحمان سافرت معه جميع الأسماء المتعلِّقة بالكون؛ فإنها وَزَعتُه وسَدَنته وأُمراؤه كالرازق، والاسم المغيث، والاسم المحيي، والاسم المميت، والاسم الضار، والاسم النافع، وجميع أسماء الأفعال خاصة. فإن كل اسم لا يُعْرَف إلا من فعل فهو من أسماء الأفعال، وهو ممن سافر مع الاسم الرحمان. وكل اسم لا يعرف من فعل فليس له في هذا السفر مدخلٌ البتة.

فإذا أردتَ[6] [أنت أو جماعة المتفكرين] أن تُسافر إلى معرفة ما عـدا أسماء الأفعال بأفكارها[7] خرجتَ[8] عن كرة العرش خروجًا غير مُبَائِن ولا منفصِل،

---

[1] ف، م، غ: + رضي الله عنه.

[2] ش، م: – الإلهية، وهو نوع من العماء الرباني. وكان سفر الرحمانية

[3] ك، ب: العزيز.

[4] ك، ب، ف: موجودًا.

[5] ش، م: – موجودًا ... المستوي.

[6] ف، ا، غ: أرادت.

[7] ش: بأفعالها.

[8] ك: خرجتْ.

جب اُس نے کائنات کا یہ محیط دائرہ ایجاد کیا جسے عرش[۱۶] کہتے ہیں جو کہ "مقدس تخت" ہے تو لازم تھا کہ اِس تخت کا ایک بادشاہ بھی ہو اور وہی ایجاد کا ارادہ کرے۔ بیشک ایجاد وجود الٰہی کی سخاوت کا ثمر ہے اور لازم ہے، سو لازم تھا کہ اِس معاملے میں رحمانیت ہی حاکم ہو۔ لہٰذا اسم الرحمٰن "شامیانۂ عماء" میں اِس (تخت) پر ویسے قائم ہوا جیسا کہ رحمانیتِ الٰہیہ کے شایان شان تھا اور یہ عمائے ربانی کی ہی ایک قسم ہے۔ عمائے ربانی سے استوائے عرش تک رحمانیت کا سفر سخاوت سے موجود ہوا، اور عرش سے نیچے عرش پر قائم ہونے سے موجود ہوا، اور یہ وہی "اسم الرحمٰن" ہے جس کی رحمت وجوب اور احسان سے ہر شے پر محیط ہے۔ جب اِس "اسم الرحمٰن" نے سفر شروع کیا تو ایجاد سے متعلق تمام اسما اِس کے ہمسفر تھے؛ کیونکہ یہ (اسما) اِس کے محافظ، سرپرست اور متولی ہیں جیسے کہ "الرازق" "اسم المغیث" "اسم المحیی" "اسم الممیت" "اسم الضار" "اسم النافع" اور خاص طور پر تمام اسمائے افعال۔ ہر وہ اسم جو کسی فعل سے جانا جائے وہ اسمائے افعال میں سے ہے اور یہ ان میں سے ہے جو اسم الرحمن کے شریک سفر تھے۔ اور ہر وہ اسم جو کسی فعل سے نہ جانا گیا تو اُس کا اِس سفر میں کوئی دخل نہیں۔

اگر تُو (یا کوئی جماعت) اسمائے افعال کے علاوہ دیگر (اسما) کی معرفت اپنی فکر سے چاہے تو تجھے (یا اس جماعت کو) کرہ عرش (یعنی عالم) سے ایسے باہر نکلنا پڑے گا کہ وہ اِس سے الگ اور جدا نہ ہو، اور جب (تو یا وہ جماعت) پاک خدائی جناب سے تعلق چاہی گی، تو ممنوع حدود میں جا گرے

وأرادت[١] التعلُّق بالجانب الأقدس الإلهي، فوقعتَ[٢] في الحِمىٰ وهو سرادق العمَىٰ فتخبَّطتَ فيه. لكن لا بد للواصل أن يلوح له من بوارق الألوهة،[٣] ما يحصل[٤] له به[٥] معرفةٌ ما. ولهذا سمّاه الصديق بالإدراك، وسمّاه الصادق – صلىٰ الله عليه وسلم –: «لا أحصي ثناءً عليك». وذلك لما عاين ما لا يقبل ثناءً معيَّنًا، لكن يقبل الثناء المجهول، وهو «لا أحصي ثناء عليك»؛ فإن الحيرة تقتضي ذلك، ولا بد. فأصحاب الفكر في عماء، وأصحاب الكشف في عماء، والكل في عماء؛ لأن الكل في عَمَىٰ، والكل علىٰ صورة الكل. وهذا السفر روحُه ومعناه: السفر من التنزيه إلىٰ سِدْرة التشبيه من أجل أفهام المخاطبين، وهذا أيضًا من العمَىٰ عينِهِ.[٦]

[١] ي، ك: وأرادت. ب: أراده. غ: أرادة.
[٢] ب: فوقعتَ.
[٣] ب: الألوهية.
[٤] ك، ب: تحصل.
[٥] ش: يحصل لربه.
[٦] ب: وهذا أيضًا من العما عينُه [صح].

گی جو کہ شامیانۂ عماء ہی ہے اور تو (یا وہ جماعت) اِس میں سر گرداں ہو جائے گی۔ لیکن لازم ہے کہ واصل پر بوارقِ الوہت سے کچھ ظاہر ہو جس کی بدولت اُسے خاص طرح کی معرفت حاصل ہو۔ اِسی لیے صدیق (اکبر رضی اللہ عنہ) نے اِسے ادراک کا نام دیا اور صادق (الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اِسے "میں تیرے حق کے مطابق تیری تعریف نہیں کر سکتا" کہا۔ وہ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ معین تعریف قبول نہیں کرتا بلکہ مجہول تعریف قبول کرتا ہے، اور وہ "میں تیری تعریف نہیں کر سکتا" ہی ہے؛ کیونکہ حیرت کا یہی تقاضا ہے، اور یہ لازم ہے۔ پس اصحاب فکر بھی عماء میں ہیں اور اصحابِ کشف بھی عماء میں ہیں، سبھی عماء میں ہیں؛ کیونکہ سبھی خدائی شامیانے میں ہیں، اور کُل کُل کی صورت پر ہے۔ اِس سفر کی روح اور معنی مخاطبین کو سمجھانے کے لیے "تنزیہ سے سدرۃ التشبیہ کی جانب سفر ہے" اور یہ بھی بعینہ اُس اوٹ میں ہے۔

سفر الخلق والأمر وهو سفر الإبداع

يقول الله[1] - تعالى -: ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾[2] بالفَتْق والفَطْر، أَوَ لَمْ يروا ﴿أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا﴾[3] وجاء بكلمة ﴿ثُمَّ﴾ بعد خلق الأرض يُؤذِن غالبًا بأن الثاني بعد الأول بمَهْلة؛ وهو زمان خلق الأرض وتقدير أقواتها في أربعة أيّام من أيّام الشأن، يومان لشأنها في عينها[4] وذاتها، يومٌ لظهورها وشهادتها ويومٌ لبطونها وغيْبتها، ويومان لما أودع فيها من الأقوات الغيْبية والشهادية، في يومين.

ثم كان الاستواء الأقدس الذي هو القُصُود[5] والتوجُّه إلى فَتْق السموات وفَطْرها. فلما قضاهن سبع سماوات في يومين من أيام الشأن، أوحى في كل سماء أمرها، فأودع فيها جميع ما تحتاج إليه المولَّدات من الأمور في تركيبها وتحليلها وتبديلها وتغييرها وانتقالها من حال إلى حال بالأدوار والأطوار. وهذا من الأمر الإلهي المودَّع في السموات في قوله: ﴿وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا﴾[6] من الروحانيات العلية، فبرز بالتحريكات الفلكية، ليَظْهَر التكوينُ في الأركان بحسب الأمر الذي

---

[1] ف: + تبارك.

[2] [فصلت: ١١-١٢]

[3] [الأنبياء: ٣٠]

[4] ك: غيبها.

[5] ش، ا، م، غ: المقصود.

[6] [فصلت: ١٢]

سفرِ خلق و امر جو کہ سفرِ تخلیق ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿پھر وہ آسمان پر قائم ہوا جو (اُس وقت) دھواں تھا، اُس نے اِسے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے، دونوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں، پھر دو دن میں سات آسمان بناڈالے اور ہر آسمان کو اِس کا معاملہ وحی کیا۔ اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا، یہ زبردست اور علم رکھنے والے کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں﴾ (فصلت: ۱۲-۱۱) (یہ بنانا) فتق اور فطر سے (تھا) ﴿کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے تو ہم نے دونوں کو جدا جدا کر دیا﴾ (الانبیاء: ۳۰) یہاں پر زمین کی تخلیق کے بعد "ثُمَّ" کا لفظ آیا ہے جو غالباً یہ بتاتا ہے کہ بعد والی (تخلیق) پہلی (تخلیق) سے ایک مدت بعد واقع ہوئی؛ یہ (مدت) زمین کی تخلیق، اور اس میں غذا کا اندازہ لگانے کا وقت ہی تھا جو کہ ایام الشان[17] کے چار دن (بنتے) ہیں؛ دو دِن اِس کی عین اور ذات کے لیے؛ ایک دن اسکے ظہور اور شہادت کے لیے اور ایک دن اس کے بطون اور غیبیت کے لیے، اور دو روز اِس میں پوشیدہ اور ظاہر غذائیں بھرنے کے لیے۔

پھر استوائے اقدس وقوع پذیر ہوئی جو کہ آسمانوں کے پھاڑنے اور اِن کو جوڑنے کا قصد اور توجہ ہی ہے۔ پھر جب ایام الشان کے دو دنوں میں انہیں سات آسمان بنایا اور ہر آسمان میں اُس کا معاملہ وحی کیا، تو اِن (آسمانوں) میں ہر وہ چیز اور معاملہ جمع کر دیا جس کی ضرورت مولّدات کو اپنی ترکیب و تحلیل، تبدیل و تغییر، مختلف ادوار و اطوار میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف جانے میں پیش آسکتی تھی۔ اور یہی آسمانوں میں رکھا گیا وہ امر الٰہی ہے جس کا ذکر اُس کے اِس قول میں ہے: ﴿اور ہر آسمان کو اُس (کی علوی روحانیات والا) معاملہ وحی کیا﴾ (فصلت: ۱۲) جو فلکی حرکات سے ظاہر ہوا، تا کہ ارکان میں تکوین اُس حکم کے مطابق ظاہر ہو جو اِس حرکت اور اِس فلک میں (رکھا گیا) ہے۔

يكون[1] في تلك الحركة وفي ذلك الفلك.

فلما فتقها من رتقها ودارت، وكانت شفّافة في ذاتها وجِرْمها حتى لا تكون[2] سترًا لما وراءها، أدركتِ الأبصارُ ما في الفلك الثامن من مصابيح النجوم فيتخيَّل[3] أنها في السماء الدُّنيا، والله يقول: ﴿وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾[4] ولا يلزم من زينة الشيء أن تكون[5] فيه. وأما قوله ﴿وَحِفْظًا﴾ فهي الرجوم التي تحدُث في كرة الأثير لإحراق الذين يَسْتَرِقون السمع من الشياطين، فجعل الله لذلك ﴿شِهَابًا رَصَدًا﴾[6] وهي الكواكب ذوات الأذناب. ويخترق البصرُ الجوَّ حتى يصل إلى السماء الدنيا فلا يرى من فطور فينفُذ فيه، فينقلب ﴿خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾[7] أي قد أعْيا. وجعل في كل سماء من هذه السبعة كوكبًا سابحًا، وهو قوله تعالى: ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾[8] فتَحْدُث الأفلاكُ بحركات الكواكب لا السمواتِ، فتَشْهَدُ الحركاتُ من السبعة السيّارة أن المصابيح في الفلك الثامن. وزيَّن السماء الدنيا؛ لأن البصر لا يدركها إلا فيها، فوقع الخطاب بحسب ما تعطيه[9] الرؤية، لهذا قال: ﴿زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ ولم يقل: خلقناها فيها. وليس من شرط الزينة أن تكون[10] في ذات المزيَّن

---

[1] ب: تكون.

[2] ش: يكون.

[3] ك، ش، ب: فتتخيل. م: فتخيل.

[4] [فصلت: ٤١]

[5] ي: بدون النقط. م، ا: يكون.

[6] [الجن: ٩]

[7] [الملك: ٤]

[8] [يس: ٤٠]

[9] ب، م: يعطيه. ي: بدون النقط.

[10] ش: يكون.

جب اُس نے اِن (آسمانوں) کو اِن کے جوڑ سے کھولا اور یہ گھومے تو یہ اپنی ذات اور جرم میں شفاف تھے تا کہ یہ اپنے سے پیچھے والی چیز پر پردہ نہ بنیں، جب آنکھ نے آٹھویں فلک میں چمکتے ستاروں کو دیکھا تو گمان کیا کہ یہ آسمان دنیا میں ہیں، اللہ فرماتا ہے: ﴿اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا﴾ (فصلت:۱۲) کسی چیز کی زینت سے یہ لازم نہیں کہ وہ (زینت) اُس (چیز) میں ہی ہو۔[1] جہاں تک اُس کا یہ کہنا ہے کہ "انہیں محفوظ کیا" تو یہ وہ پتھراؤ ہے جو کرہ اثیر میں وقوع پذیر ہوتا ہے تا کہ ان شیاطین کو جلایا جائے جو چھپ کر سنتے ہیں، اللہ نے اِس کے لیے "تاک میں بیٹھا شہابیہ" بنایا ہے اور یہ دُم دار ستارے ہیں۔ نگاہ فضا کو چیر کر آسمانِ دنیا تک جا پہنچتی ہے، اُسے وہاں کوئی دَرز دکھائی نہیں دیتی جس کے اندر یہ گھس سکے، لہٰذا تھک ہار کے ناکام لوٹتی ہے۔ اُس نے اِن سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک تیرتا سیارہ بنایا ہے، یہ اُس کا قول ہے: ﴿اور سب فلک میں تیر رہے ہیں﴾ (یس:۴۰) پس سیاروں کی حرکت سے افلاک جنم لیتے ہیں، آسمانوں (کی حرکت) سے نہیں،[۱۸] لہٰذا سات سیاروں کی حرکات گواہی دیتی ہیں کہ روشن شمعیں (یعنی کہ روشن ستارے) آٹھویں فلک میں ہیں۔ اور اُس نے آسمان دنیا کو مزین کیا؛ کیونکہ نظر ان کا ادراک اِسی (آسمان) میں کرتی ہے۔ پس ادراکِ نظر کے مطابق خطاب واقع ہوا، اسی لیے کہا: ﴿اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا﴾ (فصلت:۱۲) یہ نہیں کہا: ہم نے انہیں اِس (آسمان) میں بنایا۔ زینت کی شرط یہ نہیں کہ لازم مزیّن بہ کی ذات میں ہی (موجود) ہو گی، بیشک خادم اور گھوڑے سلطان کی زینت میں سے ہیں لیکن یہ اُس کی ذات سے قائم نہیں۔

---

1 یعنی کہ اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ستارے آسمان دنیا میں ہی ہیں۔

بها ولا بد، فإن الرَّجْل[١] والخَوَل[٢] من زينة السلطان وما هم قائمون بذاته.

ولما كملت[٣] البِنية الإنسانية وصحَّتِ التسوية، وكان التوجُّه الإلهي بالنفخ العُلْوي في حركة الفلك الرابع من السبعة، وقَبِلَ هذا المسمىٰ الذي هو الإنسان لكمال تسويته السرَّ الإلهي الذي لم يقبله غيره، وبهذا صح له المقامان:[٤] مقام الصورة، ومقام الخلافة. فلما كملت الأرض البدنية وقدر فيها أقواتها وحصَل فيها قواها الخاصة بها من كونها حيوانًا نباتًا: كالقوة الجاذبة، والهاضمة، والماسكة، والدافعة، والنامية، المغذية، وفتقت طبقاتها السبعة من: جلد، ولحم، وشحم، وعرق، وعصب، وعضَل، وعظم، استوىٰ السر الإلهي الساري فيه مع النفخ الروحي إلىٰ العالم العلوي من البدن وهو بُخارات تصعد كالدخان، ففتق فيها سبع سماوات: السماء الدنيا؛ وهي الحس وزينها بالنجوم والمصابيح مثل العينين، وسماء الخيال، وسماء الفكر، وسماء العقل، وسماء الذكر، وسماء الحفظ، وسماء الوهم.

﴿وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا﴾[٥] وهو ما أودع في الحس من إدراك المحسوسات - ولا نتعرَّض[٦] إلىٰ الكيفية[٧] في ذلك للخلاف الواقع فيها، وإن كنا نعلم ذلك، فإن علمنا لا يرفع الخلاف من العالَم - وفي الخيال من المتخيَّلات،[٨] وفي العقل من المعقولات، وهكذا في كل سماء ما يشاكلها من جنسها، فإن أهل كل سماء مخلوقون منها وأهل كل أرض مخلوقون منها، فهم بحسب مزاج أماكنهم. وخلق في كل سماء من هذه السبعة كوكبًا سابحًا في مقابلة الكواكب السيارة تُسمَّىٰ صفاتٍ

---

[١] ب: الرجال.

[٢] ش، م، غ: الخيل.

[٣] ب: كمل.

[٤] ش: المقامات.

[٥] [فصلت: ١٢]

[٦] ب، ش: يتعرّض. م، ا: تتعرض.

[٧] ش، م، ا، غ: - إلىٰ الكيفية. + للكيفية.

[٨] ش: التخيلات.

جب یہ انسانی ڈھانچہ مکمل اور ٹھیک طرح سے برابر ہوا، اور نفخ غلوی سے توجہ الٰہی ساتویں میں سے چوتھے فلک کی حرکت میں تھی، اور اِس مسمّی - انسان - نے اپنی برابری کے کمال کی وجہ سے اس رازِ الٰہی کو قبول کیا جسے کسی اور نے قبول نہ کیا، اور اسی وجہ سے اِسے دو مقام ملے: مقام صورت، مقام خلافت۔ جب یہ جسمانی زمین مکمل ہوئی اور اِس میں اِس کا دانہ پانی رکھ دیا گیا، اِسے وہ قوتیں بخش دی گئیں جو کہ حیوانِ نباتی ہونے کی وجہ سے اِس سے مخصوص ہیں مثلاً: قوتِ جاذبہ، قوتِ ہاضمہ، قوتِ ماسکہ، قوتِ دافعہ،[19] قوتِ نامیہ اور قوتِ مغذیہ، اور اِس کی سات تہوں (یعنی) جلد، گوشت، چربی، رگیں، اعصاب، پٹھے اور ہڈیوں کو الگ الگ کیا گیا تو روحانی نفخ کے ساتھ اس میں سرایت کرنے والا راز الٰہی جسم کے اوپر والے حصے پر جا ٹھہرا، یہ بخارات ہی ہیں جو دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھے، سو اُس نے اِس میں سات آسمان الگ الگ کر دیئے: آسمانِ دنیا؛ جو کہ حِس ہے جسے ستاروں اور چراغوں سے مزین کیا جیسا کہ دو آنکھیں، آسمانِ خیال، آسمانِ فکر، آسمانِ عقل، آسمانِ ذکر، آسمانِ حفظ اور آسمانِ وہم۔

﴿اُس نے ہر آسمان کو اُس کا کام وحی کیا﴾ (فصلت: ۱۲) یہ حس میں محسوسات کے ادراک کی صورت - ہم اِس (ادراک) کی کیفیت کو نہیں چھیڑتے کہ اِس میں اختلاف ہے حالانکہ ہم اسے جانتے ہیں، لیکن ہمارا علم دنیا سے اختلاف تو ختم نہیں کر سکتا۔ خیال میں متخیلات، عقل میں معقولات، اور اسی طرح ہر آسمان میں اُس کے مزاج سے ملتی جلتی صورت پر ہے؛ کیونکہ ہر آسمان کے باسی اُسی (آسمان) سے بنے ہیں اور ہر زمین کے باسی اُسی (زمین) سے تخلیق شدہ ہیں، لٰہذا یہ اپنی جگہوں کے مزاج کے حساب سے ہیں۔ اس نے اِن سات آسمانوں میں سے ہر ایک آسمان میں ایسا تیر تا سیارہ تخلیق کیا جو چلتے سیاروں کے مقابل ہے جنہیں صفات کہتے ہیں: یہ حیات، سماعت، بصارت، قدرت، ارادہ، علم، اور کلام ہی ہیں۔ ﴿ہر ایک معین مدت تک چل رہا ہے﴾ (الرعد: ۲) ہر قوت اُسی (شے) کا ادراک کرتی ہے جو اس کے لیے خاص بنائی گئی، پس نظر صرف حِس میں موجود دیکھی جانے والی اشیا ہی دیکھتی ہے، اور حِس ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹتی ہے کیونکہ وہ کوئی ایسی درز[1] نہیں پاتی جس سے اندر گھس سکے، عقل یہ سب ثابت کرتی ہے اور

[1] عربی لفظ فطور کا اردو مترادف جس کا مطلب دراڑ، شگاف، جھری یا رخنہ ہے۔

وهي: الحياة، والسمع، والبصر، والقدرة، والإرادة، والعلم، والكلام، ﴿كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى﴾[1] فلا تدرك قوة إلا ما خُلِقَتْ له خاصة، فالبصر لا يرىٰ سوىٰ المحسوسات المبصَرات، والحسّ فينقلب ﴿خاسئًا﴾[2] لأنه لا يجد فَطْرًا ينفُذ فيه، والعقل يثبت هذا كله، تشهد بذلك الحركات الفلكية التي في الإنسان، وذلك بتقدير العزيز العليم.

فهذا سفرٌ أسْفَر عن مُحَيّاه ودل علىٰ تنزيه مولاه ونَتَجَ ظهورَ العالم العلوي. فإن السفر إنما سمّي سفرًا لأنه يُسْفِر عن أخلاق الرجال، معناه أنه يُظهِر ما ينطوي عليه كل إنسان من الأخلاق المذمومة والمحمودة. يقال: سفرت المرأة عن وجهها، إذا أزالت بُرْقُعها الذي يستر وجهها، فبان للبصر ما هي عليه الصور[3] من الحُسْن والقُبْح. قال الله – تعالىٰ – يخاطب العرب: ﴿والصُبْحِ إذَا أسْفَرَ﴾[4] معناه أظهر إلىٰ الأبصار مبصَراتِها. قال الشاعر:

وقد رابني منها الغداة سفورها

فإن العرب جرت عادتهم أن المرأة إذا أرادت أن تُعْلِم أن وراءها شرًا سفرت عن وجهها. وكأن هذا القائل قد أعمل الحيلة في الوصول إلىٰ محبوبته، فشعر قومها به وعرفت المرأة بشعورهم، فعندما بصرت به سفرت عن وجهها، فعلم أن وراءها الشر، فخاف عليها وانصرف، وهو ينشد:

وقد رابني منها الغداة سفورها.

ومن مثل هذا السفر ينزل ربنا وأشباهه. وقد أغنت الإشارة عن البسط. ﴿وَاللهُ يَقُولُ الحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾[5]

---

[1] [الرعد: ٢]

[2] ش، م، ا، غ: + وهو حسير.

[3] ش، ب، ك، م، غ: الصورة.

[4] [المدثر: ٣٤]

[5] [الأحزاب: ٤]

انسان میں موجود فلکی حرکات اِس کی گواہی دیتی ہیں، یہ سب زبردست علم والے کی منصوبہ بندی ہے۔

اس سفر نے اپنا چہرہ عیاں کیا اور اپنے آقا کی تنزیہ پر دلالت کی، اور اس کے نتیجے میں عالم عُلوی کا ظہور ہوا۔ بیشک سفر کو اِسی لیے سفر کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کے اخلاق پر سے پردہ اٹھاتا ہے، مطلب یہ ہر انسان کے اچھے اور بُرے اخلاق کو ظاہر کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے: ''عورت نے اپنا چہرہ کھول دیا'' یعنی جب اُس نے اپنے چہرے سے وہ نقاب ہٹایا جس نے اس کے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا، تو نظر پر صورتوں کی خوبصورتی یا بدصورتی واضح ہو گئی۔ اللہ تعالی عربوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتا ہے: ﴿قسم ہے صبح کی جب وہ ظاہر کرے﴾ (المدثر: ۳۴) اس کا مطلب ہے کہ وہ نظروں پر قابل ادراک چیزیں ظاہر کرتی ہے، شاعر کہتا ہے:

''اس صبح مجھے اس کے بے نقاب ہونے نے پریشان کیا''

عربوں کی یہ عادت رہی ہے کہ جب کوئی عورت کسی برائی کا پتا دینا چاہتی ہے تو اپنے چہرے سے پردہ ہٹا دیتی ہے۔ گویا کہ اِس شاعر نے اپنی محبوبہ سے ملنے کے لیے ایک حیلہ کیا، مگر اُس عورت کی برادری والوں کو پتا چل گیا اور اُس عورت کو بھی پتا چل گیا کہ (اس کی برادری والے یہ جان گئے ہے)۔ پس جب اُس نے (عاشق) کو دیکھا تو اپنے چہرے سے پردہ ہٹا دیا جس سے اُسے بھی یہ پتا چل گیا کہ کوئی مسئلہ ہے، یوں وہ اپنی (محبوبہ) پر خوف کھاتے ہوئے چل دیا، اِس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا:

''اُس صبح مجھے اُس کے بے نقاب ہونے نے پریشان کیا''

اِس یا اس جیسے سفر میں ہمارا رب نزول فرماتا ہے، بیشک اشارے کے بعد تفصیل کی ضرورت نہیں۔ ﴿اللہ ہی حق کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے﴾ (الاحزاب: ۴)

سفر القرآن العزيز

قال الله – عز وجل –: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾[1] السورة بكمالها وهو قوله – تعالى –[2] ﴿إنّا أنزلْناه في ليلةٍ مُباركةٍ﴾[3] هذا إنزال إنذار. قوله – تعالى – «إنا أنزلناه» يعني القرآن العزيز «في ليلة القدر». قال أهل التفسير نقلًا: نزل جُملةً واحدة إلى السماء الدنيا، ثم نزل منها على قلب محمد – صلى الله عليه وسلم – نُجومًا. وهذا سفر لا يزال أبدًا ما دام مَتْلُوًا بالألسنة سرًا وعلانيةً. وليلة القدر، الباقية على الحقيقة في حق العبد، هي نفسُه إذا صَفَتْ وزَكَتْ، ولهذا قال: ﴿فيها يُفْرَقُ كلُّ أمرٍ حَكِيمٍ﴾[4] وكذلك النفس خُلِقَ فيها كلُّ أمرٍ حكيم، ﴿فألْهمها فُجورَها﴾ على المعنيين ﴿وتَقْواها﴾[5] كذلك. وقلبه في الاعتبار السماء الدنيا التي نزل إليها القرآن مجموعًا، فعاد فُرقانًا بحسب المخاطَبين، فليس حظُّ البصر منه حظَّ السمع. وإنما قلنا: نزل إلى قلبك دفعة واحدة، فلسنا نعني إنك حفِظتَه ووَعَيْتَه؛ فإن كلامنا إنما هو روحاني معْنوي. وإنما أعني أنه عندك ولا تعلم؛ فإنه ليس من شرط السماء لما نزل إليها القرآن أن يحفظ[6] نصُّه، ثم إنه ينزل عليك نجومًا منك بكشف غِطائك عنك. وقد رأيتُ ذلك من نفسي في بدْء أمري، ورأيت هذا لشيخي أبي العباس العُرَيْبي[١٦] من غرب الأندلس من أهل العُلْيا، وسمعت ذلك عن جماعة من أهل طريقنا؛ أنهم يحفظون القرآن أو آيات منه من غير تعليم معلِّم بالتعلُّم المعتاد، ولكن يجده في قلبه ينطق بلغته

---

[1] [القدر: ١]

[2] ش: – تعالى.

[3] [الدخان: ٣]

[4] [الدخان: ٤]

[5] [الشمس: ٨]

[6] م، ا: تحفظ.

سفر القرآن العزیز

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا﴾ (القدر: ۱) سے مکمل سورت تک، یہ اس کا کہنا ہے: ﴿ہم نے اسے مبارک رات میں نازل کیا﴾ (الدخان: ۳) یہ نزولِ آگاہی ہے۔ اور اس متعال کا کہنا: ﴿ہم نے اِسے نازل کیا﴾ یعنی قرآن عزیز کو شب قدر میں نازل کیا۔ اہل تفسیر نے نقل کیا ہے: یہ قرآن ایک ہی بار (مکمل) آسمان دنیا پر اترا ہے، پھر تھوڑا تھوڑا کر کے قلب محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ یہ سفر ہمیشہ جاری ہے جب تک یہ (قرآن) خفیہ یا علانیہ زبانوں پر تلاوت ہوتا رہے گا۔ اور شبِ قدر جو کہ بندے کے لیے حقیقتاً باقی ہے وہ اِس (بندے) کا نفس ہی ہے جب وہ پاک اور صاف ہو جائے، اِسی لیے کہا: ﴿اس (رات) میں ہر پُر حکمت معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے﴾ (الدخان: ۴) اِسی طرح نفس میں ہر پُر حکمت معاملہ تخلیق ہوا، ﴿سو اس نے الہام کیا اس کی بدکاری﴾ دو معنی پر اور اسی طرح ﴿اِس کی نیکوکاری (بھی)﴾ (الشمس: ۸) غور کرنے میں بندے کے قلب کی حیثیت آسمانِ دنیا کی سی ہے کہ جس پر قرآن ایک ساتھ نازل ہوا، اور پھر مخاطبین کے حساب سے فرقان بنا[1]، لہٰذا اِس میں نگاہ کا نصیب سماعت کے نصیب جیسا نہیں۔ ہم نے صرف یہ کہا ہے: یہ تیرے دل پر یک بار نازل ہوا، ہمارا مطلب یہ نہیں کہ تو نے بھی اِسے حفظ کر لیا یا شعور میں بٹھالیا، بیشک ہماری بات روحانی اور معنوی ہے۔ میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ (قرآن) تیرے پاس تو ہے لیکن تُو نہیں جانتا؛ کیونکہ آسمان پر قرآن اترنے کی شرط یہ نہیں کہ اِس کی عبارت بھی حفظ ہو گئی، پھر یہ تجھ پر تھوڑا تھوڑا اترتا ہے اور تجھ پر سے تیرا پردہ اٹھاتا ہے۔ میں نے اپنے معاملے کی ابتدا میں خود سے یہ سب دیکھا، اور مغربی اندلس میں سے اہل عُلیا کے اپنے شیخ ابو عباس العریبی رحمۃ اللہ علیہ [۲۰] میں بھی یہ سب دیکھا، اور اہلِ اہل طریقت ایک جماعت سے بھی یہ سب سنا کہ وہ (مکمل) قرآن یا اِس کی چند آیات بغیر کسی معلم کی رسمی تعلیم کے حفظ کیے ہوئے ہیں، اگرچہ کہ وہ شخص عجمی ہے مگر وہ اپنے دل میں اسے

[1] یہاں مخاطبین سے مراد کسی شخص کے اعضا اور قوتیں ہیں جیسا کہ سماعت بصارت وغیرہ۔

العربية المكتوبة في المصاحف، وإن كان أعجميًا. روينا عن أبي يزيد البسطامي - رحمه الله - قال عنه أبو موسى الديبلي[١٧]:[1] أنه ما مات حتى استظهر القرآن من غير تلقين ملقِّن معتاد.

فأما كونه لا يزال ينزل على قلوب العباد - لما قام الدليل على استحالة إقامة العرض زمانين، وقام الدليل على استحالة انتقاله من محل إلى محل، وإنَّ حِفْظ زيد لا ينتقل إلى عمرو - فعندما تسمع الأُذن الملقِّن يُلقي الآية عليها، أنزلها الله على قلبه فوعاها. فإن كان القلب في شغل، عاد الملقن فعاد الإنزال، فالقرآن لا يزال مُنَزَّلًا أبدًا. فلو قال إنسان: أنزل الله عليَّ القرآن، لم يكذب؛ فإن القرآن لايزال يسافر إلى قلوب الحافظين له.

وأما كون النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا جاءه جبريل - عليه السلام - بالقرآن بادر بقراءته قبل أن يُقْضىٰ إليه وحْيُه، وذلك لقوة كشفه؛ فإنه كان يكشف على ما جاء به جبريل - عليه السلام - فيتلوه ويعجل به لسانُه قبل أن يقضى إليه وحيه، كما يكشفه المكاشف[2] عندنا ما يخطر لك في قلبك ويتكلم على خاطرك. وهذا غير منكور عند أكثر الناس، فذاك[3] المحل به أَلْيَق، لكن أدّبه ربه فأحسن أدبه[١٨] فقال: ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ﴾[4] فأمره أن يتأدب مع جبريل - عليه السلام - إذ هو معلِّمه في الكَلِم الطيب بالعمل الصالح.

---

[1] ك، ب: الدنبلي. هذه النسبة غير منقوطة في النسخة الأصلية.

[2] م، ا، غ: يكشف الكاشف. ف: يكشف المكاشف. ش: كما يكشف عند ما يخطر...

[3] ش: فذلك.

[4] [طه: ١١٤]

عربی زبان میں بولتا محسوس کرتا ہے جیسا کہ مصاحف میں لکھا ہے۔ ہم نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا، ابو موسی الدیبلی نے آپ کے بارے میں کہا: آپ کی اُس وقت تک وفات نہ ہوئی جب تک کہ آپ نے بغیر کسی رسمی استاد کی تعلیم کے (مکمل) قرآن حفظ نہ کر لیا۔[۲۱]

جہاں تک اس کا اب بھی بندوں کے قلوب پر نازل ہونے کا تعلق ہے۔ تو جب عَرض کی دو لمحے قائم نہ رہنے پر دلیل ثابت ہو چکی، اور اِس (عرض) کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا بھی دلیل سے ناممکن ثابت ہو چکا، اور یہ بھی (ثابت ہے کہ) زید کا حفظ عمر کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا۔ تو جب کان سنتا ہے کہ ملقّن اُس پر آیت القا کر رہا ہے تو اللہ تعالی (اُسی وقت) یہ (آیت) اُس (سامع) کے قلب پر اتارتا ہے اور وہ اِسے شعور میں بٹھا لیتا ہے۔ اگر قلب (کہیں اور) مصروف ہو تو ملقن دوبارہ پڑھتا ہے اور یہ دوبارہ اترتی ہے، لہٰذا قرآن ہمیشہ اترتا رہتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے: کہ اللہ نے مجھ پر قرآن نازل کیا تو اِس نے جھوٹ نہ کہا؛ کیونکہ قرآن اب بھی حافظین کے قلوب کی طرف سفر کرتا ہے۔

اور جہاں تک نبی ﷺ کا تعلق ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام آپؐ کے پاس قرآن لے کر آئے تو پیشتر اِس کے کہ آپؐ پر وحی ختم ہوتی آپؐ نے اس کی قرأت میں جلدی کی، یہ آپؐ کی کشف کی قوت سے تھا؛ کیونکہ آپؐ پر وہ (حصہ) کھول دیا جاتا تھا جو حضرت جبرائیل علیہ السلام لے کر آتے تھے، لہٰذا آپؐ اُس (حصے) کی تلاوت فرماتے اور اُسے زبان پر لانے میں جلدی کرتے پیشتر اِس کے کہ اِس کی وحی مکمل ہوتی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے ہاں کوئی مکاشف وہ کچھ کھول دیتا ہے کہ جو خیال تیرے دل میں گزرا اور تیری سوچ کے مطابق بات کرتا ہے۔ اکثر لوگ اِس کا انکار نہیں کرتے تو وہ محل (اقدس یعنی نبی پاک ﷺ) تو اِس کے زیادہ حقدار ہیں، لیکن آپؐ کے رب نے آپؐ کو ادب سکھایا تو بہترین ادب سکھایا،[۲۲] فرمایا: ﴿قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں جب تک کہ آپؐ پر اِس کی وحی مکمل نہ ہو جائے﴾ (طٰہ: ۱۱۴) پس رب تعالی نے آپؐ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ادب سے پیش آنے کا حکم دیا کیونکہ وہ صالح عمل اور نیک کلمات میں آپؐ کے معلم ہیں۔

فصل

الإنسان الكُل على الحقيقة هو القرآن العزيز، نزل من حضرة نفسه إلى حضرة موجِده؛ وهي الليلة المباركة لكونها غيبًا. والسماء الدنيا حجاب العزة الأحمى[١٩] الأدنى إليه. ثم جُعِل هناك فرقانًا، فنزل نُجومًا بحسب الحقائق الإلهية؛ فإنها تعطي أحكامًا مختلفةً، فتَفرَّق[١] الإنسان لِذلك. فلا يزال ينزل على قلبه من ربه نُجومًا حتى يجتمع هناك ويترك الحجاب وراءه، فيزول عن الأين و الكون ويغيب عن الغيب. فالقرآن المنزَل حقٌّ كما سماه الله حقًا، و«لكل حق حقيقة» وحقيقة القرآن الإنساني. كما سُئِلتْ عائشة – رضي الله عنها – عن خُلق النبي – صلى الله عليه وسلم – فقالت: «كان خلقه القرآن».[٢٠] قال العلماء: أرادت قوله – تعالى – فيه: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[٢] فحقَّق[٣] هذا السفر تَحْمَد عاقبته إن شاء الله تعالى.

---

[١] ب، ش: بدون النقط. م، ا: فيفرق.

[٢] [القلم: ٤]

[٣] ش، م، ا، غ: فتحقق.

فصل

انسانِ کُلّ در حقیقت قرآنِ عزیز ہی ہے، جو اپنے نفس کی حاضرت سے اپنے مُوجد کی حاضرت پر اُترا؛ اور یہ (حاضرت) "مبارک رات" ہے کیونکہ یہ غیب ہے۔ اور آسمانِ دنیا اُس سے قریب ترین حجاب عزت [۲۳] ہے جس میں داخلہ ممنوع ہے۔ پھر اُسے وہاں فرقان بنایا گیا، پس یہ حقائق الٰہیہ کے حساب سے تھوڑا تھوڑا اُترا؛ چونکہ یہ (حقائق) مختلف احکام عطا کرتے ہیں، اسی لیے انسان بکھر جاتا ہے۔ یہ (انسان بحیثیت قرآن) ہمیشہ اپنے رب سے اس کے قلب پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہتا ہے حتی کہ وہاں جمع ہوتا ہے اور حجاب کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے، پھر وہ (شخص) اپنے مکان اور وجود سے زائل ہو کر غیب سے غائب ہو جاتا ہے۔ پس نازل شدہ قرآن "حق" ہے جیسا کہ اللہ نے اُسے "حق" کہا، اور "ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے" [۲۴] قرآن کی حقیقت انسانی ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق (و کردار) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق قرآن ہے۔ علما کا کہنا ہے: آپؓ کی مراد اللہ کا یہ قول تھی: ﴿بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظیم کردار کے حامل ہیں﴾ (القلم: ۴) اس سفر کی تحقیق کر تو اِس کے انجام کو سراہے گا۔

سفر الرؤية في الآيات والاعتبار

وقول الله – تعالىٰ –: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى [الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ][1] لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا﴾[2]

سبحان من أسرىٰ إليه بعبده	ليرىٰ الذي أخفاه من آياتِهِ
كحضوره في غيْبَةٍ[3] وكسُكره	في صحوةٍ[4] والمحو في إثباته
ويرىٰ الذي عنه تكوّن سرُّه	في منعه ان شاءه وهِباته
ويزيل ما أبدىٰ له من جُوده	بوجوده والفقر من[5] هيئاته
سبحانه من سيِّدٍ ومُهَيْمِن	في ذاته وسِماته وصفاته

قرن – سبحانه – التسبيح بهذا السفر الذي هو الإسراء لينفي بذلك عن قلب صاحب الوهم ومن يحكُم عليه خيالُه من أهل التشبيه والتجسيم ما يتخيَّلُهُ في حق الحق من الجهة والحد والمكان، فلهذا قال: ﴿لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا﴾. فجعله مسافرًا به – صلىٰ الله عليه وسلم – يُعْلِم أن الأمر من عنده – عز وجل – هِبةً إلهية وعناية سبقت له مما لم يخطر بسره ولا اختلج في ضميره.

وجعله ليلًا تمكينًا لاختصاصه بمقام المحبة؛ لأنه اتَّخذه خليلًا وحبيبًا وأكده بقوله «لَيْلًا»، مع أن الإسراء لا يكون في اللسان إلا ليلًا لا نهارًا، لرفع الإشكال حتىٰ لا يتخيَّل أنه أُسْرِيَ بروحه، ويزيل بذلك من خاطر من يعتقد من الناس أن الإسراء

---

[1] لا يوجد في: ي، ك، ب.

[2] [الإسراء: ١]

[3] ب، ف، م، ا، غ: غيبه.

[4] بدون النقط في: ي، ب، ش، م، ا، ف، غ.

[5] ش، م، ا، غ: والفقد في. ف: والفقد من.

آیات اور اعتبار میں سفر رویت

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ۔ جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے۔ تک کا سفر کروایا تاکہ ہم اسے اپنی نشانیوں میں سے (کچھ) دکھائیں﴾ (بنی اسرائیل: ۱)

پاک ہے وہ جس نے اپنے بندے کو رات میں اپنی طرف سفر کروایا، تاکہ یہ بندہ وہ نشانیاں دیکھے جو اُس نے چھپا رکھی ہیں، مثلاً غیبیت میں اِس (بندے) کا حضور، ہوش میں اِس کی مدہوشی اور اِثبات میں اِس کا مٹنا، اور وہ بھی دیکھے جس سے اُس کی حقیقت تشکیل پائی، اُس کے روکنے میں اگر وہ (روکنا) چاہے یا دینے میں، یہ (بندہ) اس سخاوت کو زائل کرتا ہے جو اِس پر اُس کے وجود سے ظاہر ہوتی ہے، اور محتاجی اِس کی ہیئت میں ہے۔ پس پاک ہے وہ سردار اور حفاظت گزار اپنی ذات، اپنی سمات اور اپنی صفات میں۔

اس پاک ذات نے اِس سفر۔ یعنی سفر معراج۔ سے تسبیح کو جوڑا تاکہ اس (تسبیح) سے صاحبِ وہم کے قلب سے یا اہل تشبیہ و تجسیم میں سے وہ شخص کہ جس پر اُس کا خیال حاکم ہے، اس (خیال) کی نفی کرے جو خیال وہ حق تعالیٰ کے بارے میں جہت، مکان اور حد کے حساب سے رکھتا ہے، اِسی لیے فرمایا: ﴿تاکہ ہم آپؐ کو اپنی نشانیوں میں سے (کچھ) دکھائیں﴾ (بنی اسرائیل: ۱) سو اُس نے آپ ﷺ کو اس (تسبیح) سے مسافر بنایا اور بتایا کہ یہ معاملہ عزوجل کی طرف سے ہبہ الٰہیہ اور ایسی پیشگی عنایت ہے جس کا پوشیدہ خیال بھی آپ ﷺ کو نہ گزرا اور نہ ہی آپؐ اس میں مضطرب ہوئے۔

اُس نے اِسے "متمکن رات" بنایا کہ آپؐ مقام محبت سے مخصوص ہیں؛ کیونکہ اُس نے آپؐ کو حبیب اور خلیل چُنا ہے، اور اپنے قول "لیلاً" سے اِسے ثابت کیا، حالانکہ "اسراء" کا لغوی مطلب رات میں چلنا ہی ہے نہ کہ دن میں، تاکہ شبہے کا ازالہ ہو سکے اور یہ خیال نہ کیا جائے کہ

ربما يكون نهارًا. فإن القرآن وإن كان نزل بلسان العرب فإنه خاطب به الناس أجمعين؛ أصحاب اللسان وغيرَهم.

والليل أحب زمان للمحبّين لجمعهما فيه، والخلوة بالحبيب متحقِّقة بالليل. ولتكون[١] رؤية الآيات بأنوار الإلهية خارجة عن العادة عند العرب مما لم تكن تعرفها. فإن البصر لا يدرك شيئًا من المرئيات بنوره[٢] خاصة إلا الظلمة، والنور الذي به[٣] تُكشَف[٤] الأشياء إذا كان بحيث لا يغلب قوةَ نور البصر، فإذا غلب كان حكمه مع نور البصر حكم الظلمة؛ لا يُرىٰ سواه. إذ كان البصر لا يدرك في الظلمة الشديدة سوىٰ الظلمة. فالبصر يرىٰ بالنور المعتدل النور وما يُظهِر له النور من الأشياء المُدْرَكة[٥]. ولا فائدة عند السامع لو كان العروج به نهارًا في رؤية الآيات، فإنه معلوم له فلهذا كان ليلًا. وأتىٰ[٦] أيضًا بقوله «ليلًا» ليحقِّق أن الإسراء كان بجسده[٧] – صلى الله عليه وسلم – فإن قوله «أسرىٰ» يغني عن ذكر الليل، فـ«ليلًا» في موضع الحال من عبده كما قال:

يا راحلين إلى المختار من مضر   زرتم جسومًا وزرنا نحن أرواحا[٢١]

وأُدْخِل الباء في قوله «بعبده» لأمرين في نظر المحققين من أهل الله. الأمر الواحد، من أجل المناسبة بين العبودية التي هي الذلة وبين حرف الخفض والكسر؛ فإن كل ذليل منكسر. وأضافه إلى الهو، ولم يكن هنا اسم ظاهر للحق[٨] إلا من الأسماء

---

[١] ك: ليكون. ي، ب، ف، ا: بدون النقط.

[٢] ب: المركبات بنور.

[٣] ب: – به.

[٤] ك، ب، ش، غ: يكشِف. ي: بدون النقط.

[٥] ك، ب: مدرجة.

[٦] ك: وأمّا.

[٧] م، غ: + الشريف.

[٨] ك، ب: – للحق.

آپؐ کی روح کو معراج کروائی گئی، اور لوگوں کے اس گمان کا بھی خاتمہ کیا جاسکے کہ "اسراء" دن میں بھی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ قرآن عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن اس کا خطاب تمام انسانوں سے ہے؛ چاہے وہ اہل زبان ہوں یا نہ ہوں۔

رات محبت کرنے والوں کا بہترین وقت ہوتا ہے کہ وہ اس میں ملتے ہیں، محبوب سے خلوت بھی رات کو ہی میسر ہوتی ہے۔ چونکہ عربوں کے نزدیک انوارِ الہیہ سے نشانیوں کا دیکھنا عادت سے ہٹ کر تھا، کہ وہ یہ نہ جانتے تھے۔ بیشک آنکھ صرف اپنی روشنی سے (مرئیات) دیکھی جانے والی اشیا میں سے صرف ظلمت ہی دیکھتی ہے، اور وہ نور جس سے اشیا نظر آتی ہیں وہ اتنا ہونا چاہیے کہ نورِ نظر کی قوت پر غالب نہ ہو، اگر یہ غالب ہوا تو نظر کے نور کے ساتھ اِس (نور) کا حکم اندھیرے والا ہی ہوگا کہ اِس کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا، کیونکہ نظر شدید اندھیرے میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں دیکھتی۔ لہذا نظر معتدل نور سے نور اور اِس نور سے ظاہر قابل ادراک چیزیں دیکھتی ہے۔ اگر نشانیاں دکھانے کے لیے آپؐ کو دن کے وقت معراج کروائی جاتی تو سننے والے کو یہ سب بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ یہ تو اِسے پہلے ہی معلوم تھا، اِسی لیے یہ "رات" تھی۔ اور لفظ "رات" اس لیے بھی لایا گیا تاکہ یہ متحقق ہو سکے کہ معراج آپ ﷺ کے جسد کے ساتھ تھی۔ بیشک اُس کا "اسراء" (یعنی رات کو سفر کرنا) کہنا "لیلا" (یعنی رات) کہنے سے بے نیاز کرتا ہے۔ پس رات اُس کے بندے کے حال کی مناسبت سے ہے، جیسا کہ کہا:

اے مدینے کی طرف جانے والو! تم نے تو مقامات کی زیارت کی، جبکہ ہم نے آپؐ کی پاک ذات کی زیارت کی۔

اُس کے قول "بعبدہ" میں حرف "ب" محققین اہل اللہ کی نظر میں دو وجوہات کی بنا پر لایا گیا: ایک تو اُس مناسبت کی وجہ سے جو کہ عبودیت یعنی کہ ذلت و عاجزی اور حرفِ خفض و کسر میں ہے، کیونکہ ہر عاجز ہیچ ہوتا ہے۔ اور (عبد) کی اضافت "الھو" کی جانب کی، یہاں پر حق کا کوئی ظاہر اسم نہیں سوائے اسمائے نواقص میں سے ایک اسم (یعنی سبحان) یہ (اسما) "صلہ اور عائد" کے بغیر پورے نہیں ہوتے۔ پس "اپنے بندے کو معراج کروائی" اس کا "صلہ" ہے اور "عائد علیہ" مضمر ہوتا ہے، اور مضمر بیشک غائب ہے، اور وہ (مضمر) یہاں مضمر ہے پس وہ غیب میں غیب ہے، گویا

النواقص التي لا تتم إلا بصلةٍ وعائدٍ، فـ «أسرىٰ بعبده» صلتُه والعائد عليه[1] المُضْمَر، والمضمر غيب بلا شك، وهو هنا مضمر فهو غيب في غيب، فكأنه هو الهو كما تقول غيب الغيب. فأنبأ بشرف الإسراء.

وكذلك ذكر المسجدين: الحرام والأقصىٰ. وهذا يناسب ما ذكرناه من باب العبد وحرف الخفض؛ وهي الباء. والمَسْجِدْ مَفْعِلٌ، موضع سجود الرجل، والسجود عبودية، والحرام يقتضي المنع والحَجْر، فهو يطلب العبودية. والأقصىٰ يقتضي البُعد، والعبودية في غاية البُعد من صفات الربوبية. فاختار - سبحانه - لنبيه الشرف الكامل بهذين الأمرين بأعلىٰ ما يكون من صفات الخلق. وليس إلا العبودية وما يشاكلها[2] من حروف الخفض[3] والمساجد والحرام والأقصىٰ.

وكذلك مما شرفه به في مقابلة هذه العبودية الكلية التي تعطي المعرفة التامة بأنه ما جعل له من أسمائه ما يقيِّده به؛ لأن هذه العبودية المذكورة ههنا لا تقتضي تقييدًا[4] باسم إلهي من أسماء التأثير، ولكن تطلب من الألوهة ما يشاكلها في الرفعة والتنزيه؛ فإن العبد إذا رُفِعَ من جميع الوجوه وأكْرِم، نُزِّهت عبوديتُه عن الصفات السِيادية الربانية الإلهية، فهو تنزيهها. وإذا وُصِفت بأوصاف الربوبية شُبِّهت، وفي التشبيه هلاكها.[٢٢] قال تعالىٰ: ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾[5] وقال: ﴿كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾[6] فكذلك الألوهة؛ إذا كُنِيَ عنها في حق العبد بالأسماء التي تطلب وجود الخلق، فليس ذلك بعُلوّ ولا رفعةٍ في حق العبد المخاطَب بتلك الأسماء؛ فإن فيها ضربًا مشابهًا بما تقتضيه[7] العبودية من الافتقار إلىٰ الأثر. فكما

[1] ك، ب: إليه.

[2] ك، ب: شاكلها.

[3] ش: - وهي الباء. والمَسْجِدْ مَفْعِلٌ، ... من حروف الخفض.

[4] ك، ب: تغييرا.

[5] [الدخان: ٤٩]

[6] [غافر: ٣٥]

[7] ب، ش، غ: يقتضيه. ي: بدون النقط.

کہ وہ "الھو" ہے، جیسا کہ تو کہتا ہے: "غیب الغیب۔" پس اُس نے معراج کے شرف کا بتایا۔

اور اسی طرح دو مسجدوں کا ذکر کیا: حرام اور اقصیٰ۔ یہ بھی اُس سے مناسبت رکھتا ہے جو ہم نے "بندے" اور حرفِ خفض۔یعنی "ب" ۔کے بارے میں ذکر کیا۔ مسجد (بابِ) مَفعِل سے ہے؛ آدمی کے سجدہ کرنے کی جگہ، اور سجدہ عبودیت ہے، (لفظ) "حرام" منع ہونے اور رکنے کا تقاضا کرتا ہے، یہ بھی عبودیت کا طالب ہے۔ "اقصیٰ" کا مطلب دوری ہے، بیشک عبودیت صفاتِ ربوبیت سے انتہا درجے کی دوری ہے۔ پس حق سبحانہ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے ان دونوں معاملوں سے ایسے کامل شرف کا انتخاب کیا جو مخلوق کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ہے۔ اور وہ عبودیت یا اِس کے ہم معنی حروفِ خفض، مساجد، حرام، اور اقصیٰ ہی ہیں۔

اِسی طرح اِس کلی عبودیت۔جو کہ کامل معرفت دیتی ہے۔کے مقابلے میں آپؐ کو اِس چیز سے شرف بخشا کہ آپؐ کے لیے اپنے اسما میں سے کوئی ایسا اسم نہیں لایا جس سے آپؐ کو مقید کرے؛[۲۵] کیونکہ یہاں پر مذکور یہ عبودیت اسمائے تاثیر میں سے کسی اسم الٰہی سے مقید ہونے کا تقاضا نہیں کرتی، بلکہ یہ الوہت سے اُس جیسی رفعت اور تنزیہ کی طالب ہے؛ کیونکہ جب بندے کو تمام رخوں سے بلند کیا جائے اور اُسے عزت بخشی جائے تو اُس کی عبودیت آقائی ربانی الٰہی صفات سے تبدیل ہو جاتی ہے، اور یہی اِس (عبودیت) کی تنزیہ ہے۔ لیکن اگر اسے اوصاف ربوبیت سے موصوف کیا جائے تو یہ اِسے تشبیہ دینا ہے اور تشبیہ میں اِس کی ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿چکھ (یہ عذاب) تو بڑا قوت والا تعظیم والا بنا پھرتا ہے﴾ (الدخان: ۴۹) اور فرمایا: ﴿اللہ تعالیٰ ہر متکبر[۲۶] اور جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے﴾ (غافر: ۳۵) الوہت کا معاملہ بھی اسی طرح سے ہے؛ اگر بندے کے لیے اِس کا ذکر کنایتاً بھی اُن اسما سے کیا جائے جو وجودِ مخلوق کے طالب ہیں، تو یہ اِن اسما سے مخاطب بندے کے حق میں رفعت اور بلندی نہیں ہو گا؛ کیونکہ اِس میں مشابہت کا پہلو ہے،[۲۷] جبکہ عبودیت اثر کی محتاجی کا تقاضا کرتی ہے۔ پس جیسے عبودیت نے اِس معراج میں تمام رخوں سے اپنا حق ادا کیا ویسے ہی الوہت نے بھی وہ حق ادا کیا جو بندے سے منسوب یہ وفا تقاضا کرتی ہے۔ سو وہ "ھو" اور "ھو الھو" لایا؛ جو کہ غیب الغیب ہے۔ جب آپ ﷺ اپنی عبودیت سے ہماری ذکر کردہ اِس بات کی طرف گئے تو آپ ﷺ کو غیب الغیب (یعنی الھو)۔ جس کا ہم

وفّى العبودية في هذا الإسراء حقها من جميع الوجوه كذلك وفّى الألوهة حق ما يقتضي[1] هذا الوفاء المنسوب إلى العبد. فأتى بالهو، وبهو اهو الذي هو غيب الغيب. فلما نزل - صلى الله عليه وسلم - من عبوديته إلى ما ذكرناه أُسْرِيَ به إلى غيب الغيب الذي ذكرناه. فمن هناك شاهد حبيبه الحق أحدًا فردًا؛ فإن المحبة تقتضي الغَيْرة، فلا يبقى للعبد أثرٌ؛ فإن العبد قادرٌ وما عليه تحجير، فما ظهر هنالك أصلًا اسم سوى هذا اهو. ولما كان الوحي، كان مسامرة؛ لكونه ليلًا. وأعلى مجالس الحديث المسامرة؛ لأنها خلوة في خلوة وموضع إدلال وتقريب مصطفى.

وأما الآيات التي رآها فمنها في الآفاق، ومنها في نفسه. قال - عز وجل -: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ﴾[2] وقال: ﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾[3] و﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾[4] من آيات الآفاق؛ حقق به مقام العبد من سيده، ﴿أَوْ أَدْنَى﴾ مقام المحبة والاختصاص بالهو. ﴿فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾[5] مقام المسامرة؛ وهو «هو اهو» «غيب الغيب»، وأيده ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾[6] والفؤاد قلب القلب. وللقلب رؤية وللفؤاد رؤية، فرؤية القلب يدركها العمى إذا صدرت عن الحق بإيثار غيره بعد تقريبه إياها ﴿وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾[7] والفؤاد لا يعمى؛ لأنه لا يعرف الكون وما له تعلُّق إلا بسيده، ولا يتعلق من سيده إلا «بغيب الغيب» وهو «هو اهو» لمناسبة المقامات والمراتب، ولهذا قال: ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى﴾ فإنه قد يغلط البصر كثيرًا، وإن كان هذا عين الجهل من قائله؛ فإنه لا يغلط إلا الحاكم لا

---

[1] ب: تقتضي.

[2] [فصلت: ٥٣]

[3] [الذاريات: ٢١]

[4] [النجم: ٩]

[5] [النجم: ١٠]

[6] [النجم: ١١]

[7] [الحج: ٤٦]

نے ذکر کیا ہے۔ کی طرف لے جایا گیا۔ وہاں پر آپؐ نے اپنے حبیب "الحق" کا احداً فرداً مشاہدہ کیا؛ بیشک محبت غیرت کا تقاضا کرتی ہے، لہٰذا بندے کا کوئی نشان باقی نہ رہا؛ بے شک بندہ صاحبِ قدرت ہے اور اُس (کی قدرت) پر کوئی تنگی نہیں، اور وہاں اِس "ھو" کے سوا اصلاً کوئی اسم ظاہر نہ ہوا۔ چونکہ یہ وحی تھی تو یہ تنہائی کی محفل تھی جو رات کو منعقد ہوئی۔ بیشک رات کی محفل ہی بہترین محفل سخن ہوتی ہے؛ کیونکہ یہ تنہائی در تنہائی، شوخی کی جا، اور پسندیدہ کی قربت ہے۔

جہاں تک نشانیوں کا تعلق ہے جو آپؐ نے دیکھیں تو اِن میں سے کچھ آفاق میں سے تھیں اور کچھ آپؐ کے اپنے نفس میں سے تھیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿عنقریب ہم انہیں آفاق اور خود اِن کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے﴾ (فصلت: ۵۳) اور فرمایا: ﴿اور خود تمہارے نفوس میں، کیا تم نہیں دیکھتے؟﴾ (الذاریات: ۲۱) ﴿قاب قوسین﴾ آفاق کی نشانیوں میں سے ہے؛ اِس سے آپؐ نے اپنے آقا کی بندگی کا مقام پایا، جبکہ ﴿او ادنیٰ﴾ مقام محبت اور "الھو" سے مخصوص ہوتا ہے۔ ﴿پس اُس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی﴾ (النجم: ۱۰) یہ مقامِ مسامرہ (یعنی سخن شب) ہے، یہ "ھو الھو" اور "غیب الغیب" ہے، اس کی تائید ﴿"فؤاد" نے جو دیکھا اُسے جھوٹ نہ جانا﴾ (النجم: ۱۱) کرتا ہے، "فؤاد" دل کا دل ہے۔ ایک دل کا دیکھنا ہے اور ایک فؤاد کا دیکھنا ہے، دل کے دیکھنے کو اُس وقت بے بصری لاحق ہو جاتی ہے جب وہ حق کا قرب حاصل ہونے کے بعد منہ موڑ کر کسی اور کو ترجیح دینے لگے ﴿مگر سینوں میں موجود دل اندھے ہو جاتے ہیں﴾ (الحج: ۴۶) جبکہ فؤاد کبھی اندھا نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ کائنات کو نہیں جانتا، اِس کا تعلق تو صرف اپنے آقا سے ہوتا ہے، اور اپنے آقا سے بھی اس کا تعلق صرف "غیب الغیب" سے ہے؛ جو کہ مراتب اور مقامات کی مناسبت سے "ھو الھو" ہے، اِسی لیے اُس نے کہا: ﴿فؤاد نے جو دیکھا اُسے جھوٹ نہ جانا﴾ (النجم: ۱۱) کیونکہ آنکھ اکثر غلطی کرتی ہے، حالانکہ یہ کہنا بھی کہنے والے کی جہالت کا ثبوت ہے؛ کیونکہ غلطی تو (نظر کے اِس ادراک) پر حکم لگانے والی (قوت) کرتی ہے، وہ (بذات خود) غلط نہیں ہوتا جس کا حواس ادراک کریں۔ جو یہ کہتا ہے کہ نظر غلطی کرتی ہے؛ تو اِس لیے کہ اُس نے معاملے کو اِس کی حقیقت کے برخلاف دیکھا[۲۸] سو اُس کا ساتھی (یعنی فؤاد) اُسے جھٹلاتا ہے، لیکن (اللہ تعالیٰ) نے آپ ﷺ سے اس صفت کی نفی کی؛ کیونکہ جھوٹ تو عالم

ما يدركه الحواسّ. فالذي يقول بغلط[1] البصر؛ لكونه يرىٰ الأمر علىٰ خلاف ما هو عليه، فيُكذِّبُه صاحبُه، فنفىٰ عنه هذه الصفة، لأن الكذب إنما يقع في عالم التشبيه والكثرة، وهنا ليس ثَمَّ تشبيه أصلًا، فإن العبد هنا عبد من جميع الوجوه، مُنَزَّهٌ مطلق التنزيه في العبودية، وكذلك «غيب الغيب» الذي هو «هو الهو».

والآيات التي رآها في نفسه؛ مشاكلته لهو الهو بعبودة[2] العبودة في غيب الغيب بعين قلب القلب الذي هو الفؤاد، وما كل أحد يراها. وآيات الآفاق ما ذكره - عليه السلام - مما رأىٰ في النجوم والسموات والمعارج العُلىٰ والرفرف الأدنىٰ وصريف الأقلام والمستوىٰ وما غشىٰ الله به سدرة المنتهىٰ. وهذا كله مما حول هذا المقام المختص بالعبد الذي أُقيم فيه؛ في غيب الغيب. وقد نبّه علىٰ هذا بقوله: ﴿الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ ولم يذكر بركة المقام؛ لأنه فوق الذكر لعدم التشبيه. وهو مقام يُتخطَّف الناسُ منه لعِزّته. فالمسجد الحرام للمسجد الأقصىٰ كالجنة مع النار؛ «حُفَّت الجنةُ بالمكارِه»[٢٣] ﴿أَوَ لم يروْا أنّا جعلْنا حَرَمًا آمِنًا ويُتَخَطَّفُ الناسُ من﴾ حوْلِهِ «وحُفَّت النارُ بالشهوات» ﴿إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ﴾ فبطنْ لِظهرٍ وظهرْ لِبطن. ونتج[3] هذا السفرُ مشاهدةَ ما ذكرناه من غيب الغيب. والكلام في هذا المقام يطول، فلْنَقْبِض العِنان. ويكفي هذا القدر من الإشارة التي أوردناها فيه ﴿وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾.

---

[1] ي، ف: بدون النقط. ا، م: يغلط.

[2] ك، ب: لعبودة.

[3] ش: أنتج.

تشبیہ اور کثرت میں ہوتا ہے، جبکہ یہاں تو اصلاً کوئی تشبیہ نہیں، یہاں بندہ تمام رخوں سے بندہ ہے، عبودیت میں مطلق تنزیہ پر منزہ ہے، اِسی طرح "غیب الغیب" بھی جو کہ "ھو الھو" ہے۔

اور وہ نشانیاں جنہیں آپ ﷺ نے اپنے نفس میں دیکھا؛ تو "ھو الھو" کی مشابہت ہے، جب آپؐ "عبودت العبودت" سے "غیب الغیب" میں داخل ہوئے اور آپؐ نے "قلب القلب" یعنی فؤاد کی آنکھ سے (انہیں دیکھا)، جبکہ ہر ایک نے یہ (نشانیاں) نہیں دیکھیں۔ آفاق کی نشانیوں میں وہ سب کچھ ہے جس کا آپ ﷺ نے ذکر کیا جو آپ نے ستاروں، آسمانوں، معارج العلیٰ، رفرف الادنیٰ، اقلام کی آوازوں، استوا اور جس چیز سے اللہ نے سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپ رکھا تھا میں دیکھا۔ اور یہ سب کچھ اس مقام کے ارد گرد تھا جو بندے سے مختص تھا اور جس میں اس بندے کو "غیب الغیب" میں ٹھہرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس قول ﴿جس کے اِرد گرد ہم نے برکت کر رکھی ہے﴾ (اِسراء:۱) سے اس جانب توجہ دلائی ہے، یہاں اُس نے مقام کی برکت کا ذکر نہیں کیا؛ کیونکہ یہ عدم تشبیہ کے باعث ذکر سے بہت اوپر ہے۔ یہ وہی مقام ہے جس کی عظمت کے باعث لوگ یہاں سے اُچک لیے جاتے ہیں۔ پس مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ جنت اور دوزخ کا ہے؛ "جنت ناپسندیدگی میں گھری ہے۔"[۲۹] ﴿کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا جبکہ اِس کے (ارد گرد) سے لوگ اچک لیے جاتے ہیں﴾ (العنکبوت:۶۷) اور دوزخ شہوات میں گھری ہے ﴿مسجد اقصیٰ تک جس کے ارد گرد ہم نے برکت کر رکھی ہے﴾ (اسراء:۱) پس باطن کا ظاہر اور ظاہر کا باطن۔ اِس سفر کا نتیجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا یعنی غیب الغیب کا مشاہدہ۔ اِس مقام پر بات لمبی ہو گئی سو ہم لگام کھینچتے ہیں۔ اور اس بارے میں جس قدر اشارات ہم کر چکے وہ کافی ہیں ﴿اللہ ہی حق کہتا اور راہ دکھلاتا ہے﴾

سفر الابتلاء وهو سفر الهبوط

من علو إلى سفل ومن قرب إلى بُعدٍ فيما يظهر، وكأنه مناقض للسفر الذي تقدّمه، وفيه ما فيه[1] وإن لم يَقْوَ قوّتَه[2].

قال الله - عز وجل[3] - يخاطب آدم وحواء ومن نزل معهما فقال ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا﴾[4] وقد تكلمنا على سفر الأب الأول في الروحانيات، وهو أبو آدم وأبو العالم؛ وهو حقيقة محمد - صلى الله عليه وسلم - وروحه. فلنتكلم على سفر الأب الأول[5] الجسمي، وهو أبو محمد - صلى الله عليه وسلم - وأبو بني آدم كلهم خاصة. فكل واحد منهما أبٌ وابنٌ لصاحبه من هذا الوجه.

فاعلم - وفّقنا اللهُ وإياك - أن الله - تعالى - إذا أراد أن يحدث أمرًا أشار إليه بعلامات لمن فهمها، يتقدم على وجود الشيء، تسمّى مقدمات الكون، يشعر بها أهل الشعور. وكثيرًا ما يطرأ هذا في الوجود في عالم الشهادة، ولا سيما إذا ظهر في موضع ما لا يليق بذلك الموضع؛ فإنه يخاف من ظهور ما يناسب ما ظهر. وهذه الطِيرَة عند العرب والفأل. فما كان مما تحمده النفس[6] كان فألًا، وما كان مما يكرهونه كان عندهم طيرة. ولهذا أحب الشارع - صلى الله عليه وسلم - الفأل وهو الكلمة الحسنة، وكره الطيرة، أي كره أن يتطيّر بشيء. والفأل عند العرب خير، والطيرة شر ﴿وَنَبْلُوكُمْ

---

[1] ي، ك، ب: وقته وقته. ي: بدون النقط. وفي النسخة ب: بُدِّل بعد الرقم إلى فيه ما فيه.

[2] ي، ك: فوته.

[3] ك، ب: تعالى.

[4] [البقرة: ٣٨]

[5] ف، غ: - الأول.

[6] يقول كاتب نسخة ب في الحاشية: أظنه "مما تحمده الناس"

حضرت آدم علیہ السلام کا سفر آزمائش اور اُتار

جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے یہ بلندی سے پستی اور قربت سے دوری کی طرف (سفر ہے)، گویا کہ یہ اِس سے پہلے سفر کے الٹ ہے، اِس میں بھی وہی ہے جو اُس میں ہے، اگرچہ اِس میں اُس جیسی قوت نہیں۔

اللہ عزوجل آدم، حواء اور جو آپ دونوں کے ساتھ نیچے اترا اُسے مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ہم نے کہا: تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ﴾ (البقرۃ: ۳۸) ہم نے روحانیات میں پہلے باپ کے سفر پر بات کی، جو کہ ابو آدم اور ابو العالم ہیں؛ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت اور آپ کی روح ہی ہے۔ اب ہم پہلے جسمانی باپ کے سفر پر بات کرتے ہیں، آپ ابو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور خصوصاً تمام بنی آدم کے باپ ہیں۔ اِس رخ سے اِن دونوں (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام) میں سے ہر ایک دوسرے کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی۔

جان لے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق دے۔ جب اللہ تعالیٰ کچھ کرنا چاہتا ہے تو سمجھنے والوں کے لیے کچھ علامات سے اِس طرف اشارہ کرتا ہے، یہ (علامات) اُس شے کے وجود سے پہلے ہوتی ہیں، انہیں مقدماتِ کائنات کہتے ہیں اور اہل شعور انہیں سمجھتے ہیں۔ اور عالم شہادت میں اکثر وجود میں ایسا ہوتا ہے، خاص طور پر جب کسی جگہ کچھ ایسا ظاہر ہوا جو اُس جگہ کے لائق نہیں؛ پھر اُس کے ظہور سے خوف کھایا جاتا ہے جو اِس ظاہر سے مناسبت رکھتا ہو۔ عربوں کے ہاں یہی (الطیرۃ) بدشگونی اور (فال) نیک شگونی ہے۔ وہ شے جس کی نفس تعریف کرے وہ فال ہے، اور جسے نفس پسند نہ کرے وہ ان کے نزدیک (الطیرۃ) بدشگونی ہے۔ اِسی لیے صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فال کو پسند کیا اور یہ اچھی بات ہے اور (الطیرۃ) بدشگونی کو بُرا جانا ہے، یعنی یہ برا جاننا کہ کسی چیز سے بدشگونی لی جائے۔ عربوں کے ہاں فال بھلائی اور الطیرۃ برائی ہے ﴿ہم تمہیں برائی اور بھلائی سے آزماتے ہیں﴾ (الانبیاء: ۳۵) اور کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ناپسند فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تقدیر میں جو چلا رہا ہے اُس سے بدشگونی لی جائے؛ کیونکہ اِس

بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾[1] ولا فاعلَ إلا الله. وهو - صلى الله عليه وسلم - يكره أن يُتطيَّر بما يُجريه اللهُ من المقدور؛ فإن في[2] كراهة ذلك عدم احترام الألوهة. والأولى أن يَتلقَّى ما لا يوافق الغرضَ منهما بالحمد والتسليم والرضا والانقياد ورؤية ما دفع الله مما هو أعظم من الذي نزل. كان عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - يقول في مثل هذا: «ما أصابني الله بمصيبة إلا رأيت أن لله عليّ فيها ثلاثَ نِعَم: إحدى ذلك، كونها لم تكن في ديني. الثانية، كونها كانت ولم يكن ما هو أعظم منها. الثالثة، ما لي فيها من الأجر وحط الخطايا». فانظر إلى حضوره وحسن نظره، فيما يبتليه الله به رضي الله عنه.

ولما كان الأمر هكذا جاريًا عرفناه بحكم العادة والتجربة، ولم تتقدم لآدم - عليه السلام - عادة ولا تجربة لهذا الفن، فلم يتفطَّن آدم - عليه السلام - لتحْجير الله عليه الأكل من الشجرة. وموطن الجنة لا يقتضي التحجير؛ فإنه يأكل منها من فيها ما يشاء ويتبوَّأ منها حيث يشاء. فلما وقع التحجير في موطن لا يقتضي ذلك عرفنا أنه لابد أن تظهر حقيقة ذلك الأمر، وأنه يُستنزَل من عالم السعة والراحة إلى عالم الضيق والتكليف. ولو عرفها آدم ما تهنَّأ زمان مُقامه في الجنة.

ومن جملة ما نسب آدم إلى نفسه من الظلم في قوله: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا﴾[3] حيث لم نتفطَّن[4] لإشارتك بالتحجير والمنع في موطن التسريح والإباحة، ولهذا نُهِيَ ولم يُؤمَر أمرَ إيجاب. وكان حاملًا للمخالف من ولده في ظهره والطائع، فأوقع المخالفة عن حركة المخالِف، فلما رماه من صُلْبه ما بلغنا أن آدم عصى ربه بعد ذلك

---

[1] [الأنبياء: ٣٥]

[2] ش، غ، ا، م، ف: - في.

[3] [الأعراف: ٢٣]

[4] ش: تتفطن. ي: بدون النقط.

ناپسندیدگی میں الوہت کے عدم احترام کا پہلو ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ (خیر اور شر) دونوں میں سے جو بھی ہماری غرض کے مطابق نہ ہو اُسے شکر، تسلیم، رضامندی، فرمانبرداری اور اس نظر سے قبول کیا جائے کہ اللہ نے اِس چھوٹی مصیبت کے ذریعے اس سے بڑی مصیبت سے بچائے رکھا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اِس بارے میں کہا کرتے تھے: "اللہ نے مجھے جس مصیبت میں مبتلا کیا، میں نے یہی دیکھا کہ اِس میں اللہ تعالیٰ کی مجھ پر تین نعمتیں ہیں: ایک یہ میرے دینی معاملات میں سے نہیں۔ دوسرا، یہ ہے اور اِس سے بڑی (مصیبت) نہیں۔ تیسرا اِس میں جو میرے لیے اجر اور گناہوں میں کمی ہے۔" پس اللہ نے آپ کو جس آزمائش میں ڈالا اس میں آپ رضی اللہ عنہ کی حضوری اور حسنِ نظر تو دیکھ۔

چونکہ یہ معاملہ اِس طرح سے جاری ہے تو ہم حکم عادت اور تجربے سے اِسے جان گئے، جبکہ آدم علیہ السلام کا اِس فن میں نہ کوئی معمول تھا اور نہ ہی تجربہ، پس آدم علیہ السلام یہ نہ سمجھ سکے کہ اللہ نے اس درخت کا پھل کھانے سے کیوں منع فرمایا۔ جنت کا گھر تو روک ٹوک کی جگہ نہیں؛ کیونکہ آپ جنت میں جو چاہتے کھا سکتے تھے اور جہاں چاہتے جا سکتے تھے۔ لہذا جب اُس جگہ پابندی لگی جو اس پابندی کا تقاضا نہیں کرتی تو ہم نے جان لیا کہ اِس معاملے کی حقیقت لازماً ظاہر ہو کر رہے گی، اور آپ کو اُس راحت اور آسودگی کے عالم (یعنی جنت) سے تنگی اور تکلیف کے عالم (یعنی دنیا) میں اتارا جائے گا۔ اگر آدم علیہ السلام کو یہ پتا ہوتا تو جنت میں (اپنے) قیام کے دوران کبھی خوش نہ ہوتے۔

اور ان باقی باتوں کے ساتھ آدم علیہ السلام نے اپنے اس قول ﴿اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا﴾ (اعراف: ۲۳) میں اپنی جانب جس ظلم کو منسوب کیا وہ یہ تھا کہ ہم اِس آزادی اور چھوٹ کی جگہ میں تیری طرف سے پابندی اور منع کے اشارات کو نہ سمجھ پائے، اسی لیے آپ کو صرف روکا گیا کسی واجب کا حکم نہیں دیا گیا۔ آپ اپنی پیٹھ میں اپنے فرمانبردار اور نافرمان بیٹوں کو اٹھائے ہوئے تھے، پس یہ مخالفت اُس نافرمان اولاد کی حرکت سے واقع ہوئی، اور جب آپ نے اُس (ناخلف) اولاد کو اپنی پیٹھ سے نکال دیا تو ہم تک نہیں پہنچا کہ اس کے بعد آدم علیہ السلام نے کبھی بھی اپنے رب کی نافرمانی کی ہو۔ اور اللہ کے اس قول: ﴿آدم نے اپنے رب کی

أبدًا. وأُفرِدَ بالمعصية دون أهله في قوله ﴿وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ﴾[1] والنهي وقع عليهما والفعل وقع منهما،[2] لأنها جزءٌ منه؛ فكأنه ما ثَمَّ إلا هو، ولأنه أقرب إلى الذكرى من حواء ﴿فنسي﴾[3] والمرأة أنسى من الرجل؛ ولهذا قامت المرأتان في الشهادة مقام الرجل الواحد، لأن الله يقول: ﴿فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ﴾[4] وذلك لأن[5] المرأة شِقٌّ من الرجل، فامرأتان شقان وشقان نشأة كاملة، فامرأتان رجل واحد، فهي ناقصة الخلق مُعْوجّة في النشء لأنها ضِلْع، فانْحَدَرتْ[6] من اللفظ ولم تذكر، وذكر آدم - عليه السلام - لنقيض ما ذكرناه في حواء. ونسيان آدم - عليه السلام - إنما كان لما أخبره الله به من عداوة إبليس، وما تخيَّل آدم - عليه السلام - أن أحدًا يُقْسِم بالله كاذبًا. فلما أقسم بالله إنه ناصِحٌ لهما فيما ذكره لهما، تناولا من الشجرة المنهي عنها. وفي هذا تنبيه في أن الاجتهاد لا يسوغ مع وجود النص في المسألة. وفي عداوة إبليس لحواء بُشْرى لها بالسعادة؛ لأنها لو كانت من حزب الشيطان ما كان عدوًا لها. والذم تعلّق بصورة الكسب لا بالفاعل المكتسب. ولو تعلّق الذمّ بالمكتسب لبَغَضْنا العُصاة، ونحن إنما نكره منهم المعصية، ولا تزال المعصية مكروهة؛ أعني معصية الله. وكذلك أيضًا لا تقع الكراهة منا على السبب المعصي به؛ فإنه قد يُنْسَخ تحريمُه ويرجع حلالًا، فتزول الكراهة. فلو تعلق الذمُّ به لعينه، لم يزل مذمومًا. فتعلّق الذم إنما هو بأمر دقيق خفي إضافي يكاد لا يثبت، وكذلك الحمد فافهم.! وتفطّنت المعتزلة لسِرٍّ في هذه المسألة ما تنبَّهت له الأشاعرة، وهو سرٌّ دقيق حسن، فحقِّق النظر فيه تجد الذي عثرت عليه المعتزلة.

---

[1] [طه: ١٢١]

[2] ف، غ: عنهما.

[3] [طه: ١١٥]

[4] [البقرة: ٢٨٢]

[5] ك، ب: أن.

[6] ش، ف، ا، م، غ: فاهدرت.

نافرمانی کی﴾ (طہ: ۱۲۱) میں آپ کی بیوی کو چھوڑ کر اکیلے آدم کو خطا کار ٹھہرایا گیا، حالانکہ روکا دونوں کو گیا تھا، اور یہ کام بھی دونوں نے کیا؛ کیونکہ آپ کی بیوی (حواء علیہا السلام) آپ کا ہی ایک جزو تھیں؛ گویا کہ یہاں صرف آپ ہی ہیں، اور اس لیے بھی کہ آپ نصیحت قبول کرنے میں (مائی) حواء سے بڑھ کر تھے ﴿مگر آپ بھی بھول گئے﴾ (طہ: ۱۱۵) عورت تو مرد سے بڑھ کر بھلکڑ ہوتی ہے؛ اِسی لیے گواہی میں دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں، اللہ فرماتا ہے: ﴿اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں پسند کرو تا کہ اگر ایک (عورت) بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلائے﴾ (البقرۃ: ۲۸۲) وہ اِس لیے کہ عورت مرد کا ایک حصہ ہے، دو عورتیں دو حصے ہوئے اور دو حصے ہی مکمل تخلیق ہیں، یوں دو عورتیں ایک مرد (کے برابر) ہیں، یہ عورت تخلیق میں ناقص اور نشأۃ میں ٹیڑھی ہے کیونکہ یہ پسلی [۳۰] ہے، لہٰذا یہ قول میں نہ آئی اور اِس کا ذکر نہ کیا گیا، جبکہ آدم علیہ السلام کا ذکر اِس وجہ سے کیا گیا کہ اِن کا معاملہ حواء کے الٹ تھا۔ اور آدم علیہ السلام کا بھولنا اسی وجہ سے تھا جو اللہ نے آپ کو بتائی یعنی عدوات ابلیس، یہ تو آدم علیہ السلام کے گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔ لہٰذا جب (ابلیس) نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اُس نے انہیں جو کچھ بتایا ہے وہ اِس میں ان دونوں کا خیر خواہ ہے، تب جا کر انہوں نے شجرہ ممنوعہ سے کھایا۔ اِس میں بھی تنبیہ ہے کہ کسی مسئلے میں نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد جائز نہیں۔ ابلیس کی حوا سے دشمنی ہی حوا کی سعادت کی خوش خبری تھی؛ کہ اگر وہ شیطان کی جماعت میں سے ہوتی تو کبھی شیطان اُس کا دشمن نہ ہوتا۔ مذمت کا تعلق کسب کی صورت سے ہے کسب کرنے والے فاعل سے نہیں۔ اگر مذمت کا تعلق برائی کرنے والے سے ہوتا تو ہم نافرمانوں سے بغض رکھتے، جبکہ ہم تو صرف اُن کی برائی کو ناپسند کرتے ہیں، اور معصیت ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے؛ میرا مطلب ہے اللہ کی معصیت۔ اِسی طرح ہماری ناپسندیدگی اُس سبب سے نہیں جس سے گناہ ہوا؛ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُس کا حرام ہونا منسوخ ہو جائے اور وہ حلال ہو جائے، پھر ناپسندیدگی بھی اٹھ جائے گی۔ اگر مذمت کا تعلق بعینہ اس (سبب) سے ہوتا تو وہ ہمیشہ قابلِ مذمت رہتا۔ پس مذمت کا تعلق ایک نہایت ہی دقیق پوشیدہ اور نسبی معاملے سے ہے جسے ثبات نہیں، اسی طرح اچھائی بھی، یہ سمجھ! معتزلہ اِس مسئلے کا راز سمجھ گئے جسے اشاعرہ نہ سمجھ سکے، یہ ایک بہترین باریک راز ہے،

ثم نرجع ونقول فلما وقع ما وقع من آدم وحواء أُهْبِطا إلى الأرض، فهذا سفرٌ في الظاهر من عنده. وكذلك سفر إبليس من عنده. فوجد إبليس في سفره الملك والراحة التي يؤول بها إلى الشقاء الدائم، ووجد آدم المشقة والتعب والتكليف الذي يؤول به إلى السعادة. وكان من علوّ سفره هذا، أنه سافر من شهوة نفسه إلى معرفة عبوديته؛ فإن الجنة لمجرَّد الشهوات، لهذا قال: ﴿لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ﴾[1] وأكمل له هنا لباسه، فإنه كان في الجنة صاحب لباس واحد؛ وهو الريش، ولم يعرف طَعْمًا للِباس التقوى، لأن الجنة ليست بمحل للتقوى؛ لأنها نعيم كلها، والتقوى يطلب ما يُتّقى منه، فإذن فلا يكون في الجنة. ولما لم يكن عنده – عليه السلام – لباس التقوى ووقع النهي، لم يكن له[2] بها يتّقيه، إذ التقوى من صفات هذا الدار وما عدا الجنة. فلما نزل من الجنة أُنْزِل عليه لباسُ سَتْر النشأة ولباسُ التقوى، ثم نُهِيَ وأُمِرَ وكُلِّف، فلم تُتَصوّر[3] منه بعد ذلك مخالفةٌ لحماية هذا اللباس. فصار نزوله إلى هذه الدار من تمام نشأته ومرتبته، ثم رحلته إلى الجنة من كمال مرتبته ونفسه. والدنيا دارُ تمامٍ والآخرة دارُ كمال، وليس بعد الكمال مطلب، فما بعد الدار من دار أصلًا.

فأقام آدم – عليه السلام – في سفره هذا يقْتني المعارف الكسبية من جهة التكليف التي لم تكن تحصل[4] له دون التكليف. وهذا أن الدنيا دار تمام للعبد واقتناء المعارف الفكرية التي لا يعطيها إلا الدنيا، فإن نشأة الجنة كشفٌ كلُّها. وأخذ يقتني

---

[1] [فصلت: ٣١]

[2] ب: نجد كلمة علم فوق كلمة بها. ف، غ: + علم.

[3] ب، ش، م، ا، غ: يتصور.

[4] ب: يكن يحصل.

اِس میں غور وفکر کر تو بھی وہ پائے گا جو معتزلہ نے دریافت کیا۔

ہم (اپنی بات کی طرف) لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں: جب آدم اور حوا سے جو ہونا تھا وہ ہو گیا تو وہ دونوں زمین پر اتارے گئے تو یہ ظاہر میں (سفر من عندہ) اُس سے سفر ہے۔ اِسی طرح ابلیس کا سفر بھی اُس سے ہے۔ ابلیس نے اپنے اِس سفر میں بادشاہت اور راحت پائی جس سے وہ ابدی بدبختی کی طرف لوٹے گا، اور آدم نے مشقت، تھکاوٹ اور تکلیف پائی جس سے وہ سعادت کی طرف لوٹے گا۔ آپ کے اِس سفر کی بلندی (کا ایک پہلو) یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے نفس کی شہوت سے اپنی عبودیت کی معرفت کا سفر کیا؛ بیشک جنت تو مجرد شہوات کے لیے ہے، اسی لیے کہا: ﴿اِس میں تمہارے لیے وہ کچھ ہے جس کی تمہارے نفسوں کو چاہ ہے﴾ (فصلت: ۳۱) اور یہیں (یعنی دنیا میں) اُس نے آپ کا لباس مکمل کیا، کیونکہ جنت میں آپ ایک لباس والے تھے؛ جو کہ ظاہری لباس تھا، وہاں آپ نے لباسِ تقویٰ [1] کا مزہ نہ چکھا، کیونکہ جنت تقویٰ کا گھر نہیں؛ بلکہ وہ تو ساری کی ساری نعمت ہے، جبکہ تقویٰ اُس (شے) کا طالب ہے جس سے بچا جائے، لہٰذا جنت میں (تقویٰ) نہیں ہو سکتا۔ چونکہ (وہاں) آپ علیہ السلام کے پاس لباسِ تقویٰ نہ تھا اور نہی واقع ہوئی تو آپ کے پاس وہ (لباس) نہ تھا جس کے ذریعے سے آپ بچتے، کیونکہ تقویٰ اِس دنیا کی صفات میں سے ہے، جنت کی صفات میں سے نہیں۔ پس جب آپ جنت سے اُترے تو آپ پر اپنی نشأۃ کو چھپانے والا لباس اور لباسِ تقویٰ اتارا گیا، پھر آپ کو منع کیا گیا حکم دیا گیا اور مکلف بنایا گیا۔ پھر اِس کے بعد اِس لباس کی حفاظت کے سبب آپ سے مخالفت کا تصور تک نہ ہوا۔ لہٰذا دارِ دنیا میں آپ کا نزول آپ کی نشأۃ اور مرتبے کی تکمیل میں سے تھا، پھر جنت کی طرف آپ کا سفر آپ کے نفس اور مرتبے کے کمال میں سے ہے۔ دنیا، دارِ تکمیل ہے اور آخرت، دارِ کمال ہے، کمال کے بعد اور کوئی مقصد نہیں اِسی لیے اُس دار (یعنی آخرت) کے بعد کوئی دار نہیں۔

آدم علیہ السلام اپنے اِس سفر میں تکلیف کی جہت سے معارفِ کسبیہ کے حصول میں لگے رہے کہ یہ (معارف) انہیں تکلیف کے بغیر حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ وہ اس لیے کہ دنیا بندے کے لیے تکمیل اور فکری معارف کے حصول کا گھر ہے، یہ (معارف) صرف دنیا ہی دیتی ہے؛ کیونکہ جنت کی نشأۃ ساری کی ساری کشف ہے۔ آپ معارفِ تدبیر، تفصیل، بہتر، بہترین، مقدم، افضل اور

معارف التدبير والتفصيل والحُسن والأحسن والأوْلى والأحرىٰ ومعرفة الترتيب ابتداءً. وهذا لا يكون إلا في الدنيا من أجل كثافة النشأة والبخارات المانعة من الكشف، فيحتاج إلى قوة لا تكون له إلا[1] بوجود هذه الموانع، ولولاها لم ترتعطه. فهذا من تمامه. ولهذا قال سهل بن عبد الله ليس للعقل فائدة في الإنسان إلا ليدفع به الإنسان سلطان شهوته خاصة، وإذا غلبت الشهوة، بقي العقل لا حكم له.

ومما يؤيد ما ذكره سهل ما أطلعَنا اللهُ - تعالى - عليه عند كشف الأسرار، فأرانا في أسرارنا بإلهامه الأنزه أن الملائكة في المعارف خُلِقَتْ، وكذلك الجمادات والنبات،[2] والحيوان خُلِق في المعارف والشهوة؛[٢٤] ولهذا هو مع معرفته وشفقته من الساعة لا يرجع عن شهوته، وشفقتُهُ من أجل ما يصير[3] إليه مع ما يراه من المخالفة منّا. رأى بعضهم رجلًا يضرب رأس حمار له، فنهاه عن ذلك فقال له الحمار: دَعْه، فإنه على رأسه يضرب.[٢٥] والإنسان خُلِقَ في المعارف الضرورية والشهوة والعقل، فبعقله يرد شهوته.

ومما اقتناه آدم - عليه السلام - في معصيته وسفره من أسماء ربه ومن آثارها ومشاهدتها الذي لم يكن قبل ذلك يعرفه؛ وهو الغافر والمغفرة، وإن كان الغفور فمن أجل أن معصيته شديدة بالنسبة إلى مقامه تقتضي ما تقتضيه[4] مائة ألف معصية من غيره مثلًا، وهو - سبحانه - في حق هذا الغير غفور، فقد يكون غفورًا في حق آدم من هذا الوجه، وغافرًا من كونها مخالفةً واحدةً. وربما وقعت بتأويل منه، ولو نسي النهي ما عوقب أصلًا، وإنما نسي ما ذكرناه. وكذلك اقتنى[5] الاجتباء والتوبة والاستغفار والعفو والخوف والأمن الوارد عقيب الخوف؛ فإنه أشد لذة من الاستصحاب.

---

[1] ب، غ: لا يكون إلا. ا: لا تكون إلا. ب: لا يكون له.

[2] ش، ف، م، ا، غ: النباتات.

[3] بدون النقط في ي. ب: تصير.

[4] ش، غ: يقتضي ما يقتضيه. ش، م، ا: يقتضي ما تقتضيه. بدون النقط: ب، ف.

[5] ش، غ، ف، ا، م: اقتناه.

ابتدا سے معرفتِ ترتیب کے حصول میں لگ گئے۔ یہ سب صرف دنیا ہی میں ہوتا ہے کہ اس کا سبب نشأۃ کی کثافت اور کشف سے روکنے والے بخارات ہیں، پس آپ کو ایسی قوت چاہیے تھی جو ان رکاوٹوں کی ساتھ ہو، اگر یہ (رکاوٹیں) نہ ہوتیں تو وہ قوت بھی نہ ملتی۔ یہ آپؑ کی تکمیل میں سے ہے۔ اِسی لیے تو سہل ابن عبد اللہ (تستری) نے فرمایا: انسان میں عقل کا فائدہ صرف اتنا ہی ہے کہ اس سے انسان اپنی خاص شہوت کی قوت[۳۲] کو دور کر سکے، اگر شہوت غالب ہوگئی تو پھر عقل کا حکم کس پر چلے گا۔

سہل (تستری) کی ذکر کردہ بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جو اللہ نے ہم پر اسرار کے پردے کھولے، اس نے اپنے پاک الہام سے ہمارے اسرار میں ہمیں دکھایا کہ فرشتوں کی تخلیق معارف پر ہوئی، اِسی طرح جمادات اور نباتات کی بھی، جبکہ جاندار معارف اور شہوت پر تخلیق ہوئے ہیں[۳۳]؛ اسی لیے اپنی معرفت اور قیامت کے خوف کے باوجود یہ اپنی شہوت نہیں چھوڑتے، جب وہ ہماری نافرمانیاں دیکھتے ہیں تو انہیں یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔ ایک صاحبِ کشف نے ایک شخص کو اپنے گدھے کے سر پر مارتے دیکھا تو اس نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا تو گدھے نے جواب دیا: اِسے چھوڑ، کہ یہ تو اپنے سر پر مار رہا ہے۔[۳۴] انسان کی تخلیق ضروری معارف، شہوت اور عقل پر ہوئی ہے، وہ اپنی عقل سے اپنی شہوت کا رد کرتا ہے۔

آدم علیہ السلام نے اپنی اِس معصیت اور سفر میں اپنے رب کے اسما، اِن (اسما) کے آثار اور ان کے مشاہدات سے وہ کچھ حاصل کیا جو اِس سے پہلے آپ نہ جانتے تھے: یہ (اسم) الغافر اور (اس کی صفت) مغفرت ہی ہے، اگر یہ (مبالغے کے صیغے سے) الغفور تھا تو اس لیے کہ آپ کے مقام و مرتبے کے حساب سے نافرمانی بڑی شدید تھی، یہ اسی (استغفار) کی متقاضی تھی جو کوئی دوسرا مثلاً ایک لاکھ نافرمانیوں پر کرے، چونکہ سبحانہ وتعالی اِس دوسرے کے حق میں غفور ہے تو اس رخ سے وہ آدم کے حق میں بھی غفور ہوا، جبکہ ایک نافرمانی کے حساب سے غافر ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ سے یہ (نافرمانی) کسی تاویل کے باعث سرزد ہوئی ہو، کیونکہ اگر آپ (اللہ کا) منع کرنا بھول گئے ہوتے تو آپؑ کو سزا نہیں ملنی چاہیے تھی، آپ وہی بھولے جو ہم نے بتایا۔ اِسی طرح آپ کو انتخاب، توبہ، استغفار، معافی، خوف یا خوف کے بعد کی سلامتی نصیب ہوئی کہ اِس

وكذلك نتج له هذا السفر معرفة التركيب والإنشاء والتحليل. فعرف من ذلك نشأة بِنْيته بتعاقب الأدوار شيئًا بعد شيء، بخلاف تكوين الجنة؛ فإنه دفعةٌ في حق الناظر. وإن الهمّ مصروفٌ في الجنة لمجرد اللذة والنعيم، والهم في الدنيا مصروف إلى الزيادة من العلم والبحث عنه؛ فلهذا يعرف[1] من هنا ما لا يعرفه من هناك. فينتج له سفره من مثل هذا كثيرًا.

والأسفار كثيرة، وأخاف من التطويل. وهذا السفر الآدمي يحوي على كثير يحتاج أن يُفْرَد له ديوانٌ، وكذلك كل سفر ذكرناه ونذكره في هذا الكتاب. فألحِقْ ما سكتْنا عنه بما تكلمنا عليه على ما يناسب، تُرْشَدْ إن شاء الله عز وجل.

---

[1] ك، ب: يعرفه.

(سلامتی) کی لذت ہمیشہ سے حاصل سلامتی سے بہت بڑھ کر ہے۔

اور اسی طرح اِس سفر کا ایک نتیجہ آپؑ کے لیے ترکیب، انشاء اور تحلیل کی معرفت بھی بنا۔ اس سے آپ نے اپنے جسم کی تخلیق کو مختلف ادوار میں یکے بعد دیگرے جانا؛ یہ جنت کی تخلیق کے برخلاف تھا؛ کیونکہ وہ دیکھنے والے کی نظر میں یک دم تھی۔ اور جنت میں ساری توجہ صرف لذت اور نعمتوں میں ہی لگی ہوئی تھی، جبکہ دنیا میں توجہ کا مرکز علم کی زیادتی اور اِس کی تلاش ہے؛ اسی لیے (انسان) یہاں وہ کچھ جانتا ہے جو وہاں نہیں جانتا تھا۔ پس آپ کے اس سفر کا نتیجہ اس طرح کی اور بہت سی چیزیں ہیں۔

اسفار تو بہت ہیں لیکن میں بات لمبی ہو جانے سے ڈرتا ہوں۔ یہ سفر آدم بہت سی ایسی باتوں پر مشتمل ہے جن پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے، اسی طرح ہر وہ سفر جس کا ہم نے ذکر کیا یا جس کا ہم اِس کتاب میں ذکر کریں گے۔ لہذا جو کچھ ہم نے یہاں بیان نہیں کیا مگر کہیں اور بیان کیا، اگر تو ان دونوں میں مناسبت پائے تو ان کو جوڑ لے، تیری رہنمائی کی جائے گی ان شاء اللہ عزوجل۔

سفر إدريس عليه السلام
وهو سفر العز والرفعة مكانًا ومكانة

قال الله – تعالى –: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ [مريم ٥٦–٥٧] ويقال إنه أول من كتب بالقلم من بني آدم. فأول إمداد القلم الأعلى له – عليه السلام – كان قد أُسْرِيَ به إلى أن بلغ السماء السابعة فصارت السماوات كلها في حوْزته.

واعلموا أن السماوات كلها قد جعلها الله محل العلوم الغيبية المتعلقة بما يُحْدِث الله في العالم من الكائنات: جوهرها وعَرَضها، صغيرها وكبيرها، وأحوالها، وانتقالاتها. وما من سماء إلا وفيه علمٌ مودع بيد أمينها، وأودع الله نزول ذلك الأمر إلى الأرض في حركات أفلاكها وحلول كواكبها في منازل الفلك الثامن. وجعل لكواكب هذه السماوات السبع اجتماعات وافتراقات وصعودًا وهبوطًا، وجعل آثارها مختلفة، وجعل منها ما يكون بينه وبين كواكب أُخَر مناسبةً، وجعل منها ما يكون بينه وبين كواكب أخر منافرةً كلية. وذلك أنه إذا أودع عند الواحد ضد ما أودعه عند الآخر كانت المنافرة، لا أنهم أعداءٌ. وإنما ذلك لحقائق خلقهم الله – تعالى – عليها تقضي بذلك، وشغلهم بطاعة ربهم وتسبيحهِ، ﴿لَا يَعْصُونَ اللهَ مَا أَمَرَهُمْ﴾[1] كما جاء في خِلْقة مالِك؛ خازن النار: أنه ما ضحك قط، بخلاف رِضْوان الذي خُلِق من فرح وسرور، وكلاهما عبدان صالحان مطيعان ليس بينهما عداوة ولا شحْناء. غير أن الآثار هنا في العالم الأسفل تنبعث عن تلك الحقائق وعندنا أغراضنا قائمة، فيقع[2] بيننا التحاسُد والعداوة، والأصل من ذلك.

---

[1] [التحريم: ٦]

[2] ب: فتقع. ي، ش: بدون النقط.

سفر ادریس علیہ السلام

یہ جگہ اور مرتبے کے اعتبار سے عزت اور رفعت کا سفر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور اِس کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے، آپ صدیق نبی تھے، اور ہم نے آپ کو ایک بلند جگہ پر اٹھالیا﴾ (مریم: ۵۶-۵۷) کہا جاتا ہے کہ آپ بنی آدم میں سے وہ پہلے (شخص) ہیں جنہوں نے قلم[۳۵] سے لکھا، پس قلم اعلیٰ کی پہلی امداد آپ علیہ السلام کو حاصل تھی۔ آپؑ کو ساتویں آسمان تک معراج کروائی گئی لہٰذا سارے آسمان آپ کی رسائی میں ہو گئے۔

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں کو غیبی علوم کی جا بنایا ہے، ان کا تعلق ان موجودات سے ہے جو اللہ اس عالم میں ایجاد کرتا ہے: ان کے جوہر و عرض، ان کے صغیر و کبیر، ان کے احوال اور انتقالات۔ ہر آسمان میں ایک علم ہے جو اُس کے امین کے ہاتھ دیا گیا ہے، اور اللہ نے اِس معاملے کا زمین کی طرف اترنا اُس (آسمان) کے افلاک کی حرکات، اور اُس کے ستاروں کا آٹھویں فلک کی منازل میں داخلے سے رکھا ہے۔ اُس نے اِن سات آسمانوں کے سیاروں کا آپس میں ملاپ، جدائی، اُتار چڑھاؤ مقرر کیا، اور اِن کے اثرات کو مختلف بنایا، اِن میں سے کچھ ایسے بنائے کہ اس کی کسی دوسرے سیارے سے مناسبت ہے اور کچھ ایسے بنائے کہ ان کی دوسرے سیاروں سے کُلّی منافرت ہے۔ وہ اِس طرح کہ جب اُس نے ایک (سیارے) میں کسی دوسرے کے الٹ تاثیر رکھی تو یہ دوری اور منافرت (کا باعث) بنی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ دشمن ہیں۔ یہ سب تو اُن حقائق کے تقاضوں پر ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق کی، اور انہیں اپنے رب کی اطاعت اور تسبیح میں مصروف کیا ﴿یہ اللہ کے حکم میں اُس کی نافرمانی نہیں کرتے﴾ (التحریم: ٦) جیسا کہ مالک؛ داروغہِ جہنم کی تخلیق کے بارے میں آیا ہے کہ وہ کبھی نہیں ہنسا، برخلاف رضوان (یعنی نگران جنت) کہ جس کی تخلیق ہی خوشی اور سرور سے ہوئی ہے، یہ دونوں ہی صالح اور فرمانبردار غلام ہیں، ان کے درمیان آپس میں کوئی بغض اور عداوت نہیں۔ مگر یہاں اِس سفلی عالم

وأمّا عدم المنافرة بين المتناسِبَيْن منها، فهو أن أوجد الواحد على خلاف ما أوجد الآخر، لا على ضدّه. فكل ضد خلاف، وما كل خلاف ضدٌ.[٢٦] فإن وكيل السماء السابعة يُضادّ وكيل السماء السادسة حتى أن ما يعلمه صاحب السماء السادسة، إذا صار وقت الحكم فيه للمَلك الموكَّل به[1] في السماء السابعة أفسد ما أصلحه صاحب السماء السادسة. كما يفعل أيضًا صاحب السادسة[2] إذا أصلح ما يفسده صاحب السابعة. وكل مَلَك ما عنده أنه يفسد[٢٧]، وإنّما نقول[3] في فعله: إنه أصلح من حيث أنه امتثل فيه أمرَ ربّه وأدّى ما أُمِّنَ عليه؛ وهو الأمر الذي ذكر الله أنه أوحى به السماوات فقال – عزّ من قائل –: ﴿وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا﴾[4]

فإذا أَنِسْتَ بهذا القدر وعلمتَ أنه لا يطعن في العقد، وإلا فأيّة فائدة كانت في قول الله – تعالى –: ﴿وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ﴾[5] في ماذا سخّرها؟ في هذا يا أخي[6] وأشباهِهِ! أليس الله قد سخر العالم[7] بعضه لبعض؟ فقال: ﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾[8] ﴿لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾[9] وقال: ﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾[10] فذكر أن في السماء أُمورًا مسخَّرة لنا مثل الأرض، فلا يقدح في عقيدة مسلم كونُه يعلم ما أُوحِيَ في السماء من أمرها، وفيماذا سخر عالَمها؟

---

[1] ف: فيه.

[2] ش: – حتى أن ما يعلمه ... كما يفعل أيضًا صاحب السادسة.

[3] ش، ا، م، غ: وإنما يقول. ي: بدون النقط. ك، ب: وإنّا نقول.

[4] [فصلت: ١٢]

[5] [النحل: ١٢]

[6] ف: سخرها يا أخي في هذا وأشباهه.

[7] ي: كلمة "العالم" مكتوب في الحاشية بغير خط الشيخ. ك (في الحاشية): ليس في خطه العالم؛ ب: العالم، مكتوب في الحاشية وفوقه كلمة صح.

[8] [الأنعام: ١٦٥]

[9] [الزخرف: ٣٢]

[10] [الجاثية: ١٣]

میں اثرات اُنہی (علوی) حقائق سے پھوٹتے ہیں، اور ہم میں تو اغراض بھی قائم ہیں، اس وجہ سے ہمارے درمیان آپس میں حسد اور دشمنی رہتی ہے، جس کی اصل وہیں سے ہے۔

جہاں تک دو مناسبت رکھنے والوں میں عدم منافرت کا ہونا ہے تو وہ اس لیے کہ اُس نے ایک کو دوسرے سے مختلف ایجاد کیا، اُس کے الٹ نہیں۔ ہر اُلٹ مختلف ہوتا ہے لیکن ہر مختلف اُلٹ نہیں ہوتا۔[۳۶] بیشک ساتویں آسمان کا امین، چھٹے آسمان کے امین سے مختلف ہے حتیٰ کہ چھٹے آسمان والا جو جانتا ہے، جب اس بارے میں ساتویں آسمان والے موکل فرشتے کو حکم ہوتا ہے تو وہ اُسے تبدیل کر دیتا ہے جو چھٹے آسمان والے نے کیا ہوتا ہے۔ چھٹے (آسمان) والا بھی اِسی طرح کرتا ہے کہ یہ اُسے تبدیل کرتا ہے جو ساتویں والے نے کیا ہوتا ہے۔ کسی فرشتے کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ اُس نے (کام) بگاڑا بلکہ ہم اُس کے فعل کے بارے میں یہی کہتے ہیں: بیشک اُس نے (کام) درست کیا کیونکہ اُس نے اِس کام میں اپنے رب کے حکم کی پیروی کی اور فرض ادا کیا جو اس کے پاس امانتاً رکھوایا گیا؛ یہ وہی حکم ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ اُس نے آسمانوں میں یہ وحی کیا، اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿اُس نے ہر آسمان میں اس کا معاملہ وحی کیا﴾ (فصلت:۱۲)

اگر تو یہ (بات) سمجھ گیا تو یہ بھی جان گیا کہ یہ عقیدے کی خرابی کا باعث نہیں، اگر ایسی بات ہوتی تو اللہ کے اِس قول میں کیا فائدہ ہوتا: ﴿ستارے اُس کے حکم سے مسخر ہیں﴾ (النحل:۱۲) اُس نے انہیں کس طرح مسخر کیا؟ اے بھائی! اسی طرح اور اس کی مانند۔ کیا اللہ نے بعض عالم کو بعض کے لیے مسخر نہیں کیا؟ اور فرمایا: ﴿اُس نے تم میں سے بعض کے درجات بعض سے بلند کیے﴾ (الانعام:۱۶۵) ﴿تاکہ بعض بعض کا مذاق اڑائیں﴾ (الزخرف:۳۲) اور فرمایا: ﴿اُس نے تمہارے لیے مسخر کیا جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے﴾ (الجاثیہ:۱۳) پس اُس نے بتایا کہ ہمارے لیے زمین کی طرح آسمان میں بھی امور مسخر ہیں، لہٰذا ایک مسلمان کا عقیدہ اِس بات سے داغ دار نہیں ہوتا اگر وہ یہ جانے کہ آسمان میں اُس کا کیا معاملہ وحی کیا گیا؟ یا کس طرح اُس کا عالم مسخر کیا گیا؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ زمین اور آسمان میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتا۔[۳۷] ہم تو ہر وقت اُن اسباب کے پیچھے۔ جو اللہ نے ہمارے لیے نصب کیے اور جن کا ہمیں بتایا۔ اِس رخ سے

ولو كان ذلك لاطّرَدَ في الأرض و[1] السماء. ونحن في كل زمان نهرب إلى الأسباب - التي نصبها الله لنا وعرّفنا بها - على جهة أنها مسخَّرة، لا على أنها فاعلة، نعوذ بالله ﴿لَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾[2] وإنما كفَّر الشارع من اعتقد أن الفعل للكواكب لا لله، أو[3] أن الله يفعل الأشياء بها، هذا هو الكفر والشرك. وأمّا من يراها مسخرة، وأن الله أجراها حكمةً فلا. بل من جهل ما أودع الله فيها، وما أوحى الله فيها من الأمور ورتّب فيها من الحِكَم فقد فاته خيرٌ كثير وعلمٌ كبير. و﴿مَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾[4]

واعلم! أن إدريس - عليه السلام - لما علم أن الله تعالى - بالعلم الذي أوحاه إليه - قد ربط العالم بعضَه ببعضه وسخر بعضَه لبعضه، ورأى أن عالم الأركان مخصوص بالمُولَّدات؛ رأى اجتماعات الكواكب وافتراقها في المنازل، واختلاف الكائنات واختلاف الحركات الفلكية، ورأى السريعة والبطيئة، وعرف أنه مهما جعل سيره وسفره مع البطيء أن السريع يدخل تحت حُكْمه؛ فإن الحركة دورية لا خطّية، فلا بد أن يرجع عليه دور الصغير السريع، فيعلم من مجاورة المتثبِّط فائدة المُسْرع. فلم ير ذلك إلا في السماء السابعة. فأقام عندها ثلاثين سنة، يدور معها في قطع فلك البروج في مركز تدوير وكيلها، وفي الفلك الحامل لفلك التدوير، والفلك الحامل لأفلاك التداوير؛ وهو الذي يدور به فلك البروج. فلما عاين ما أوحى الله في السماء، وعاين أن الكواكب قريبة الاجتماع من برج السرطان، فعلم أنه لا بد أن يكون الله يُنزل ماءً عظيمًا وطوفانًا عامًا لِما تحققه من العلم ومشى في دقائق الفلك، فعلم الجُمل والتفصيل.

[1] ف، غ: + في.
[2] [الجن: ٢٠]
[3] ب، ش، ف، م، غ: و.
[4] [يونس: ٣٢]

بھاگتے ہیں کہ یہ مسخر ہیں، اِس (رخ) سے نہیں کہ یہ فاعل ہیں، اللہ کی پناہ ﴿میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا﴾ (الجن: ۲۰) شارع نے بھی صرف اُسے کافر قرار دیا جو یہ عقیدہ رکھے کہ فعل ستاروں کا ہے اللہ کا نہیں، یا اللہ اِن کی بدولت کام کرتا ہے؛ یہ کفر اور شرک ہے۔ ہاں جو انہیں مسخر جانے، اور یہ کہ اللہ نے انہیں ایک حکمت سے جاری کیا، تو یہ (کفر اور شرک) نہیں۔ بلکہ جو نہیں جانتا کہ اللہ نے ان میں کیا کیا جمع کر رکھا ہے، اللہ نے ان میں کیا کیا (معاملات) وحی کر رکھے ہیں اور اِن میں کیا کیا حکمتیں مرتب کر رکھی ہیں تو ایسا شخص خیر کثیر اور علم کبیر سے محروم ہے۔ ﴿اور حق کے بعد تو صرف گمراہی بچتی ہے﴾ (یونس: ۳۲)

جان لے! جب ادریس علیہ السلام کو - اُس علم سے جو اُن پر اللہ نے وحی کیا - یہ پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نے اِس عالم کے بعض کو دیگر بعض سے جوڑ رکھا ہے اور بعض کو بعض کے لیے مسخر کیا ہے، اور آپ نے دیکھا کہ "عالم ارکان" مولّدات سے مخصوص ہے؛ تو آپ نے منازل میں سیاروں کے اجتماعات اور افتراقات کو دیکھا، کائنات کے اختلاف اور حرکاتِ فلکی کے اختلاف (کا مشاہدہ کیا)، تیز اور آہستہ (حرکات) کو دیکھا، اور جانا کہ جب بھی آپ نے آہستہ کے ساتھ راستہ طے کیا یا سفر کیا تو تیز اِس (آہستہ) کے حکم تلے ہے؛ کیونکہ حرکت دائری (گول) ہے بے خم (یعنی سیدھی) نہیں، اور لازم ہے کہ چھوٹے تیز کا چکر اسی (آہستہ) کی جانب لوٹے۔ پس آپ نے آہستہ کے قرب میں تیز کا فائدہ جانا۔ اور آپ نے یہ سب صرف ساتویں آسمان میں دیکھا، آپ وہاں تیس سال ٹھہرے رہے،[۳۸] اس کے ساتھ گھومتے رہے جب وہ فلک بروج کو قطع کرتے ہوئے اپنے نائب کے مرکز میں گھوم رہا تھا، اور اُس فلک میں جس نے فلک تدویر کو اٹھا رکھا تھا، اور وہ فلک جس نے افلاکِ تداویر کو اٹھار کھا تھا، یہ وہی فلک ہے جس سے فلک بروج گھومتا ہے۔

جب آپ نے آسمان میں اللہ کا وحی کردہ (معاملہ) اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور یہ بھی آنکھوں سے دیکھا کہ سیارے برج سرطان میں اجتماع کے قریب ہیں تو آپ کو پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ لازماً ایک عظیم سیلاب اور عام طوفان نازل کرے گا، کہ آپ نے یہ علم سے متحقق کیا اور فلک کی باریکیوں میں گئے، چنانچہ اختصار اور تفصیل کو جان لیا۔

ثم نزل، فاختصَ من أبناء دينه وشرعه ممن عرف أنّ فيه ذكاءً وفِطنة، فعَلَّمهم ما شاهد، وما أودع الله من الأسرار في هذا العالم العُلوي. وأنه من جملة ما أوحى الله في هذه السماوات؛ أنه يكون طوفانٌ عظيم ويهلك الناس ويُنْسى العلم. وأراد بقاء هذا العلم على من يأتي بعدهم؛ فأمر بنقشها في الصخور والأحجار. ثم رفعه الله المكان العلي، فنزل بفلك الشمس؛ وهو الفلك الرابع وسط الأفلاك السماوية؛ وهو القلب لأن فوقه خمسَ كُوَر وتحته مثل ذلك. فأعطاه الله في هذا السفر - الذي رفعه به وإليه - مقام القُطبية والثبات، وجعل الأمر يدور عليه وعنده يجتمع الصاعد والنازل. ونتج له هذا السفر علم الزمان والدهر وما يكون فيه، وعلم الزمان من أسنى المعارف الموهوبة. ونتج له روحانية الليل والنهار وما سكن فيهما.

فمن سافر إلى عالم قلبه - كما سافر إدريس - عاين الملكوت الأفخم، وتجلّى له الجبروت الأعظم، وعاين سرّ الحياة الذي هو روحها والساري بها في جميع الحيوانات، وفرق بين الروح الكثير والروح القليل، وأعطى كلَّ ذي حقّ حقَّه. وعرف مراتبَ نفوسِه السُفْلية ومراتب أرواحه العُلْوية، وانبعاث الفروع من الأصول وانعطاف الفروع على الأصول، وصورة الكور[1] وحكمة الدور، وما أشبه هذه المعارف. ويكفي هذا القدر من سفر إدريس عليه السلام.

[1] ك، ب، ش، م: الكون.

پھر آپ نیچے اُترے، اپنی ملت و مذہب کے ان بچوں کو چُنا جن میں آپ نے ذہانت اور سمجھداری پائی، انہیں وہ سب سکھایا جس کا مشاہدہ کیا، اور یہ بھی کہ اللہ نے اِس عالم علوی میں کیا کیا راز جمع کر رکھے ہیں۔ دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان آسمانوں میں یہ بھی وحی کر رکھا تھا کہ ایک عظیم طوفان آئے گا، لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور علم بُھلا دیا جائے گا۔ آپ اِس علم کو بعد میں آنے والوں کے لیے باقی رکھنا چاہتے تھے؛ لہٰذا آپ نے اِسے چٹانوں اور پتھروں پر منقش کرنے کا حکم دیا۔ پھر اللہ تعالی نے آپ کو ایک بلند جگہ پر اٹھالیا، اور آپ فلکِ شمس پر جا ٹھہرے؛ یہ آسمانی افلاک کے وسط میں چوتھا فلک ہے؛ یہ (افلاک) کا قلب ہے کیونکہ اِس کے اوپر بھی پانچ چکر ہیں اور نیچے بھی۔ پس اللہ تعالی نے آپ کو اِس سفر میں۔ جس سے اُس نے آپ کو شرف بخشا اور اِس جانب اٹھایا۔ مقام قطبیت اور ثبات عطا کیا، اُس نے معاملے کو آپ کے گرد گھوما کیا، اور آپ کے پاس ہی اوپر جانے والا اور نیچے اترنے والا ملتے ہیں۔ اس سفر نے آپ کو "زمان اور دہر کا علم" دیا اور جو کچھ اس میں پیدا ہوتا ہے، بیشک زمانے کا علم وہب کردہ معارف میں بیش قدر ہے۔[۳۹] (اسی طرح اِس سفر نے) آپ کو رات اور دن کی روحانیت - اور جو کچھ ان میں بستا ہے- کا علم بھی دیا۔

جس کسی نے بھی ادریس علیہ السلام کی طرح اپنے قلب کے عالم کا سفر کیا تو اُس نے ملکوتِ عالی[۴۰] شان کا معاینہ کیا اور جبروتِ اعظم نے اُس پر تجلی کی، اُس نے رازِ حیات کو دیکھا جو کہ (حیات) کی روح ہے اور جو تمام جانداروں میں اِسی سے سرایت کیے ہوئے ہے، اُس نے روحِ کثیر اور روح قلیل[۴۱] کے مابین فرق کیا اور ہر حقدار کو اُس کا حق دیا۔ اُس نے اپنے نفوسِ سُفلی اور اپنی ارواحِ عُلوی کے مراتب کو جانا، فروع کا اصول سے پھوٹنا اور فروع کا اصول کی طرف لوٹنا، گردش کی صورت اور دَور کی حکمت، یا اِس طرز کے دیگر معارف۔ سفر ادریس علیہ السلام میں اتنا کافی ہے۔

سفر النجاة
وهو سفر نوح عليه السلام

لما عرف نوح – عليه السلام – أن القِران الذي قدره الله وأجراه حكمةً[1] قد قرب وقتُه، ورأىٰ أن ذلك يكون في برج السرطان؛ وهو ماوي [= مائي]، وهو البرج الذي خلق الله الدنيا به، وهو منقلب غير ثابت. ولما كان البرج بهذه الصفة وكان[2] طالِع الدنيا به، شاء الحق بفنائها وانقلابها إلىٰ الدار الآخرة مثل طالعها؛ وهو الأسد، برجٌ ثابتٌ، وهذه حكمةُ عليمٍ، فأخذ نوح – عليه السلام – يُنشئ السفينة. ولم تكن آيتُه – صلي الله عليه وسلم – في القِران ولا في الطوفان؛ فإنه ربما أدرك علم ذلك بعضُ أصحابه من العلماء فشورِك فيه. فجُعِل آيتُه التنور. ولو قال بالقِران لكان علمًا لا علامة ولا آية، ولهذا سَخِرَ به قومُه، وربما سخر به أصحابُ علمِ التعاليم من أهل عصره، حتىٰ كان من أمره ما كان. وخلف ابنُه لكونه عملًا غير صالح ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ﴾.[3]

وسافر نوح بأصحابه، وجعل في السفينة ﴿مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾[4] وقال: ﴿ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[5] بعد ما فار التَّنورُ وألْقَتِ الحاملاتُ حمْلَها. فجُمِعَ له في الإهلاك بين المائين: ماء الأرض، وماء السماء. ولم تزل تجري بهم السفينة ﴿فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾ ونوح – عليه السلام – ينادي: ﴿يَا

---

[1] ب: وأجرىٰ حكمه.

[2] ف، غ: فكان.

[3] [هود: ٤٣]

[4] [هود: ٤٠]

[5] [هود: ٤١]

سفر نجات
جو کہ نوح علیہ السلام کا سفر ہے

جب نوح علیہ السلام کو یہ پتا چلا کہ وہ قِران یعنی اجتماعِ سیارگان جو اللہ نے مقرر کر دیا اور جسے حکمت سے جاری کیا اُس کا وقت قریب ہے، اور آپ نے دیکھا کہ یہ بُرجِ سرطان میں واقع ہو گا جو کہ آبی (برج) ہے؛ اِسی غیر مستحکم اور غیر ثابت بُرج سے اللہ نے دنیا تخلیق کی۔ جب بُرج اِس صفت پر تھا اور دنیا کا طالع (یعنی اس میں ہونے والے حوادث کا تعلق) اِسی سے تھا تو حق تعالیٰ نے اِس (دنیا) کو فنا کرنا اور اِسے دارِ آخرت سے بدلنا چاہا، اِس کے طالع کی طرح جو کہ "اسد" ہے، ایک ثابت بُرج۔ [۴۲] یہ اُس بہترین علم والے کی حکمت تھی چنانچہ نوح علیہ السلام نے کشتی بنانا شروع کی۔ آپ علیہ السلام کی نشانی نہ قِران (اجتماعِ سیارگان) میں تھی اور نہ طوفان میں تھی؛ (اگر ایسا ہوتا تو) ہو سکتا تھا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے بعض اہلِ علم اِسے جان جاتے اور اِس علم میں شریک ہو جاتے۔ پس آپ کی نشانی "التنور" (یعنی تندور) بنائی گئی۔ اگر آپ قِران کا کہتے تو یہ علم ہوتا نشانی نہیں، اِسی لیے آپ کی قوم نے آپ کا مذاق اڑایا، اور ہو سکتا ہے کہ اس دور کے علم التعالیم (ماہرین علم فلکیات) نے بھی آپ کا مذاق اڑایا ہو، حتیٰ کہ وہ ہو گیا جو ہونا تھا۔ اور آپ کا بیٹا پیچھے رہ گیا کیونکہ وہ عمل غیر صالح تھا ﴿لہٰذا وہ ڈوبنے والوں میں سے ہوا﴾ (ہود: ۴۳)

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر (شروع) کیا اور کشتی میں ﴿ہر نسل کا ایک جوڑا﴾ (ہود: ۴۰) رکھ لیا، اور فرمایا: ﴿اس میں سوار ہو جاؤ کہ اللہ کے نام سے اِس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے﴾ (ھود: ۴۱) بعد اِس کے کہ تندور اُبل پڑا اور بادل برس پڑے۔ اِس تباہی میں آپ کے لیے دو پانی جمع کیے گئے؛ ایک زمین کا پانی اور دوسرا آسمان کا پانی۔ وہ کشتی انہیں لیے موجوں میں پہاڑ کی مانند چل رہی تھی، اور نوح علیہ السلام پکار رہے تھے: ﴿اے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ﴾ (ھود: ۴۲) جبکہ بیٹا چیخ رہا تھا: ﴿میں کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا﴾ (ھود: ۴۳) جبکہ نوح علیہ السلام فرما رہے تھے: ﴿آج اللہ کے

بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا﴾[1] والابن ينادي: ﴿سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ﴾ ونوح - عليه السلام - يقول: ﴿لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ﴾[2] وهم أهل السفينة؛ فإن دعاءه: ﴿لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾[3] سبقتْ وأُجيبَتْ. فغرِقَ من آوىٰ إلى الجبل وكلّ من لم يكن في السفينة. ثم جاء النداء من الغيب، من الهو،[4] فإنه لم يذكر المنادي نفسه فيه، وجاء بالقول دون النداء للقرب.[٢٨] فبلعت الأرضُ ماءها وأقلعت السماءُ وانتقص الماء واستوت سفينة النجاة على الجوديّ؛ إشارةً إلى الجود الإلهي. وقال هذا القول من هذا المقام: ﴿بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾[5] وهم الذين سخِروا.

فاعلم! أن الله عز وجل - أيّها السرَّ اللطيف الذي أقامه الحق في هذه المنزلة[6]، منزلة نبيّه نوح عليه السلام - قد سوّىٰ سفينتك وصنعها بيديه ووحيه، وكانت عند وحيه بعينه؛ يعني محفوظة بحيث أراها بقول[7] الله[8].[٢٩] فمن أنت حتىٰ ينزل الحق لك هذا النزول ولا سيّما من مقام الأنانية.[9] ثم إن نفسك الأمارة بالسوء وشيطانك ودنياك وهواك لم يزالوا يسخَرون بك ما دُمْتَ تنشئ هذه السفينة؛ نشأة النجاة. والتنّور محل النار إلى جانبك، تقول[10] لهم: منه يخرج الماء. وهم قد تحقّقوا أن المقابل من جميع الوجوه لا يستحيل لمقابله أصلًا، فسخروا وقالوا: إنك ناقص العقل. فما

---

[1] [هود: ٤٢]

[2] [هود: ٤٣]

[3] [نوح: ٢٦]

[4] ب، غ: الهواء. ش، م: الهوىٰ.

[5] [هود: ٤٤]

[6] ب: المنزل.

[7] ك، م: يقول. بدون النقط: ف، ا.

[8] ش، ف، م، ا، غ: + تعالىٰ.

[9] ش، م: الانابة.

[10] ش، غ: يقول.

حکم سے کوئی پناہ دینے والا نہیں مگر جن پر وہ رحم کرے﴾ (ھود: ۴۳) اور یہ کشتی والے ہی تھے، کیونکہ آپ علیہ السلام کی دعا: ﴿(اے رب!) زمین پر کوئی کافر نہ چھوڑ﴾ (نوح: ۲۶) اس سے پہلے مانگی اور قبول کی جا چکی تھی۔ لہٰذا ہر وہ شخص جس نے پہاڑ کی پناہ لی یا جو کشتی میں سوار نہ ہوا ڈوب گیا۔ پھر غیب سے آواز آئی یعنی الھو سے، کہ اِس ندا میں منادی نے اپنا ذکر نہیں کیا، بلکہ قربت کے باعث پکارنے کی بجائے بات کی۔ [۴۳] پس زمین اپنا پانی نگل گئی اور آسمان تھم گیا، پانی اتر گیا اور سفینۂ نجات جودی پر جا ٹھہری؛ یہ جودِ الٰہی کی طرف اشارہ تھا۔ اور اِس مقام پر اُس نے یہ کہا: ﴿ظالمین کی قوم دُور ہوئی﴾ (ھود: ۴۴) یہ وہی لوگ تھے جو مذاق کرتے تھے۔

جان لے! - اے لطیف راز جسے حق تعالیٰ نے اس منزلت میں قائم کیا، اپنے نبی نوح علیہ السلام کی منزلت میں - اللہ تعالیٰ نے تیری کشتی کو اپنی وحی اور اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اور برابر کیا، اور وحی کے وقت یہ اُس کی آنکھوں کے سامنے تھی؛ یعنی محفوظ تھی کہ اللہ نے اِسے اپنے قول سے مقید کیا۔ [۴۴] تیری کیا حیثیت کہ حق تیرے لیے اس طرح نزول فرمائے، اور وہ بھی خاص "مقامِ انانیہ" سے۔ بیشک تیرا نفس اَمارہ، تیرا شیطان، تیری دنیا اور تیری خواہش اُس وقت تک تیرا مذاق اڑاتے ہیں جب تک تو نشأۃِ نجات والی یہ کشتی بنا رہا ہے۔ تندور تیرے پہلو میں آگ کی جگہ ہے، تو اُن سے کہتا ہے: یہاں سے پانی نکلے گا۔ جبکہ انہیں اِس بات کا یقین ہے کہ تمام رخوں سے الٹ شے اپنی الٹ میں تبدیل نہیں ہو سکتی، پس انہوں نے تمسخر کیا اور کہا: تو کم عقل ہے۔ انہوں نے آگ اور پانی کی جگہ کے درمیان فرق نہ کیا، یہ اِن کا عالم کے جوہر اور اُس کی صورتوں کا نہ جاننا تھا۔ اگر وہ جانتے کہ آگ جوہر میں ایک صورت ہے اور پانی بھی جوہر میں ایک صورت ہے تو کبھی تمسخر نہ کرتے، بلکہ انہوں نے تو یہ گمان کیا کہ پانی بھی جوہر ہے اور آگ بھی جوہر ہے، اور یہ دونوں ایک دوسرے کے الٹ ہیں، لہٰذا آپ کی بات کو ناممکن جانا اور آپ کا مذاق اڑایا۔ تُو اپنی کشتی بنانے میں مصروف ہے؛ اپنی نجات اور استعداد کی کشتی جو تُو اللہ کے حکم سے اللہ کے حکم کے لیے بنا رہا ہے، اور یہ "انا" (تیری ذات) ہے۔ ان مذاق اڑانے والوں سے کہہ دے: وہ جس چیز میں ہلاک ہوئے تو وہ اُسی کے ہیں جس میں ہلاک ہوئے اب وہ کبھی اِس سے نکل نہیں سکتے، اور یہ (ہلاکت) بڑھتی ہی جائے گی۔

فرّقوا بين محل النار والماء، وذلك لجهلهم بجوهر العالم وصُوَره. فلو علموا أن النار صورة في الجوهر والماء أيضًا صورة في الجوهر لمّا سخروا، وإنما تخيّلوا أن الماء جوهر وأن النار جوهر، ثم تقابلا تقابُلًا، فأحالوا ما قال وسخروا منه. وأنت مشتغل بإنشاء سفينتك، أي سفينة نجاتك واستعدادك لأمر الله عن أمر الله، وهو الأنا. فقل للساخرين: إنهم إن هلكوا في شيء، فهم لما هلكوا فيه لا يخرجون منه أبدًا وزيادة.

فاركبْ في سفينتك بالباء التي هي اسم الله، وأقِمْ ألف التوحيد بين الباء وسين [مثل] باسم،[٣٠] فإنك لا ترىٰ في هذه الرحمن الرحيم. فنحن نتخلّف عن سفينتك، فإنّ جريانها بالباء؛ وهي الحافظة،[١] وبالباء مرساها بساحل الجود الإلهي؛ فإن بالجود ظهر الوجود، فظهر بالجُوديّ ما كان في السفينة. والْقِ في سفينتك ﴿مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ للتوالد والتناسل؛ فإن بضرب العالم العُلوي في العالم السُّفْلي تتكوَّنُ أنت والمولَّدات كلها، فلابد من تحصيل الزوجين في هذا السفر فإنه سفر هلاك.

ولما كان الماء يماثل العلم في كون الحياة عنهما حِسًا ومعنىً، لهذا أُهلكوا بالماء لِرَدِّهم العلمَ، وكان من التنّور لأنهم ما كفروا إلا بهاء التنّور؛ وما ردّوا إلا العلم الذي شافههم به علىٰ لسان تنّور جسمه، وما علموا أنه مترجِم عن معناه؛ الذي هو النور المطلق. فانحجبوا بهاء التنّور عن التنّور، وما علموا أنه النور دخلت عليه تاء تمام النشأة بوجود الجسم[٢] فعاد تَنُّورًا؛ أي نورًا تامَّ المُلك، فهو نور التاء ومَظْهَرُه.

وأما إحالة[٣] الاستحالة فصحِبَهم فيها جهلٌ، وذلك لو نظروا إلىٰ التنّور لرأوْه يُنْبع الماء، وليس بينهما تقابُلٌ من جميع الوجوه، فإن البرودة جامعة. فقد جهلوا سرّ الله في الطبيعة وسر الله في اختصاص التنور فهلكوا. وما هلك كل من شافهه بالخطاب إلا بهاء التنور خاصة؛ لأنهم ما رَدُّوا سواه. وسائر العالم، إنما هلك بهاء

---

[١] ك، ب: الخافضة.

[٢] ش، م، ا: الجيم.

[٣] ش: حالة.

اپنی کشتی پر اُس "ب" سے سوار ہو جو کہ اسم اللہ ہے، اور "ب" اور "س" کے درمیان توحید کا الف قائم کر (مثلاً) "باسم" کیونکہ تو اِس میں "الرحمٰن الرحیم" نہیں دیکھے گا۔[۴۵] ہم تیری کشتی میں شامل نہیں، کیونکہ اِس کا چلنا "ب" سے ہے؛ جو حفاظت کرنے والا ہے، اور "ب" سے ہی اِس کا سخاوت الٰہی کے ساحل پر ٹھہرنا ہے؛ کیونکہ وجود جود (یعنی سخاوت) سے ظاہر ہوا اور جُودی (پہاڑ) پر وہ ظاہر ہوا جو کشتی میں تھا۔ اپنی کشتی میں توالد اور تناسل کے لیے ہر صنف میں سے ایک جوڑا رکھ لے؛ کیونکہ عالم علوی کو عالم سفلی سے ضرب دینے پر تُو اور تمام مولدات وجود پذیر ہوتے ہیں، لہذا اِس سفر میں جوڑوں کا ہونا لازم ہے کیونکہ یہ سفر ہلاکت ہے۔

چونکہ پانی علم کے مماثل ہے کہ حسی اور معنوی زندگی کا دار و مدار انہی دونوں پر ہے،[۴۶] اسی لیے وہ پانی سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے علم کا رد کیا۔ اور یہ (پانی) تندور میں سے نکلا کیونکہ انہوں نے تندور کے پانی کا انکار کیا، انہوں نے اُس علم کا انکار کیا جو ان تک جسمانی تندور کی زبانی پہنچا، اور وہ یہ نہ جان پائے کہ یہ تو اُس معنی کا مترجم ہے جسے نورِ مطلق کہا جاتا ہے، پس تندور کے پانی کی وجہ سے وہ التنور (یعنی نور مطلق) سے محجوب ہو گئے، اور یہ نہ جان پائے کہ یہ تو "وہ نور" ہی ہے جس پر جسم کے وجود سے تکمیل نشأۃ کی "ت" کا اضافہ ہوا ہے اور یہ "تنّور" بن گیا؛ یعنی ایسا نور جو کامل قوت اور اقتدار والا ہے، پس یہ "ت" کا نور اور اُس کا مظہر ہے۔

جہاں تک تبدیلی کے ناممکن ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں یہ نرے جاہل تھے، وہ اس طرح کہ اگر وہ اسے تندور "یعنی نور مطلق" دیکھتے تو اسے پانی کا چشمہ دیکھتے، ان دونوں (یعنی نور مطلق اور پانی) کے درمیان تمام رُخوں سے تضاد نہیں، کہ ٹھنڈک (ان دونوں) میں جامع ہے۔ مگر وہ طبیعہ میں اللہ کے راز اور تندور کو مخصوص کرنے کے راز سے جاہل رہے سو ہلاک ہوئے۔ اسی طرح ہر وہ جس سے آپ نے روبرو کلام کیا وہ خاص "تندور" کے پانی سے ہلاک ہوا؛ کیونکہ انہوں نے اِسی (پانی) کا رد کیا تھا۔ جبکہ تمام عالم، تندور کے پانی اور آسمان کے پانی سے ہلاک ہوا۔ جہاں تک آسمان کے پانی کا تعلق ہے تو یہ گھومنے والی چرخی کا پانی ہے، یہ انبیق زمہریر[۴۷] میں قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے، اور وہیں لوٹ جاتا ہے جہاں سے چلا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزو جل کا ہلاک کرنا تو آگ سے ہی ہے مگر یہاں رسالت کا واسطہ ہے، لہٰذا اُس نے آگ کو پانی میں

التنور وماء السماء. فأما ماء السماء فهو ماء الدولاب الدائر، فإنه يُقَطَّر[1] في إنْبيق الزمهرير، وأنه عاد إلى ما منه انتشاء. وإهلاك الله - عز وجل - بالنار لكن هنا واسطة الرسالة، فأَدْرَجَ النار في الماء لما لم يُكْشَفْ عن الساق. فأخرج النارُ الرطوبات والبخارات وأخذ عُلُوًا، وقد عاد النارُ بُخارًا فأخذ في الجو أخذ الدولاب إذ أخرج من الماء، فما زال يصعد حتى يبلُغَ[2] دائرة الزمهرير، فتقاطر مطرًا بتقدير العزيز العليم. فليست إلا دوائر التقدير في كُرَة الإنشاء، لا تزال أبدًا في الدنيا ولا في الآخرة.

فنتج هذا السفر وقف الحكمة الإلهية مع القدرة النافذة في التناسل على الزوجين. ونتج له أن الإلهية إذا لم تكن علوية فليست بصحيحة النسب، ونتج له أن الجود عليه تكون النجاة. ألا ترى أن موسى - عليه السلام - لما أراد أن يدعو على قومه بالهلاك دعا عليهم بالبخل، فلما بخلوا هلكوا. وتبيَّن أن كل كون في العالم لابد أن يتوجه عليه القول، فتارة بغيب الغيب إذا جاء القول على بناء ما لم يُسمَّ فاعلُه مثل: ﴿وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ﴾[3] ﴿وقِيْلَ بُعْدًا ... وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ﴾[4] وتارة بالإنّا كقوله: ﴿إذْ قلنا﴾ وتارة بالألوهية مثل: ﴿قال الله﴾ وتارة بالربوبية مثل: ﴿قال ربك﴾ فكل قول بحسب الاسم الذي يُضاف إليه.

فمن سافر سفر نوح فإنه سيعرف من العلوم البرزخية والكونية شيئًا. وفي هذا السفر تُتَعلَّم الصنعةُ، ولهذا آخِرُها الجود؛ فإنها من أجل الجود وُجِدَتْ. ويكفي هذا القدر من سفر نوح - عليه السلام - فإن سرَّه يطول.

---

[1] ب: يَقّطُر. غ: مقطر.
[2] ش، م، ا، غ: بلغ.
[3] [الفجر: ٢٣]
[4] [هود: ٤٤]

رکھا کہ ابھی معاملہ کھولا نہ گیا۔ پھر آگ نے (پانی میں سے) رطوبات اور بخارات کو باہر نکالا اور یہ اوپر کو اٹھے، یہ آگ بھاپ بنی پھر یہ بھاپ فضا میں ویسے بلند ہوئی جیسے کہ رہٹ کا چکر پانی سے نکلتے وقت پانی اٹھالیتا ہے، یہ بخارات اوپر کو اٹھتے گئے حتیٰ کہ یہ "دائرۂ زمہریر" تک پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر یہ عزت والے اور علم والے کے اندازے کے مطابق پانی بن کر ٹپک پڑے۔ لہذا کرۂ تخلیق میں صرف مقداروں کے دائرے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اِس سفر سے پتا چلا کہ قدرت نافذہ کے ہوتے ہوئے بھی حکمتِ الٰہیہ جوڑوں کے تناسل پر موقوف ہے۔ اور آپ کو یہ پتا چلا کہ اگر الٰہیت علوی (یعنی اوپر سے نیچے کی طرف آنے والی) نہیں تو یہ درست نسبتوں والی نہیں، اور معلوم ہوا کہ نجات کا دارومدار جود (یعنی سخاوت) پر ہے۔ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہلاکت کی بد دعا دینی چاہی تو ان کو بخل کی بد دعا دی، اور جب انہوں نے بخل کیا تو وہ ہلاک ہوئے۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ اس عالم کے ہر وجود کی طرف قول توجہ کرتا ہے، بعض اوقات "غیب الغیب" سے، جب قول مجہول آئے اور فاعل کا نام نہ لیا جائے مثلاً: ﴿اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی﴾ (الفجر: ۲۳) ﴿اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں کے لیے ہلاکت﴾ (ہود: ۴۴) ﴿اور کہا گیا: اے زمین اپنا پانی نگل جا﴾ (ہود: ۴۴) اور کبھی "اِنّا" یعنی ہم کے صیغے سے جیسا کہ اس کا فرمانا: ﴿جب ہم نے کہا﴾ اور کبھی الوہیت سے، مثلاً: ﴿اللہ نے فرمایا﴾ اور کبھی ربوبیت سے، مثلاً: ﴿تیرے رب نے فرمایا﴾ چنانچہ ہر قول اُسی اسم کے حساب سے ہے جس کی طرف اِس کی اضافت کی گئی۔

جو حضرت نوح والا سفر کرتا ہے تو وہ لازماً برزخی اور کائناتی علوم میں سے کچھ نہ کچھ جانے گا۔ اِسی سفر میں صنعت سکھائی جاتی ہے، اِسی لیے اِس کا اختتام جُود پر ہے؛ کیونکہ یہ جود کی خاطر ہی ایجاد پذیر ہوئی۔ سفر نوح میں اِس قدر (سیاحت) کافی ہے کیونکہ اس کا راز طویل ہے۔

سفر الهداية
وهو سفر إبراهيم الخليل عليه السلام

﴿إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾[1] فأضافه بفِداء ابنه لما نزل عليه؛ لأن اللذة إنما تعظُم على قدر الغُصّة. ثم إنه لما بُشِّرَ بإجابة دعائه في قوله: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾[2] ابتُلِيَ فيما بُشِّرَ به؛ لأنه سأل من الله سواه، والله غيور، فابتلاه بذبحه؛ وهو أشدّ عليه من ابتلائه بنفسه. وذلك أنه ليس له في نفسه منازعٌ سوى نفسه، فبأدنى خاطر يردّها فيقلّ جهاده. وابتلاؤه بذبح ابنه ليس كذلك لكثرة المنازعين فيه، فيكون جهاده أقوى. ولما ابتُلِيَ بذبح ما سأله من ربه وتحقق نِسب[3] الابتلاء، وصار بحكم الواقعة كأنّه[4] قد ذُبح، وإن كان حيًّا، بُشِّرَ بإسحاق – عليهم[5] السلام – من غير[6] سؤال. فجمع له بين الفداء وبين البدل مع بقاء المبدَل منه.[31] فجمع له بين الكسب والوهب، فالذبح مكسوب من جهة السؤال موهوب من جهة الفداء؛ فإن فداءه لم يكن مسؤولًا، وإسحاق موهوب. ولما كان إسماعيل قد جُمِعَ له بين الكسب والوهب في العطاء فكان مكسوبًا موهوبًا لأبيه. فكانت حقيقته تامة كاملة، لذلك كان محمد – صلى الله عليه وسلم – في صلبه، بل لكون محمد – صلى الله عليه وسلم – في صلبه صح الكمال والتمام لإسماعيل. فكانت في شريعتنا ضحايانا فداءً لنا من النار.

---

[1] [الصافات: ٩٩]

[2] [الصافات: ١٠٠]

[3] ش، م، ا: بسبب. ف، غ: نسبة.

[4] م: كان.

[5] ش، ب، ف، م، ا، غ: عليه.

[6] ش، ا: -من غير؛ + بغير.

سفر ہدایت
جو کہ ابراہیم الخلیل علیہ السلام کا سفر ہے

﴿میں اپنے رب کی طرف جارہا ہوں وہ مجھے ہدایت دے گا﴾ (الصفات:۹۹) جب آپ رب کے مہمان بنے تو اُس نے آپ کے بیٹے کے فدیے سے آپ کی ضیافت کی،[۴۸] کیونکہ جس قدر درد بڑھتا ہے اتنی ہی لذت بڑھتی جاتی ہے۔ پھر جب آپ علیہ السلام کو آپ کے اِس قول: ﴿اے رب! مجھے صالحین میں سے (اولاد) دے﴾ (الصفات: ۱۰۰) کے جواب میں قبولیت کی بشارت دی گئی تو آپ اُسی سے آزمائے گئے جس کی بشارت دی گئی؛ کیونکہ آپ نے اللہ سے اُس کا غیر مانگا، اور اللہ غیور ہے، سو اُس نے آپ کو اِسی (بیٹے) کے ذبح کرنے سے آزمایا، اور یہ (آزمائش) آپ پر آپ کے نفس کی آزمائش سے سخت تھی۔ وہ اِس طرح کہ آزمائش نفس میں آپ کا مخالف صرف آپ کا نفس ہی ہوتا جسے آپ ایک ادنیٰ خاطر سے رد کر سکتے تھے اور اِس میں آپ کی کوشش بھی کم تھی۔ جبکہ آپ کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے سے آزمایا جانا ایسا نہ تھا کہ اِس میں مخالفت کرنے والے عوامل بہت زیادہ تھے سو اِس میں آپ کو بہت جد و جہد کرنی پڑتی۔ لہذا جب آپ اسی (بیٹے) کے ذبح کرنے سے آزمائے گئے جو آپ نے اپنے رب سے مانگا، اور آزمائش کی نسبت[۴۹] کو متحقق کیا تو اِس واقعے کے حکم سے آپ پر ایسی گزری جیسا کہ آپ کو ذبح کر دیا گیا ہو حالانکہ آپ زندہ تھے، (اُس وقت) آپ علیہ السلام کو بغیر کسی سوال کے اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی گئی۔[۵۰] یوں آپ کے لیے فدیہ (یعنی مینڈھا) اور اُس کا بدل (یعنی اسحاق علیہ السلام) جمع کر دیا گیا اور ساتھ میں "مبدل منہ" (یعنی اسماعیل علیہ السلام) کو بھی باقی رہنے دیا گیا، یوں آپ کے لیے کسب اور وہب کو جمع کر دیا گیا، پس ذبح (یعنی اسماعیل علیہ السلام) سوال کی جہت سے مکسوب جبکہ فدیے کی جہت سے موہوب ہیں؛ کیونکہ اِس فدیے کا سوال نہیں کیا گیا، جبکہ اسحاق علیہ السلام موہوب ہیں۔ چونکہ اسماعیل علیہ السلام کے لیے عطا میں کسب اور وہب کو جمع کیا گیا تو آپ اپنے والد کے لیے مکسوب اور موہوب تھے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کی حقیقت مکمل اور کامل تھی، اسی لیے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فمن طلب سفر الهداية من الله فليتحقَّق عالم خياله؛ فإن الحقائق لابد أن تنزل عليه فيه. وهو مَنزل صعب؛ لأنه مَعْبَر ليس مطلوبًا لنفسه، وإنما هو مطلوب لما نُصِبَ له، ولا يَعْبُره[1] الأرجل[2]. ولهذا سُمِّيَ تأويل الرؤيا عبارة؛[٣٢] لأن المفسِر[3] يعبر منها إلى ما جاءت له، كما[4] عبر النبي – صلى الله عليه وسلم – من القيد إلى الثبات في الدين، ومن اللبن إلى العلم، فإذا وصل وجد. فلو عبر الخليل – عليه السلام – من ابنه إلى الكبش لرأى الفداء قبل حصوله، وكان يمتثل الأمر فارغ القلب لمعرفته بالمآل،[٣٣] ولكن ظلمة الطلب، والسؤال من ربه غيرَ ربِّه منعه من العبور؛ لأن الظلمة يتعذر العبور فيها؛ لأنه لا يدري أين يضع قدمه. ولم تكن أيضًا تحصل له تلك اللذة التي حصلت له، ولا ذاك الامتنان الإلهي المشهود. وكان الفداء بالحَمَل الذي هو بيت شرف الوسط وروح العالم؛ لأنه أشرف البيوت. فكان بدلًا من جسده لا من روحه، لاشتراكهما في النسبة؛ فإن الذبح لا يقع إلا في الجسم، والهدم والخراب لا يقع إلا في البيوت.

فإذا سافر الإنسان في عالم خياله جازه إلى عالم الحقائق، فرأى الأشياء على ما هي عليه، وحصل له الوهب المطلق الذي لا يتقيَّد بكسب، وصار يأكل من فوقه بعد ما كان يأكل من تحت رِجْله. ولما كان الوهب يُبْقِيك بخلاف المشاهدة كان سَحْقًا، ولم يكن مَحْقًا؛ فإن المسحوق مُفَرَّق[5] الأجزاء، فهو أبعد من حال المحق. ولو لا ما

---

[1] ش: يغيره.
[2] ك، ب: إلّا رجل.
[3] ب: المعبر. ك: التفسير.
[4] ش، ا، م: – كما.
[5] ش: مفرد.

آپ علیہ السلام کی صلب (مبارک) میں تھے، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ کی صلب (مبارک) میں ہونے کی وجہ سے ہی اسماعیل علیہ السلام کے لیے یہ تمام و کمال درست ٹھہرا۔ ہماری شریعت میں ہماری قربانیاں ہیں جو ہمارے لیے آگ سے نجات کا فدیہ ہیں۔

جس نے اللہ سے سفر ہدایت مانگا اُسے چاہیے کہ (پہلے) اپنے عالم خیال کی تحقیق کرے؛ کہ اسی عالم میں لازماً اُس پر حقائق کا نزول ہو گا۔ یہ ایک مشکل منزل ہے کیونکہ یہ راہگزر ہے جو اپنے لیے مطلوب نہیں، بلکہ مطلوب وہ ہے جس کے لیے یہ نصب کی گئی، اور کوئی اِسے مقید کسب سے پار نہیں کر سکتا۔ اِسی لیے خواب کی تعبیر کو بھی عبارۃ (یعنی عبور کرنا)[۵۱] کہتے ہیں؛ کیونکہ تعبیر کرنے والا اِسے پار کر کے اُس چیز تک پہنچتا ہے جس کے لیے یہ (تعبیر) نصب کی گئی، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیڑی یا زنجیر کو دین میں ثبات اور دودھ کو علم سے تعبیر کیا، سو جب وہ (شخص یہاں) پہنچا اُس نے (ویسا ہی) پایا۔ اگر حضرت خلیل علیہ السلام بھی اپنے بیٹے کی تعبیر مینڈھے سے کرتے تو آپ یہ فدیہ اِس کے حصول سے قبل ہی دیکھ لیتے، اور اطمینان قلب سے اس حکم کی تعمیل کرتے کہ آپ کو اِس کا مآل معلوم ہوتا،[۵۲] لیکن ظلمت طلب، اور اپنے رب سے اُس کے غیر کے سوال نے آپ کو اِس تعبیر سے روکے رکھا؛ کیونکہ ظلمت (یعنی اندھیرے) میں چلنا مشکل ہوتا ہے، چلنے والا نہیں جانتا کہ وہ اپنا قدم کہاں رکھے گا؟ نہ اُسے وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو اُسے پہلے حاصل تھی، اور نہ ہی وہ پہلے والا خدائی احسان مشہود (پاتا ہے۔) یہ فدیہ (برج) حمل[۵۳] میں ہوا جو کہ درمیانی شرف والا گھر اور روحِ عالم ہے؛ کیونکہ یہ بہترین گھروں میں سے ہے۔ وہ آپ کے جسم کا بدل تھا، نہ کہ آپ کی روح کا کہ نسبت میں ان دونوں کا اشتراک ہے؛ بیشک ذبح کا اطلاق صرف جسم پر ہوتا ہے، اور تباہی اور بربادی صرف گھروں میں آتی ہے۔

جب انسان اپنے خیال کے عالم میں سفر کرتا ہے تو یہ اُسے عالم حقائق تک پہنچا دیتا ہے، جہاں وہ چیزوں کو ویسا دیکھتا ہے کہ جیسی وہ در حقیقت ہیں، یہاں اُسے وہ وہبِ مطلق حاصل ہوتا ہے جو کسب سے مقید نہیں ہوتا، اور وہ اپنے اوپر سے کھاتا ہے جبکہ پہلے وہ اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتا تھا۔[۵۴] چونکہ وہب مشاہدے کے برخلاف تجھے بقا بخشتا ہے تو یہ سَحق[۵۵] (یعنی پیسنا یا کوٹنا) ہے، مَحق[۵۶] (یعنی مٹانا یا فنا کرنا) نہیں؛ کیونکہ مسحوق اجزاء کا علیحدہ علیحدہ ہونا ہے، اور یہ حالِ محق

علّق السؤالَ أولًا بقوله: ﴿هَبْ لي من الصالحين﴾ لكانت البُشْرىٰ بالمشاهدة لا بإسحاق. فأسحَقَ إسحاقُ[1] السائلَ بسؤاله الكون عن محق العين، أي أبعده. فكانت[2] إشارة إلىٰ مقام البُعد المحال. فإن الأمور الإلهية لا تتنزل أبدًا إلا بحسب الاستعداد، والمحل هنا غيرُ متجرّد إليه، فكيف يَهَبُه العينَ وهو غير قابل، والواهب عليم حكيم، والوقت قاضٍ، والابن من عالم التبديد.[3]

[1] ش، ا، م: – إسحاق.
[2] ف، غ: وكانت.
[3] ش، م: التبدّد. ا: التبدل.

سے بہت دور ہے۔ اگر آپ (ابراہیم علیہ السلام) پہلے ہی اپنی طلب کو اِس قول سے کہ ﴿مجھے صالحین میں سے (اولاد) دے﴾ (الصافات: ۱۰۰) نہ جوڑتے تو بشارت مشاہدے (فنا ہونے) کی ہوتی[1] اسحاق (یعنی کوٹنے اور پیسنے)[2] کی نہیں۔ پس سحق کی طلب نے اِس سائل کو کوٹ ڈالا جس نے محق العین (یعنی عین فنا ہو جانے) کو چھوڑ کر وجود کا سوال کیا؛ (کوٹ ڈالا) یعنی اُسے دور کر دیا۔[۵۷] لہٰذا یہ محال دوری والے مقام کی طرف اشارہ تھا۔ بیشک امور الٰہیہ کا نزول ہمیشہ استعداد کے مطابق ہے، جبکہ یہاں محل (یعنی ابراہیم علیہ السلام) سب کچھ بھلا کر اُس کی طرف متوجہ نہیں، سو وہ آپ کو کیسے عین عطا کرے جبکہ آپ قبول ہی نہیں کر رہے، دینے والا تو علیم اور حکیم ہے، وقت فیصلہ کرتا ہے اور بیٹا عالم التبدید سے ہے۔[3]

---

1 اگر بشارت مشاہدے سے ہوتی تو یہ محق کی طرف اشارہ ہے۔

2 یہاں اسحاق کو وہب اور عطا سے عبارت کیا گیا ہے یعنی آپ نے جب عربی لفظ "ھب" سے دعا مانگی تو لفظ ھب کا جواب وہب اور عطا تھا۔ اور یہ سحق کی طرف اشارہ ہے جو کہ مقام فنا سے بہت دور ہے کیونکہ فنا تو مشاہدے میں ہے، وہب اور عطا میں نہیں۔

3 یعنی وہ اپنے وقت کو صرف کرتا ہے۔

سفر الإقبال وعدم الالتفات

وهو سفر لوط إلىٰ إبراهيم الخليل - عليهما السلام - واجتماعه به في اليقين. الخبر المروي في ذلك معلوم محفوظ عند العلماء، وروحه فينا هو المطلوب لنا في الاعتبار.

اعلم! أن اسم لوط - أعني هذه اللفظة - اسم شريف جليل القدر؛ لأنه يعطي اللصوق بالحضرة الإلهية. ولهذا قال: ﴿أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ﴾[1] يريد القبيلة، لأني لا أستطيع الانتقال من الركن الإلهي إلىٰ الركن الكوني. وقد شهد له رسول الله - صلىٰ الله عليه وسلم - بذلك فقال: «يرحم الله أخي لوطًا لقد كان يأوي إلىٰ ركن شديد». فنِعْمَ الشاهدُ والمشهودُ له. فلاستِنَاده إليه ولصوقِه به في علم الله سُمِّيَ لوطًا، لم يُضَفْ إلىٰ غيره. وجعل له السُّرَىٰ؛ لأنه سفرٌ في الغيب، إذ لفظ السرىٰ لا يُطلَق إلا علىٰ سير الليل، ففي الاعتبار لا في التفسير قيل له: ﴿أَسْرِ بِأَهْلِكَ﴾[2] أي بجميع ذاتك، فشاهد الحقائقَ كلها ﴿إلا امْرَأَتَك﴾ فاعتبرْناها فينا الأمرَ بترك نفسه الأمّارة بالسوء التي لا حظَّ لها في المعارج العُلىٰ المعنوية. وسار إلىٰ اليقين، وهو موضع معروف سُمِّي بهذا الاسم، وفيه كان ينتظره إبراهيم الخليل - عليه السلام - لأنه موطنه. ولهذا قال - عليه الصلاة والسلام -: «نحن أولىٰ بالشك من إبراهيم» لعلمه بأن إبراهيم الخليل في اليقين. فحصل ذلك المقام للنبي لوط - عليه السلام - وفي الصبح جاء اليقين له؛ لأنه طلوع الشمس وكشف الأشياء عينًا بعد ما كانت غيبًا، فأعطت اليقين بلا شك ولا ريب.

---

[1] [هود: ٨٠]

[2] [هود: ٨١]

اقبال اور عدم التفات کا سفر

یہ حضرت لوط کا حضرت ابراہیم الخلیل کے پاس جانے اور مقام یقین میں ملنے کا سفر ہے۔ اِس بارے میں مروی خبر علما کو معلوم اور اُن کے پاس محفوظ ہے، اور ہم میں اس کا گوہر ہی ہمارے لیے غور طلب ہے۔

جان لے! بے شک اسم لوط – میرا مطلب ہے یہ لفظ – ایک شریف اور جلیل القدر اسم ہے؛ کیونکہ اس کی عطا حاضرتِ الٰہیہ سے چسپیدہ ہونا ہے۔ اِسی لیے آپ نے کہا: ﴿یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ میں ہوتا﴾ (ہود: ۸۰) یہاں آپ کی مراد قبیلہ تھی، کیونکہ میں خدائی سہارے کے بعد مخلوقی سہارے کی طرف نہیں جاسکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی آپ کے لیے اس (بات) کی گواہی دی فرمایا: "اللہ میرے بھائی لوط پر رحم فرمائے کہ وہ مضبوط سہارے کی پناہ میں جانا چاہتے تھے۔"[۵۸] پس گواہی دینے والا اور جس کے لیے گواہی دی جارہی ہے دونوں ہی کیا خوب ہیں۔ آپ علیہ السلام کا اُس (ذات) پر بھروسا کرنا اور علم اللہ میں اُسی کے ساتھ چسپیدہ ہونا لوط کہلایا، یہ (نام) کسی اور سے منسوب نہ ہوا۔ اُس نے آپ کو رات میں چلایا؛ کیونکہ یہ غیب میں سفر تھا، اور لفظ "اسراء" کا اطلاق بھی صرف رات میں چلنے پر ہی ہوتا ہے، لہٰذا اعتبار میں – نہ کہ تفسیر میں – آپ علیہ السلام کو کہا گیا: ﴿اپنے گھر والوں کے ساتھ چلیے﴾ (ہود: ۸۱) یعنی اپنی مکمل ذات کے ساتھ، سو آپ نے تمام حقائق کا مشاہدہ کیا ﴿مگر تیری بیوی﴾ (ہود: ۸۱) خود میں غور کرنے سے ہمیں پتا چلا کہ یہ آپ کے نفسِ امارۃ بالسوء کو چھوڑنے کا حکم ہے جس کا معنوی بلند معارج میں کوئی حصہ نہیں۔ اور آپ علیہ السلام یقین کی طرف چلے؛ یہ ایک معروف جگہ ہے جس کا یہی نام ہے، اور یہیں پر حضرت ابراہیم الخلیل علیہ السلام آپ کا انتظار کر رہے تھے؛ کیونکہ یہ آپ کا ٹھکانہ ہے۔ اِسی لیے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہم ابراہیم سے زیادہ عدم یقین کے اہل ہیں" کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ ابراہیم الخلیل مقام یقین میں ہیں۔ پھر یہی مقام لوط علیہ السلام کو حاصل ہوا، صبح صبح آپ علیہ السلام کو یقین آگیا؛ کیونکہ (صبح) سورج طلوع ہونے اور چیزوں کا (نظر سے) غیب ہونے

فهذا أُنموذج من ذلك، أي حظّنا من سفر لوط. وكذلك كل سفر أتكلّم فيه، إنما أتكلم فيه في ذاتي لا أقصد التفسير؛ تفسير القصة الواقعة في حقّهم. وإنما هذه الأسفار قناطر وجسور موضوعة نَعْبُر عليها إلى ذواتنا وأحوالنا المختصة بنا؛ فإنّ فيها منفعتنا، إذ كان الله نصبها مَعبرًا لنا. ﴿وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ﴾[1] فما أبلغ قوله – تعالى –: ﴿وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ﴾، وقوله: ﴿وَذِكْرَىٰ﴾ لما فيك وما عندك بها نَسِيتَه، فيكون هذا الذي قصصتُه عليك يُذكِّرُك بها فيك وما نبّهتُك عليه، فتعلم أنك كل شيء وفي كل شيء ومن كل شيء.

فإني وإن كنت من كل شيء	فإني مع الحق في كل شيء
فإني ظلٌّ به ظاهر	وإن كنت ظلًا فإني لفيء
فعين هبوطي صعودي إليه	بسعد السعود لدى كل حي
فقد زاد رُشْدي على كل رشد	كما زاد غيي على كل غي
كما هو مع كل ميّت وحي	كذا هو في كل نَشْرٍ وطي

والله يقول الحق وهو يهدي السبيل.

---

[1] [هود: ١٢٠]

کے بعد اس کے سامنے آنے کا وقت ہے، یوں بلا شک و شبہ یقین عطا ہوا۔

یہ سفر لوط میں ہمارا حصہ اور اِس کا ایک نمونہ ہے۔ اسی طرح ہر وہ سفر جس کا میں تذکرہ کرتا ہوں، میں اِس میں اپنی ذات کی بات کرتا ہوں، میرا مقصد تفسیر نہیں کہ اُن لوگوں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ بیشک یہ اسفار تو رکھے گئے وہ پل اور معبر ہیں جن کو پار کر کے ہم اپنی ذوات اور خود سے مخصوص احوال تک پہنچتے ہیں کہ اِسی میں ہمارا فائدہ ہے، کیونکہ انہیں اللہ نے ہمارے لیے مَعْبر بنایا ہے۔ ﴿ہم آپ کو جو یہ رسولوں کے قصے سناتے ہیں (یہ اس لیے) تا کہ اِس سے آپ کے دل کو قرار آئے، اس میں آپ کے پاس حق نصیحت اور یاد دہانی آئی ہے﴾ (ھود: ۱۲۰) اللہ کا یہ قول کتنا بلیغ ہے: ﴿اِس میں تیرے پاس حق آیا ہے﴾ اور اُس کا کہنا: ﴿اور یاددہانی﴾ ہے یہ اُس بارے میں جو تجھ میں یا تیرے پاس ہے لیکن جو تو بھول گیا، پس یہ قصہ جو میں نے تجھے سنایا یا جس کی طرف تیری توجہ دلائی یہ تجھے وہ یاد دلائے گا جو تجھ میں ہے، تا کہ تو جانے کہ تو ہی ہر شے ہے، ہر شے میں ہے اور ہر شے سے ہے۔[۵۹]

اگرچہ میں ہر شے سے ہوں، مگر میں حق کے ساتھ ہر شے میں ہوں، بیشک میں سایہ ہوں جو اُس سے ظاہر ہوا، اور اگر میں سایہ ہوں تو زوال کے بعد کا سایہ ہوں۔ میرا اُترنا عین اُس کی طرف چڑھنا ہے، سعد السعود[۶۰] سے جو ہر ذی روح کے لیے ہے۔
بیشک میری ہدایت ہر رہنمائی سے بڑھ گئی، جیسے میری گمراہی ہر گمراہی سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ وہ ہر جاندار اور بے جان کے ساتھ ہے، اسی طرح وہ ہر پھیلے اور سمٹے میں ہے۔

اللہ ہی حق کہتا اور راہ دکھلاتا ہے۔

سفر المكر والابتلاء
في ذكر يعقوب ويوسف عليهما السلام

اعلم[١] إذا أكرم الله عبدًا سافر به في عبوديته. يقول - عز وجل -: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ فما سمّاه إلا بأشرف أسمائه عنده؛ لأنه ما تحسن عبدٌ بحُسْن أحسن ولا أزّين من حُسْن عبوديته، لأن الربوبية لا تخْلَع زينتها إلا على المتحققين بمقام العبودة.[٢]

يا مُشبِهًا يوسف في حسنه	رفقًا على مُشبِه يعقوبِ
إن له صبرًا على نأيكم	يقصر عنه صبر أيوبِ
لولا لحوق النقص قلنا رضىً	وإنه ليس بمطلوبي
وإنما مطلبي منه الذي	يعلمه[٣] فذاك مرغوبي
فالأمر ما بيني وبين الذي	أسأله الوصل بمحبوبي

واعلم! أن الذين تحققوا بمقام العبودة[٤] يُعرّض بصاحبه[٥] للبلاء. ثم إنه[٦] من شأن هذا الموطن أنه لا يكمل فيه عزٌ لأحد ولا راحة. ولما وهب الله عزًا الحسن يوسف - عليه السلام - ابتُلِيَ بذل الرِقّ. ومع ذلك الحُسن العالي[٧] الذي لا يقاومه شيء بيع

---

[١] ف، غ: + أنه.

[٢] ب، ش، ف، م، ا، غ: العبودية.

[٣] ي، ب، ش: بدون النقط. ف، ك: تعلمه. م، ا، غ: يعلمه.

[٤] ب، ش، م، ا: العبودية.

[٥] ش، م: صاحبه.

[٦] ش: إن.

[٧] ب، ف: الغالي.

سفر مکر و آزمائش

حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کے ذکر میں

جان لے! جب اللہ کسی بندے کو نوازتا ہے تو اُسے اُس کی عبودیت میں سفر کرواتا ہے۔
اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿پاک ہے وہ جس نے اپنے بندے کو رات میں سفر کروایا﴾ (الاسراء:۱)
پس اُس نے اِسے اپنے پاس سب سے زیادہ عزت و شرف والے اسم سے ذکر کیا؛ کیونکہ بندہ اپنی عبودیت کے حُسن سے بڑھ کر کسی حُسن اور زینت سے مزین نہیں ہوا، اور اس لیے بھی کہ ربوبیت اپنی زینت صرف انہیں ہی اوڑھاتی ہے جو مقام عبودہ سے متحقق ہوں۔

اے حُسن میں یوسف کے مشابہ، اُس پر مہربان ہو جو یعقوب کے مشابہ ہے، تمہاری دوری پر اُن کا جو صبر، وہ صبرِ ایوب سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر کوتاہیوں کی آمیزش نہ ہوتی تو ہم رضا کی بات کرتے، لیکن یہ میرا مطلوب نہیں۔ اُس سے میرا مطلوب تو وہ جانتا ہے، اور وہی میری خواہش ہے۔ پس میرے اور اس ملتَمس کے مابین اصل معاملہ میرے محبوب سے وصل ہے۔

جان لے! جو لوگ بھی مقام عبودہ سے متحقق ہوئے تو اِس (مقام) نے انہیں آزمائش میں ہی ڈالا۔ پھر اِس ٹھکانے کی شان یہ بھی ہے کہ اِس میں کسی کے لیے راحت اور عزت مکمل نہیں ہوتی۔ جب اللہ نے یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے حُسن کو عزت بخشی تو آپ غلامی کی ذلت سے آزمائے گئے۔ اِس بلند پایہ حُسن کے ساتھ جس کا سامنا نہیں ہو سکتا آپ ﴿سستے داموں چند درہموں کے عوض﴾ (یوسف:۲۰) یعنی تین سے دس درہم ہی میں بک گئے۔ یہ ذلت کی انتہا ہے جو کہ عزتِ حُسن کی اُس انتہا کے مقابل ہے۔

﴿بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ﴾[١] من ثلاثة دراهم إلى عشرة لا غير. وذلك مبالغة في الذلة تقاوم مبالغته عزة الحسن.

ثم سلب الرحمة من قلوب الإخوة، والحُسن مرحوم أبدًا بكل وجه. فظهر أن الأمر الإلهي لم يكن بيد الخلق منه شيء سوى التصريف تحت القهر. فزال بهذا الذل العظيم عزّ[٢] ذلك الحسن العرضي، فبقي في سفره طيِّبَ النفس عزيزًا بالعزة الإلهية لا غير. والقصة معروفة، فلا معنًى لذكرها[٣] في عالمها، ولكن الفائدة في ذكرها في عالمنا؛ أعني عالم الإنسان[٤] في نفسه.

فاعلم أن الله – تعالى – لما أراد من النفس المؤمنة أن تسافر إليه اشتراها من إخوتها الأمارة واللوامة بثمن بخس من عَرَض العاجلة، وحال بينها وبين العقل الذي هو أبوها، فبقي العقل حزينًا لا تفتُر له دمعةٌ؛ فإن الإلهام الإلهي والإمداد الرباني إنما كان لهذا[٥] النفس، فكان[٦] العقل يتنزه في الحضرة الإلهية بوجود هذه[٧] النفس. فلما حيل بينه وبينها لم يزل يبكي حتى كُفَّ بصرُه. وذلك أن البصر وإن لم يكن مكفوفًا صاحبه؛ فإن الظلمة إذا تكاثفت وحجبت المُبْصَرات صار صاحب البصر أعمى، وإن كان البصر موجودًا يبصر به الظلمة. ولما كان الحزن نارًا والنار تعطي الضوء لذلك قيل: ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾[٨] فجاء بالبياض، فإن البياض لون جسماني كما أن الضوء نور روحاني.

---

[١] [يوسف: ٢٠]

[٢] ش، م، ا، غ: عن.

[٣] ك، ب: نعنى بذكرها.

[٤] ف، غ: العالم الإنسان.

[٥] ش، م، ا: هذه. ب: كان رسمه "لهذا" ثم بدل ألف بالهاء.

[٦] ش، م، ا، غ: وكان.

[٧] ك: هذا.

[٨] [يوسف: ٨٤]

پھر بھائیوں کے دل سے رحمت سلب کر لی گئی، جبکہ حُسن ہر رخ سے ہمیشہ قابل رحم ہی ہوتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہوا کہ مخلوق کے ہاتھ حکم الٰہی میں صرف اُس کے قہر تلے مجبوراً کام کرنا ہی ہے۔ لہٰذا اِس عظیم ذلت سے اُس نے اِس عارضی حُسن کی عزت زائل کی، سو آپ اپنے بقیہ سفر میں نفس کی بہترین صورت پر عزت الٰہی سے معزز رہے، نہ کہ کسی اور سے۔ یہ واقعہ مشہور ہے ہمارا مقصد اِس کے (اصل) عالم میں اِس کا ذکر کرنا نہیں، بلکہ ہمارے عالم میں اس کے ذکر کا فائدہ ہے؛ میرا مطلب ہے انسان کے نفس کا عالم۔

جان لے! جب اللہ تعالیٰ نے نفس مؤمنہ کو اپنی طرف سفر کروانا چاہا تو اِسے اِس کے بھائیوں امارۃ اور لوّامۃ سے سستے داموں سامانِ دنیا کے عوض خرید لیا، اِس (نفس مؤمنہ) اور عقل -جو کہ اِس کا باپ ہے- کے درمیان حائل ہو گیا، لہٰذا عقل حزن و ملال میں تڑپتی رہی کہ اس کے آنسو نہ تھمتے تھے؛ وہ اس لیے کہ الہام الٰہی اور امدادِ ربانی اسی نفس کو حاصل تھی اور عقل بھی اِسی نفس کے وجود سے حاضرتِ الٰہیہ میں گھوما کرتی تھی۔ پس جب وہ (یعنی حق تعالیٰ) اِس (عقل) اور نفس کے درمیان حائل ہو گیا تو وہ روتی رہی حتیٰ کہ اُس کی بینائی چلی گئی۔ وہ اِس طرح کہ اگر صاحبِ نظر اندھا نہ بھی ہو لیکن جب تاریکی بڑھ جاتی ہے اور دکھائی دی جانے والی چیزوں کو ڈھانپ لیتی ہے تو دیدہ ور (ایک قسم کا) اندھا ہی ہوتا ہے، حالانکہ بینائی ہوتی ہے جس سے وہ اندھیرا دیکھ رہا ہوتا ہے۔ چونکہ غم ایک آتش ہے اور آتش روشنی دیتی ہے، اسی لیے کہا گیا: ﴿غم سے اُن کی آنکھیں سفید ہو گئیں﴾ (یوسف: ۸۴) یہاں سفیدی کا ذکر کیا؛ کیونکہ سفیدی جسمانی رنگ ہے جیسا کہ روشنی روحانی نور ہے۔

ثم إنه لما وقع البيع وحصل في المِلْك، قيل للمرأة - التي هي عبارة عن النفس الكل[1] -: ﴿أَكْرِمي مَثْواه﴾[2] فمن كرامتها به أن وهبتْ نفسها له. ورأته النفوس الجزئية خارجًا عنها فقالت: ﴿مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾[3] لما رأته من تقديسه نفسَه عن الشهوات الطبيعية. وهذا مما يدلّك على عِصْمته من أن يهمّ بسوء؛ فإن المَلَك ليس من السوء في شيء، ولهذا صوبَّت النفس الكل[4] قولهم بقولها: ﴿فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ﴾[5] لأسجننه، فعندما ﴿همَّ بها﴾ ليأخذ منها ما أودع الله من الحقائق فيها من غير أمر إلهي له بذلك، غار الحقُّ أن يتصرّف عبده في شيء من غير أمره، فأظهر له في سرِّه برهانَ عبوديته فتذكَّر عبوديته، فامتنع من التصريف بغير أمر سيده. فحبستْهُ النفسُ في سجن هَيْكَله، فلم يزل يناجي في سره سيدَه بالعبودة حتى أقرَّتِ النفس أنها الطالبة، لا هو. فأثبت له السيد الحفظ والأمانة. ولو هَمَّ بسوء لم يكن أمينًا، ولو فعل لم يكن حفيظًا. ولهذا قال: ﴿لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ﴾[6] والهمّ بالسوء من السوء، وهو مصروف عنه؛ أعني السوء، فلم يكن يهم بسوء. فولّاه الملك والسيادة بدلًا من العبودية الكونية الظاهرة التي كان فيها قبل ذلك.

ثم أجدب محل العقل الذي هو الأب، وسمّع بالرخاء الذي في مدينة ابنه، وهو لا يعلم أنه ابنه؛ لأنه أعمى. فبعث إليه بالرَّحِم المتّصِلة ليُنيلَه شيئًا مما أُمِّنَ عليه، فبعث إليه بثوبه الذي فيه رائحته، وهو على صورته. فلما استنْشَقَ الرائحةَ وألقاه على

---

[1] ش، م، ا، غ: الكلي.
[2] [يوسف: ٢١]
[3] [يوسف: ٣١]
[4] م، غ: الكلي.
[5] [يوسف: ٣٢]
[6] [يوسف: ٢٤]

پھر جب خرید و فروخت مکمل ہوئی اور ملکیت حاصل ہوئی تو عورت - جو کہ "نفس کل" سے عبارت ہے - سے کہا گیا: ﴿اِسے عزت و اکرام سے ٹھہراؤ﴾ (یوسف: ۲۱) اُس نے اس طرح سے اِس (نفس) کا اکرام کیا کہ اپنا آپ اُسے دے دیا۔ اور نفوسِ جزئیہ نے اِس (نفس مؤمنہ) کو اِس (نفس کل) سے باہر دیکھا تو کہا: ﴿یہ بشر نہیں، بلکہ یہ تو کوئی عزت والا فرشتہ ہے﴾ (یوسف: ۳۱) کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ یہ خود کو شہواتِ طبیعیہ سے بچاتا ہے۔ یہی بات تجھے اِس کی عصمت کے بارے میں بتا رہی ہے کہ اِس پر برائی کا ارادہ بھی محال ہے؛ کیونکہ فرشتہ کسی چیز میں برائی نہیں کرتا، اِسی لیے نفس کلی نے اُن کے قول کی اپنے اِس قول سے تصدیق کی: ﴿یہ باز رہا، اگر یہ ایسا نہیں کرے گا﴾ (یوسف: ۳۲) تو میں اسے قید کرلوں گی، سو جب اِس (نفس) نے اُس (نفس کلی) کا ارادہ کیا کہ یہ اُس میں رکھے گئے حقائق کو حکمِ الٰہی کے بغیر حاصل کرے تو حق کو غیرت آئی کہ اُس کا بندہ اُس کے حکم کے بغیر کسی چیز میں تصرف کرے، لہٰذا حق نے اُس کے باطن میں اُس پر اُس کی عبودیت کی برہان ظاہر کی، سو اِسے اپنی عبودیت یاد آگئی اور وہ اپنے آقا کے حکم کے بغیر کوئی عملی قدم اٹھانے سے رُک گیا۔ پھر نفس نے اِسے اِس کے ڈھانچے کی جیل میں قید کر دیا، اور وہ اپنے باطن میں ہمیشہ اپنے آقا سے عبودت سے مناجات کرتا رہا یہاں تک کہ نفس (کلی) نے یہ اقرار کرلیا کہ وہی اِس کی طالب تھی یہ اُس کا طالب نہ تھا، پس آقا نے اِس کے لیے پاک دامنی اور امانت ثابت کی۔ اگر یہ برائی کا ارادہ کرتا تو امانت دار نہ ہوتا، اور اگر (برا) کام کرتا تو کبھی پاک دامن نہ ہوتا اس لیے تو کہا: ﴿تاکہ ہم اُس سے برائی اور بدکاری کو پھیر دیں﴾ (یوسف: ۲۴) برائی کا ارادہ بھی برائی ہے، چونکہ یہ (برائی) سے محفوظ تھا لہٰذا یہ برائی کا ارادہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اس (نفس کو) اِس ظاہری کائناتی عبودیت - جس میں وہ اس سے پہلے مقیم تھا - کے بدلے بادشاہت اور سرداری عطا کی۔

پھر عقل - جو کہ باپ ہے - پر خشک سالی چھا گئی، اور اُسے اپنے بیٹے کے شہر میں - جبکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہی اُس کا بیٹا ہے - خوشحالی کی نوید سنوائی؛ کیونکہ وہ تو اندھا ہے۔ لہذا (باپ نے) اُس کی طرف اُسی کے قریبی رشتہ دار (یعنی بھائیوں) کو بھیجا تاکہ یہ بھی کچھ ایسا لے کر آئیں جس پر اُسے خزانچی بنایا گیا۔ لہذا بیٹے نے (باپ) کی طرف اپنے کپڑے بھیجے جس میں اُس کی مہک تھی،

وجهه أبصر قميصه. فأخذ في الرحلة إليه ابتداءً في عزٍّ، يناقض سفر ابنه. فلما دخل عليه سجد؛ لأنه معلِّمه الذي يَهَبُه من الله ما تقوم به ذاتُه ويتنعَّم به وجودُه.

فقد تبين أن النفس هنا بمنزلة يوسف من وجوه:[١] أحدها؛[٢] ما ذكرناه من وقوع البيع والشراء، ومنها قوله: ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ﴾[٣] والمُلك فيه المطيع والعاصي والموافِق والمخالِف. وفي النفس قيل: ﴿فألْهَمَها فُجورَها وتَقْواها﴾[٤] ومنها أيضًا قوله: ﴿وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾[٥] وقال: ﴿هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾[٦] والرؤيا إنما تكون من عالم الخيال؛ وهو العالم الوسط، وهو بين عالم العقل وعالم الحِسّ.[٣٤] وكذلك النفس بين عالم العقل وعالم الحس، فتارة تأخذ من عقلها وتارة تأخذ من حِسّها هكذا. ولهذا دُفِعَتْ[٧] للمرأة لغلبة[٨] الأنوثة، وإن كان تأنيثها غير حقيقي مع ذلك الحسن[٩]. فلو كانت الذُكورية غالبة لم تدفع النفس من أجل المودّة والرحمة التي يسكن بها الذَّكَر للأُنثىٰ والأنثىٰ للذكر، بخلاف الأنثىٰ للأنثىٰ والذكر للذكر فإن المودة لا تثبُت بينهما. ولولا الشَّبَهُ الذي ظهر في الغِلْمان بالإناث؛ ما حنَّ إليهم أحدٌ، فالحنان إنما وقع علىٰ الحقيقة للأنثىٰ، إمّا بالحقيقة أو بالشبه. ولهذا إذا بَقَلَ وجهُ الغلام وطَرَّ شاربُه رحلت المودة والرحمة التي كانت تُوجِب السكونَ إليه، ولهذا قيل:

وقالوا العِذارُ جناح الهوىٰ إذا ما استوىٰ طار عن وَكْرِه

---

[١] ش، ا، غ: في وجوه؛ ف: بوجوه.

[٢] م: – الذي يَهَبُه من الله ... بمنزلة يوسف من وجوه: أحدها.

[٣] [يوسف: ١٠١]

[٤] [الشمس: ٨]

[٥] [يوسف: ١٠١]

[٦] [يوسف: ١٠٠]

[٧] غ: وقعت.

[٨] ك، ب: لغلب.

[٩] ب: الحس.

اور وہ اُس کی صورت پر تھی۔ لہٰذا جب (باپ) نے اِس مہک کو سونگھا اور اِسے اپنے چہرے پر ڈالا تو دیکھا یہ تو (بیٹے) کی قمیض ہے۔ سو بیٹے کی طرف سفر شروع کیا جس کی ابتداعزت سے ہوئی اور یہ اس کے بیٹے کے سفر کے الٹ تھا۔ پھر جب وہ (بیٹے اور یہاں نفس مؤمنہ) کے سامنے آیا تو سجدہ کیا؛ کیونکہ یہ (نفس مؤمنہ) ہی اُس (یعنی عقل) کا معلم ہے، یہ اُسے اللہ سے وہ کچھ دیتا ہے جس سے اُس کی ذات قائم ہے اور جس سے اُس کا وجود لذت پاتا ہے۔

چنانچہ واضح ہوا کہ یہاں مختلف وجوہات کی بنا پر یوسف ہی نفس (مؤمنہ) ہیں؛ ایک جو ہم نے خرید و فروخت کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر کیا، اور ایک رخ اُس کا یہ کہنا: ﴿اے رب! بیشک تو نے مجھے بادشاہت دی﴾ (یوسف: ۱۰۱) بادشاہت میں فرمانبردار اور نافرمان، موافقت رکھنے والے اور مخالفت رکھنے والے دونوں ہوتے ہیں۔ اسی طرح نفس کے بارے میں کہا گیا: ﴿اِسے اس میں رکھی گئی برائی اور بھلائی الہام کی﴾ (الشمس: ۸) اور (ایک رُخ) اُس کا یہ کہنا: ﴿اور تو نے مجھے باتوں کی تاویل سکھائی﴾ (یوسف: ۱۰۱) اور کہا: ﴿یہ میرے پہلے خواب کی تاویل ہے﴾ (یوسف: ۱۰۰) خواب عالم خیال سے ہوتا ہے؛ جو کہ عالم عقل اور عالم حِس کے درمیان ایک عالم ہے۔[61] اسی طرح نفس بھی عالم عقل اور عالم حِس کے درمیان ہے، کبھی یہ اپنی عقل سے اخذ کرتا ہے تو کبھی اپنی حِس سے۔ اسی لیے غلبہ تانیث کی وجہ سے یہ عورت کو دیا گیا[62]، اگرچہ کہ اِس حُسن کے باوجود اِس کی تانیث غیر حقیقی ہے۔ اگر اِس پر تذکیر کا غلبہ ہوتا تو یہ اُس محبت اور رحمت کی وجہ سے (عورت) کو نہ دیا جاتا جس (محبت اور رحمت) سے مذکر مونث سے سکون پاتا ہے اور مونث مذکر سے (سکون پاتی ہے)، برخلاف مونث کا مونث سے اور مذکر کا مذکر سے سکون پانا کہ اِن کے درمیان محبت ثابت نہیں۔ اگر کم عمر نوخیز لڑکوں میں لڑکیوں کی شباہت نہ ہو تو کوئی اِن کا مشتاق نہ ہو۔ پس حقیقت میں شوق کا تعلق مونث سے ہے، چاہے وہ حقیقی (مونث) ہو یا اس میں (مونث کی) شباہت ہو۔ اسی لیے جب کسی لڑکے کی ڈاڑھی مونچھ نکل آئے تو وہ محبت اور رحمت جو اُس کی طرف دیکھنے میں سکون کا باعث ہوتی تھی چلی جاتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

> انہوں نے کہا: چہرے کے بال محبت کے پَر ہیں، جب یہ آجاتے ہیں تو (محبت) اپنا گھونسلہ چھوڑ جاتی ہے۔

هذا البيت أَنْشدَنِيهِ قائلُه وهو الكاتب الأديب أبو عمرو بن مهيب بإشبيلية، عمله في حمو بن إبراهيم بن أبي بكر الهرغي؛[1] وكان أجمل أهل زمانه، رآه عندنا زائرًا وقد خط عذاره. فقلت له: يا أبا عمرو، أما ترىٰ إلىٰ هذا الحَسَنِ الوجهِ؟ فعمل الأبيات في ذلك وهي:[2]

وقالوا العذار جناح الهوىٰ	إذا ما استوىٰ طار عن وكرِهِ
وليس كذلك فخبِّرْهم	قيامًا بعذري[3] أو عذرِهِ
إذا كمُلَ الحسن في وجْنةٍ	فخاتمه ويك من شَعْرِهِ

وقد ورد أن في وجوه الغلمان لمحاتٍ من الحور العين. فيا أيتها النفس المنيعة، احذري في سفركِ، أن تغفُلي عما يجب عليكِ لسيدكِ من الوقوف عند حدوده والحفظ لحُرَمه، فإنك إذا فعلت ذلك سيُنيلك حُرْمتَه بحرمته، ويهبك نعمته بنعمته.

---

[1] ك، ب، الميرغي. ش: الفرعي. غ: المدغي

[2] م: – وقالوا العِذارُ جناح الهوىٰ ... فعمل الأبيات في ذلك وهي:

[3] ب: بعذرك.

یہ شعر مجھے شاعر نے خود سنایا، آپ ابو عمرو بن مھیب اشبیلیہ والے لکھاری اور ادیب ہیں۔ آپ نے یہ شعر حمو بن ابراہیم بن ابی بکر الھرغی کے بارے میں لکھا؛ جو کہ اپنے زمانے کے خوب صورت ترین نوجوانوں میں سے تھے، آپ کو ہمارے ہاں ایک زائر نے دیکھا جب آپ کے چہرے پر چند بال نمودار ہو چکے تھے۔ میں نے اُن سے کہا: اے ابو عمرو، کیا آپ اِس حسین چہرے کی طرف نہیں دیکھتے؟ تو آپ نے اُسی وقت یہ اشعار کہہ ڈالے:

وہ کہتے ہیں چہرے کے بال محبت کے پر ہیں، جب یہ آتے ہیں تو (محبت) اپنا گھونسلہ چھوڑ جاتی ہے، ان سے کہہ دو ایسی بات نہیں، چاہے یہ میرے رخسار کے بال ہوں یا اُس کے، جب رخساروں میں حُسن مکمل ہو جاتا ہے، تو اِس کا خاتمہ اُس کے بالوں سے تیرے لیے خرابی ہے۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ نوخیز لڑکوں کے چہروں میں حور عین کی جھلک ہوتی ہے۔ اے نفس منیعہ! اپنے اس سفر میں محتاط رہ، کہیں تو ان امور سے غافل نہ ہو جائے جو تجھ پر تیرے آقا کی طرف واجب ہیں؛ یعنی اُس کی حدود کا پاس اور اُس کی حرمتوں کی حفاظت کرنا، اگر تو نے ایسا کیا تو تجھے اس حفاظت کے باعث اس کا قرب ملے گا، اور وہ تجھ پر اپنی نعمت انعام کرے گا۔

سفر الميقات الإلهي لموسىٰ عليه السلام

يقول الله – عز وجل – ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا﴾[1] الآية.

وأبرَحُ ما يكون الشوقُ يومًا إذا دَنَتِ الدِّيارُ من الديارِ[2]

اعلم، أن العبد إذا كان عبدًا حقيقةً وفّىٰ الجناب الإلهي السيادي ما يستحقّه من الأدب والخدمة. وكان معه أبدًا علىٰ قدم الحذر والمراقبة لأنفاسه لعلمه بأنه ﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ﴾[3] فلا يطمع في شيء منه البتة، فلا يزال جامدًا لا تقوم به حركة عن موطن عبوديته، ولا شوقٌ إلىٰ مِنْحة من مِنَح سيده، فكيف إلىٰ مجالسته أو محادثته أو مسامرته؟ غير أن الشوق كامنٌ في فِطْرة العبد بما هو إنسانٌ، كالنار في الحجر.

النارُ في أحجارها مخبوءةٌ لا تُصطَلىٰ ما لم تُثِرْها الأزْنُدُ

فلا يظهر إلا بشيء غريب زائد علىٰ ذاته، فإن وعد السيدُ عبدَه بمحادثته أو مجالسته ثار الشوق الكامن بين ضلوعه، وحنّ إلىٰ وعْد ربه، لكن لا يدري متىٰ يفجأه الوعد[4] لكونه غيرَ مربوط بحدٍّ وأجل. فإن كان الوعد بضرب ميقاتٍ هاج الشوق وعظُم غَلَيانُه لانقضاء المدة، فأعطىٰ العجلة عند العبد، وهو قوله: ﴿وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ﴾[5] وكان معذورًا فقال: ﴿وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ﴾[6]

---

[1] [الأعراف: ١٤٣]

[2] ش، م: الخيام من الخيام. ا: صححت في الحاشية بالديار.

[3] [طه: ٧]

[4] ا: الوحي.

[5] [طه: ٨٣]

[6] [طه: ٨٤]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر میقات الٰہی

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے﴾ (اعراف: ۱۴۳)

اُس دن شوق کتنی بلندی پر ہو گا جب گھر کا مکین گھر کے مکین سے قریب ہو گا۔

جان لے، جب بندہ حقیقتاً بندہ ہوتا ہے تو وہ ادب اور خدمت سے آقا کی خدائی جناب کا پوری طرح سے حق ادا کرتا ہے۔ وہ اپنے آقا کے ساتھ ہمیشہ احتیاط کا دامن تھامے اپنی سانسوں پر نظر رکھے ہوتا ہے؛ کیونکہ اسے علم ہے کہ وہ (آقا) ﴿سر اور اخفی کو جانتا ہے﴾ (طٰہٰ: ۷) سو (بندہ) اُس سے کبھی کسی چیز کی طمع نہیں رکھتا، ہمیشہ جامد رہتا ہے، اور ٹھکانۂ عبودیت سے حرکت نہیں کرتا، اور نہ ہی اُسے اپنے آقا کی عطایات میں سے کسی عطا کا شوق ہوتا ہے، پس کہاں اُس کی مجلس میں بات چیت یا سرگوشی؟ لیکن بندے کی فطرت میں شوق بھی نہاں ہے؛ کہ وہ انسان ہے، جیسا کہ آگ پتھر میں پنہاں ہے۔

آگ اپنے پتھروں میں پنہاں ہے، یہ اُس وقت تک نہیں جلتی جب تک کہ اُسے رگڑ نہ جلائے۔

یہ (شوق) ایک عجیب و غریب چیز سے ظاہر ہوتا ہے جو اِس (بندے) کی ذات سے زائد ہے، اگر آقا خود اپنے بندے سے گفتگو یا مجلس کا وعدہ کرے تو اُس کے دل میں پنہاں شوق بھڑک اٹھتا ہے، وہ اپنے رب کے وعدے کا مشتاق رہتا ہے، لیکن نہیں جانتا کہ یہ وعدہ کب وفا ہو گا، کیونکہ یہ کسی حد اور مدت سے متعلق نہیں۔ اگر وعدہ وقت سے مقید ہو تو وقت پورا ہونے پر شوق بھڑک اٹھتا ہے گرمجوشی بڑھتی ہے، یوں بندے میں جلد بازی جنم لیتی ہے، یہ اُس کا کہنا ہے: ﴿اے موسیٰ آپ نے اپنی قوم کو (چھوڑ کر آنے میں) جلدی کیوں کی؟﴾ (طٰہٰ: ۸۳) آپ علیہ السلام صاحب عذر تھے، بولے: ﴿اے رب! میں نے تیری طرف آنے میں اس لیے جلدی کی تا کہ تو راضی ہو جائے﴾ (طٰہٰ: ۸۴)

پھر (مواقیت یعنی) "افعال کے لیے رکھا گیا" وقت چونکہ (آجال یعنی) "مقررہ اوقات"

ثم إن المواقيت لما كانت آجالًا[٣٥] كان حكمها حكمَ الآجال، وحكمُ الآجال كما قد سمعتَ في قوله – تعالى –: ﴿ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى عِنْدَهُ﴾[١] كذلك قال: ﴿وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً﴾[٢] فهذا ميقات، ثم قال: ﴿وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً﴾. وهذا الميقات المضروب ميقاتُ غيبٍ؛ لأنه ليليٌّ، إذ كان الأمر الذي لأجله ضُرِبَ الميقاتُ غيبًا أيضًا؛ فإن المدلولات أبدًا تُطابِق أدِلّتَها. فلما تعيّنت المدة بالثلاثين، ولم يُخوِّفْه أولًا بالأربعين لئلا يطولَ عليه، أو يحْدُسَ في سرّه بذكر الأربعين[٣] التي هي أربعٌ من العقد، أن ذلك إشارة إلىٰ انقضاء هيكله المربَّع؛ فيَعظُمَ أسفُه. ولا تقُلْ: وأين الأربعون من الأربعة؟ فاعلم أن هذا الهيكل، إنما قام من الأربعة المركَّبة؛ وهي الأربعون، والأربعة لا تركيبَ فيها؛ فإنها بسائط، ولكن[٤] هي أصل الأربعين. فكذلك هذا الهيكل لم يَقُمْ من البسائط الأربعة التي هي الحرارة والبرودة واليبوسة والرطوبة، وإنما قام من المركبة التي هي السوداء والصفراء والبلغم والدم. وكل واحدة من هذه مركبة من حرارة ويبوسة: كالصفراء، وحرارة ورطوبة: كالدم، وبرودة ويبوسة: كالسوداء، وبرودة ورطوبة: كالبلغم.

فكان الوعد المسمىٰ بالأربعين عنده، وجاء الذكر بالثلاثين لِمَا ذكرْناه. ولم يكن المراد بالأربعين إلا هذا أو مثلَه مما يُطابِقه؛ فإن الأمر الحاصِل بعد الميقات لا يُبقِي رسْمًا للعبد عند العبد. فإن كانت محادثة فالعبد أُذُنٌ كلُّه، وإن كانت مشاهدة فالعبد عيْنٌ كلُّه. فقد زال عن حكم ما تقتضيه ذاته مع أنه تقتضيه ذاته، ولكن لا لِعينِها. ولم يكن قبل ذلك ذاق هذا المقام ولا شاهد هذه الحال، فبالضرورة كان يبعد عنده، ولذلك قال:

---

[١] [الأنعام: ٢].
[٢] [الأعراف: ١٤٢]
[٣] ك، ب: – لئلاّ يطولَ عليه أو يحْدُسَ في سرّه بذكر الأربعين.
[٤] ك، ب: – ولكن.

ہیں [۶۳] تو اِن کا حکم بھی "مقررہ اوقات" والا ہے، اور "مقررہ اوقات" کے بارے تو نے اُس کا یہ قول سنا ہے: ﴿پھر اُس نے (اجل) وقت مقرر کیا اور "اجل مسمی" اُسی کے پاس ہے﴾ [۶۴] (الانعام: ۲) اِسی طرح اُس نے کہا: ﴿ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا﴾ (الاعراف: ۱۴۲) یہ رکھا گیا وقت ہے، پھر فرمایا: ﴿اور ہم نے دس (راتیں) ملا کر اِسے پورا کیا، سو تیرے رب کی مقرر مدت (یعنی) چالیس راتیں پوری ہوئیں﴾ (الاعراف: ۱۴۲) یہ "رکھا گیا وقت" (یعنی میقات) غیب کا وقت تھا؛ کہ یہ رات تھی، کیونکہ جس معاملے کے لیے یہ وقت رکھا گیا وہ بھی غیبی تھا؛ بیشک مدلولات ہمیشہ اپنے دلائل کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تیس سے مدت متعین کی گئی تو اُس نے آپ کو شروع میں چالیس سے نہ ڈرایا کہ کہیں آپ پر یہ لمبا نہ ہو جائے، یا کہیں آپ چالیس-جو کہ دہائیوں میں چار ہی ہے-کے ذکر سے یہ نہ سوچیں کہ یہ آپ کے چار گوشہ ڈھانچے کے زوال کی طرف اشارہ ہے؛ اور آپ کا افسوس بڑھ جائے۔ اب یہ مت کہہ: کہاں چالیس اور کہاں چار؟ جان لے! بیشک یہ ڈھانچہ چار مرکبات پر کھڑا ہے، جو کہ چالیس ہیں، یہ چار (خود) میں مرکب نہیں؛ کیونکہ یہ بسائط ہیں، لیکن یہی (چار) چالیس کی اصل ہیں۔ اِسی طرح یہ ڈھانچہ صرف چار بسائط یعنی حرارت، ٹھنڈک، خشکی اور رطوبت پر ہی قائم نہیں بلکہ یہ مرکبات پر قائم ہے جو کہ سوداء، صفراء، بلغم اور خون ہے۔ ان میں سے ہر ایک مرکب ہے؛ جیسے حرارت اور خشکی سے صفراء، حرارت اور رطوبت سے خون، ٹھنڈک اور خشکی سے سوداء اور ٹھنڈک اور رطوبت سے بلغم۔

سو اُس کے پاس مقرر وعدہ چالیس (راتیں) ہی تھا، لیکن تیس کا ذکر اِسی لیے کیا گیا جو ہم نے بتایا۔ چالیس سے بھی یہی مراد تھی یا وہ جو اِس سے مطابقت رکھتا ہو؛ کیونکہ اِس ملاقات کے بعد جو کچھ حاصل ہوا وہ بندے میں بندے کا نشان نہیں رہنے دیتا۔ اگر یہ بات چیت ہو تو بندہ پورے کا پورا کان ہوتا ہے، اگر یہ مشاہدہ ہو تو بندہ آنکھ بن جاتا ہے، بیشک یہ (بندہ) اپنی ذات کے تقاضا کردہ حکم (یعنی عبودیت) سے فنا ہو گیا حالانکہ یہ اُس کی ذات کا تقاضا تھا، لیکن یہ (تقاضا) اس کے اپنے لیے نہ تھا۔ اِس سے پہلے (بندے) نے اِس مقام کا لطف نہ اٹھایا اور نہ ہی اِس حال کا مشاہدہ کیا، سو لازماً یہ اِس سے دور تھا، اسی لیے تو کہا:

إذا ما تجلَّىٰ لي فكلِّي نواظِرٌ وإن هو ناداني فكلِّي مسامعُ

فلمّا أكمل الثلاثين؛ وهو الميقات الأول حرّكه بالتطهير؛ لإظهار تمام الميقات، فاسْتاكَ، فأتمّ الميقات من أجل السِّواك.[٣٦] ولو أتمه[١] من غير أن يجعل تمامه مشعرًا بعقوبة، لحزن موسىٰ – عليه السلام – وظن أنه أيضًا يَعِدهُ بعد العشر بوعد آخر. فلما جعل لذلك سببًا؛ وهو تطهير الفم لجأ إلىٰ التحفُّظ، فلم يتحرّك في شيء من غير أمر إلهي. وأيضًا لما أوقع التقديس خرج عن عبوديته؛ والحضرة المقدَّسة لا تقبل إلا العبد، والعبد ليست له القُدُّوسية، فغارت أن يدخل عليها المُنازِعُ لها في صفتها من التقديس؛ – ولا سيّما بغير أمر إلهي، فإن العزيز لا يراه ذو عِزّة وإنما يراه الذليل، – لأنها ما تجد ما تمنحه.[٢] فالعزيز إذا دخل علىٰ العزيز، ليس له ما يمنحه إلا العزة، وبها دخل عليه، فما يمنحه؟ فلا سبيل إلىٰ دخوله عليه إلا بما تقتضيه حقائق العبودة.[٣] فلهذا أيضًا أتمّ له عشرًا ليزول عنه التقديس الذي ابتغاه.

وهذه كلها أسبابٌ إلهية وضعها الحق في العالم لإظهار حكمته في كونه. فإذا تمّ الميقات وتحرّر العبد بتمامه من رِقّ الأوقات، ولم يبْقَ عبدًا إلا له – تعالىٰ – وفّاه وعده، فناجاه وكلّمه. فبعد أن وفاه الوعد؛ حظّه، وقدّس سَمّعَه ولَفْظَه، وأعطاه الكلام الكل كما أعطاه السمعَ الكل؛ فإنه كما كان أذنًا كله عند سماعه كان لسانًا كله

[١] ك: أنه.

[٢] ش، ا: لأنه لا يجد ما يمنحه. م: الذليل، لا يجد ما يمنحه. غ: لا تجد ما يمنحه.

[٣] ب، ش، ا، م: العبودية.

جب وہ میرے سامنے آتا ہے تو میرا پورا وجود آنکھ بن جاتا ہے، اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میرا پورا وجود کان بن جاتا ہے۔[۶۵]

سو جب آپ نے تیس راتیں پوری کیں؛ جو کہ پہلی رکھی گئی مدت تھی تو اللہ تعالی نے آپ کو طہارت سے حرکت دی، تاکہ رکھی گئی پوری مدت ظاہر ہو، پھر آپ نے منہ کی طہارت حاصل کی[۶۶] اور اِسی طہارت کی خاطر (باقی) مدت پوری کی۔[۶۷] اگر آپ علیہ السلام اِسے بھی پورا کرتے اور اس کے پورا ہونے کی کوئی نشانی نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ غم ناک ہو جاتے اور یہ خیال کرتے کہ وہ اِن دس کے بعد کوئی اور وعدہ کرے گا۔ لہذا جب اس نے اس تکمیل کا ایک سبب بنایا؛ جو کہ منہ کو صاف کرنا ہی تھا تو آپ نے احتیاط کا مظاہرہ کیا اور کسی معاملے میں بھی حکم الہی کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھایا۔ اِسی طرح جب یہ تقدیس واقع ہوئی تو آپ اپنی عبودیت سے باہر نکلے: جبکہ وہ مقدس حاضرت صرف عبد کو ہی قبول کرتی ہے، اور عبد کی کوئی قدوسیت نہیں، لہٰذا اِس (حاضرت نے) غیرت کھائی کہ کوئی ایسا اِس کے حضور حاضر ہو جو اُسی کی صفت تقدیس میں شریک ہو۔ خاص طور پر اگر وہ حکم الٰہی کے بغیر (اِس سے متصف ہوا) ہو، بیشک عزت والے کے پاس عزت والا نہیں جاتا اُس کے پاس تو ہیچ یا حقیر جاتا ہے - کیونکہ (ایسی صورت میں) اِس (حاضرت) کے پاس اُسے دینے کو کچھ نہیں۔ لہذا جب کوئی عزت والا کسی دوسرے عزت والے کے ہاں جاتا ہے، اُس کے پاس اِسے دینے کے لیے یہ عزت ہی تو ہے، اور وہی لے کر یہ اُس کے پاس گیا، اَب یہ اُسے اور کیا دے؟ لہذا (بندے کا خدا) کے حضور داخلہ صرف حقائق عبودت کے تقاضوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ اِسی لیے رب نے آپ کا مقرر وقت دس راتیں بڑھایا تاکہ آپ سے وہ تقدیس زائل ہو جائے جو آپ نے چاہی۔

یہ سب تو وہی خدائی اسباب ہیں جنہیں حق تعالی نے کائنات میں اِس لیے رکھا ہے تاکہ موجودات میں اُس کی حکمت کا اظہار ہو۔ سو جب یہ مقرر مدت پوری ہوئی اور اِس کے پورا ہونے سے بندہ اسباب کی غلامی سے آزاد ہوا، تو صرف اُسی متعال کا بندہ ہو کر رہ گیا تو اُس نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا، اِس (بندے) سے سرگوشی کی اور کلام کیا۔ اپنا وعدہ - اپنا حصہ - وفا کرنے کے بعد اِس کی سماعت اور الفاظ کو پاک کیا، اِسے کُلّی کلام عطا کیا جیسا کہ اِسے کلّی سماعت بخشی؛ جیسا کہ یہ

عند مراجعته. فعرف ذوقًا ومشاهدةً عين أن الكُلّ يقبل الكُلّ، وأنه واحدٌ في كل حضرة تتميّز.[١] فهذا سفر غيْبيّ معْنويّ زمانيّ، ظهر في اللسان المحمدي بقوله: «من أخلص لله أربعين صباحًا ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه».[٣٧] فيسمع أوّلًا قلبه ثم ينطق لسانه بها وعاه بسمع قلبه.

ولكن صاحب هذا السفر لا بد أن يخلُف في قومه من ينوب منابه. وقد ذكرنا المسافر، فانظر أنت يا أخي في النائب حتى يكون لك في المسألة مدخل بوجهٍ ما. وعند التجلي يكون سفر الجبال، منهزمة أمام جلال المتجلي؛ إذ لا طاقة للجبال على مشاهدة الغيب أصلًا، ولهذا قال: ﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللهِ﴾[٢] هذا مع التنزُّل، فكيف مع سماع الكلام برفع الوسائط؟ فكيف مع الرؤية؟ فتحقَّقْ هذا الفصل تشهدْ علمًا كثيرًا والحمد لله.[٣]

---

[١] ف: يتميز.

[٢] [الحشر: ٢١]

[٣] ش: + وحده. م: + وحده وصلى الله على من لا نبي بعده. ف، ا، غ: – والحمد لله.

(بندہ) اُسے سنتے وقت پورے کا پورا کان تھا اِسی طرح اُسے جواب دیتے ہوئے یہ سارے کا سارا زبان تھا۔ یوں بندے نے ذوق اور آنکھ کے مشاہدے سے یہ جانا کہ کُل ہی کُل کو قبول کرتا ہے،[۶۸] اور وہ ایک ہے جو ہر حاضرت میں متمیز ہوتا ہے۔ یہ ایک غیبی، معنوی اور زمانی سفر ہے جو کہ محمدی کی زبانی یوں ظاہر ہوا: "جو اپنے چالیس ایام اللہ کے لیے وقف کر دیتا ہے تو حکمت کے چشمے اُس کے دل سے اُس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔" لہٰذا پہلے اُس کا دل سنتا ہے اور پھر اُس کی زبان وہ بولتی ہے جو اُس نے دل سے سن کر سمجھا ہوتا ہے۔

لیکن اِس سفر کے مسافر پر لازم ہے کہ اپنے پیچھے اپنی قوم میں کسی کو اپنا نائب بنا کر جائے، ہم نے مسافر کا ذکر کیا، اے بھائی! تو نائب میں غور کر تا کہ اس مسئلے میں ایک رخ سے تیرے داخلے کی بھی صورت نکلے۔ تجلی سے پہاڑوں کا سفر شروع ہوتا ہے، یہ جلوہ آرا کے جلال کے سامنے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں؛ کہ پہاڑوں میں اصلاً غیب کے مشاہدے کی طاقت نہیں، اِسی لیے تو کہا: ﴿اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تُو دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف اور جلال کے باعث پھٹ پڑتا﴾ (الحشر: ۲۱) یہ تو صرف اتارتے وقت، پس بغیر واسطوں کے کلام سنتے وقت کیا حالت ہوتی؟ اور دیدار کے وقت کیا ہوتا؟ اِس حصے کو متحقق کر تُو کثیر علم کا مشاہدہ کرے گا۔ والحمد للہ!



سفر الرضى

وهو قوله عز وجل عن موسى عليه السلام: ﴿وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى﴾[1] حين قال له: ﴿وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَا مُوسَى﴾[2]

عجلتُ إلى ربيَ ليرضى لِسُرعتي ... فلما وصلنا قال لـمَ عَـجِلَ العبدُ

فقلتُ له الوعد الكريم أتى بنا ... إليك ولكن ما أرىٰ صدق الوعدُ

فقال لي الرحمن كمِّـلْ شروطه ... كما قد أُمِرْتم فانتفى القرب والبُعدُ

ومن ذلك:

أن الرضى هو أصلي ... الذي خُلِقْتُ عليه

وحدي ولم أرَ غيري ... يـؤول فـيه إلـيه

مواهب الله لا نهاية لها؛ فما لها آخِرٌ ترجع إليه فتنقضي. والعبد ما يُوَفِّي فيما كلّفه الله وُسْعَه ولا حقَّ استطاعته، فصحّ وثبت: رِضَى الله عنهم ومنهم[3] فيما أتوْا به من الأعمال ورضُوا عنه، ورضوا بما وهبهم مما عنده مما لا يتناهى كثرةً فـ ﴿رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾.[4] فالرضى من صفات الحق، والرضى من صفات الخلق بما ينبغي للحق وبما يليق بالمخلوق، وإن كان لا يستغني عن الإمداد الإلهي؛ لأنه فقير بالذات محتاج على الدوام لبقاء وجوده وإبقائه عليه. وفي رضاي عنه رضاه عني، وأنا حكيم وقتي، عليّ يدور الوجود ويخدمني.

---

[1] [طه: ٨٤]

[2] [طه: ٨٣]

[3] ش، غ، ف: - ومنهم.

[4] [المائدة: ١١٩]

یہ اللہ عزوجل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کرنا ہے: ﴿اے رب! میں نے تیرے پاس آنے میں جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے﴾ (طٰہٰ: ۸۴) جب (رب) نے پوچھا: ﴿اے موسیٰ! قوم کو چھوڑ کر تو نے یہاں آنے میں جلدی کیوں کی؟﴾ (طٰہٰ: ۸۳)

"میں نے اپنے رب کی طرف جانے میں جلدی کی تاکہ وہ میری تیزی سے راضی ہو جائے، جب ہم پہنچے تو اُس نے کہا: بندے نے جلدی کیوں کی؟ میں نے کہا: ایک کرم والا وعدہ ہمیں آپ کے پاس لایا، لیکن میں وعدے کا سچ ہونا نہیں دیکھ رہا، الرحمن نے مجھے کہا: (پہلے) اس (وعدے) کی شرائط پوری کرو جیسے تمہیں حکم دیا گیا، پس قرب اور دوری مٹ گئی۔"

اِسی بارے میں ہے:

رضا ہی وہ اصل ہے جس پر میری تخلیق ہوئی، میں اکیلا کہ میں نے اپنے سوا کسی کو نہ دیکھا، جو اِس میں اُس کی طرف لوٹا ہو۔

مواہب الٰہیہ کی کوئی انتہا نہیں؛ اور نہ کوئی ایسی اخیر ہے جس تک پہنچ کر یہ ختم ہو جائیں۔ بندہ اپنی بساط اور استطاعت کے مطابق بھی ان (اعمال) کا حق ادا نہیں کر سکتا جس کا اللہ نے اُسے مکلف کیا۔ لہٰذا یہ درست اور ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اور اُن (کے اعمال) سے راضی ہوا اور یہ اُس سے راضی ہوئے، یہ اُس کی عطایات (مواہب) سے راضی ہوئے، (وہ مواہب) جو اس کے پاس ہیں اور اپنی کثرت میں لامتناہی ہیں: ﴿اللہ اِن سے راضی ہوا اور یہ اُس سے راضی ہوئے﴾ (المائدہ: ۱۱۹) پس رضا حق کی صفات میں سے ہے جیسا حق کے شایانِ شان ہے اور رضا مخلوق کی صفات میں سے ہے جیسا مخلوق کے لائق ہے،[۶۹] حالانکہ (مخلوق) امدادِ الٰہی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی؛ کیونکہ یہ اپنی ذات سے فقیر ہے، اپنے وجود کی بقا اور اِبقا کے لیے ہر لحظہ محتاج ہے۔ میرا اُس کا حکم ماننے میں ہی اُس کا مجھ سے راضی ہونا ہے اور میں اپنے وقت کا صاحب حکمت ہوں،

إن الحكيم الذي الأكوان تخدمه لأنه ينزِل الأشياء مَنازلَها
يَبدو إلى كل ذي عينٍ بصورته لا يقول بأن الحق نَازَلَها
فإن تبدّتْ إلى عيني حقيقتُه يكون كوني بلا شكٍ مُنَازِلَها

واعلم أن الإنسان إذا جهل حالَه فقد جهل وقته، ومن جهِل وقته جهل نفسه، ومن جهل نفسه جهل ربه، فإن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يقول: «من عرف نفسه[1] عرف ربه» إمّا بالنقيض؛ كالمعرفة العامة، وإمّا بالصورة؛ كالمعرفة الخاصة، وهي التي عوَّل عليها أهل الخصوص من الجماعة. ونحن وإن كنا نقول بذلك فمعرفة العامة عندنا أرجح؛ فإنها الجامعة بين الابتداء والانتهاء، وإليها الرجوع ولا بد عامةً وخاصةً. فاعلم ذلك، وكن على بصيرة من أمرك في ذلك وعلى بينة من ربك، عسى يتلوك شاهدٌ منك فيكون سبب سعادتك به[2]، إن شاء الله! فتكون ممن سبقتْ له الحسنى من الله - جلّ ثناؤه وعزَّ جلاله -.

ولما قال الله - عز وجل - لموسى - عليه السلام -: ﴿وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَا مُوسَى﴾[3] أضرب موسى - عليه السلام - عن الجواب. وجوابه أن يقول: أعجلني كذا وكذا؛ ويبين، فقال: ﴿هُمْ أُولَاءِ عَلَى أَثَرِي﴾[4] يشير إلى حكم الأتباع. ثم ذكر عَجَلته فقال: ﴿عَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى﴾ إني سارعتُ إلى إجابة دعائك حين دعوْتَني وقومي على أثري. فقال الله - عز وجل - له:[5] ﴿فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ﴾[6] أي اختبرْناهم ﴿وأضلَّهُمُ السامريُّ﴾ بالعِجْل الذي قال لهم في شأنه: ﴿هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى﴾[7] وسبب ذلك أنه لما مشى مع موسى - عليه السلام -

---

[1] ب: + فقد.
[2] ب، ا، م: - به. ي، ك، ش: كلمة "به" فوق كلمة سعادتك.
[3] [طه: ٨٣]
[4] [طه: ٨٤]
[5] ب، غ، ف: - له.
[6] [طه: ٨٥]
[7] [طه: ٨٨]

وجود میرے ہی اِرد گرد گھومتا اور میرا ہی خادم ہے۔[70]

حکیم وہ ہے کہ موجودات جس کی خدمت کریں، کہ وہ اشیا کو ان کی جگہوں پر رکھتا ہے۔ وہ ہر آنکھ والے پر اُسی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں کہتا کہ حق ان کے سامنے آیا۔ اگر میری آنکھ پر اُس کی حقیقت عیاں ہو، تو میرا وجود بے شک اُس کی جائے نزول ہو گا۔

جان لے! اگر انسان اپنے حال سے جاہل ہے تو وہ اپنے وقت[71] سے جاہل ہے، اور جو اپنے وقت (یعنی اپنی عین کے تقاضوں) سے جاہل ہے وہ اپنے نفس سے جاہل ہے، جو اپنے نفس کو نہیں جانتا وہ اپنے رب کو نہیں جانتا، بیشک حضور ﷺ کا فرمان ہے: "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا۔"[72] یا تو الٹ سے؛ جیسا کہ عام معرفت ہوتی ہے، یا پھر صورت سے؛ جیسا کہ خاص معرفت ہے، اور اسی پر اِس جماعت کے خاص الخاص بھروسا کرتے ہیں۔ ہم اگرچہ اِس (خاص معرفت) کی بات بھی کرتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک عام معرفت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے؛ کیونکہ یہ ابتدا اور انتہا کی جامع ہے، اور عام اور خاص دونوں کا لازماً اِسی کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ جان! اور اپنے اس معاملے میں بصیرت اور اپنے رب کی واضح نشانی پر ہو، ہو سکتا ہے کہ تجھ میں ایک گواہ تیری پیروی کرے اور اس سے تیری سعادت کا سبب ہو جائے، ان شاء اللہ۔ اور تو بھی ویسا ہی ہو جائے جن کے لیے اللہ - جل ثناؤہ و عز جلالہ - کی طرف سے پہلے ہی بھلائی تھی۔

جب اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: ﴿اے موسیٰ! تم نے قوم کو چھوڑ کر یہاں آنے میں جلدی کیوں کی؟﴾ (طہٰ: ۸۳) موسی علیہ السلام نے جواب دینے سے گریز کیا۔ آپ کا جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ میں نے اِس اِس وجہ سے جلدی کی، اور پھر واضح کرتے، لیکن آپ نے کہا: ﴿وہ میرے پیچھے آرہے ہیں﴾ (طہٰ: ۸۴) یہ اتباع کرنے والوں کی طرف اشارہ تھا۔ پھر اپنی جلدی کا تذکرہ کیا، بولے: ﴿اے رب! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی تا کہ تُو (مجھ سے) راضی ہو جائے﴾ (طہٰ: ۸۴) (یعنی) جب تو نے مجھے پکارا تو میں نے تیری پکار کا جواب دینے میں جلدی کی، اور میری قوم میرے پیچھے ہے۔ اللہ عزوجل نے آپ سے فرمایا: ﴿بیشک ہم نے

كشف الله عن بصره حتى أبصر المَلَك الذي هو على صورة الثَّوْر من حملة العرش فتخيّل أنه إله موسى الذي يكلِّمه. فأخرج لقومه العجل، وكان قد عرف جبريل حين جاءه وأنه لا يمر بشيء إلا حَيِيَ بمروره. فقبض قبضةً من أثر فرس جبريل ورمى بها في العجل، فحيي العجل وخار؛ لأنه عجل والخوار صوت البقر، وقال لهم: ﴿هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ﴾[1] ونسي السامري إذا سأله عابدوه، أنه لَا ﴿يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا﴾[2] فقال لهم هارون – عليه السلام –: ﴿وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي﴾[3] فقال لهم ما ذكر الله في كتابه عنه أنه خاطبهم به.

[1] [طه: ٨٨]

[2] [طه: ٨٩]

[3] [طه: ٩٠]

آپ کے پیچھے آپ کی قوم کو فتنے میں ڈال دیا﴾ (طٰہٰ: ۸۵) یعنی انہیں آزمایا ﴿اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا﴾ اس بچھڑے سے جس کے بارے میں اُس نے اِن کو بتایا کہ ﴿یہ تمہارا اور موسیٰ کا الہ[43] ہے﴾ (طٰہٰ: ۸۸) اِس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چل رہا تھا تو اللہ تعالی نے اُس کی نظر سے پردہ ہٹا دیا یہاں تک کہ اُس نے حاملین عرش میں سے اُس فرشتے کو دیکھا جو بیل کی صورت پر تھا، لہٰذا (سامری) نے خیال کیا یہی موسیٰ کا وہ خدا ہے جو آپ سے بات کرتا ہے۔ سو اُس نے آپ کی قوم کے لیے ایک بچھڑا بنایا، جب جبرائیل علیہ السلام وہاں آئے تو اس نے آپ کو پہچان لیا اور (وہ یہ بھی جانتا تھا) کہ آپ جس چیز سے بھی گزرتے ہیں وہ آپ (کے مَس) سے زندہ ہو جاتی ہے۔ پس اُس نے حضرت جبرائیل کے گھوڑے کے (قدموں کے) نشان والی جگہ سے ایک مٹھی (بھر مٹی) اٹھائی اور اس بچھڑے پر دے ماری تو یہ بچھڑا زندہ ہو گیا اور بولنے لگا، چونکہ وہ بچھڑا تھا تو اُس نے بچھڑوں والی آواز نکالی۔ پھر (سامری) قوم سے گویا ہوا: ﴿یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے﴾ (طٰہٰ: ۸۸) سامری نے اس بات کو اہمیت نہ دی کہ جب اِس کے پجاری اِس سے کچھ مانگتے ہیں تو ﴿یہ (بچھڑا) اُنہیں کوئی جواب نہیں دیتا اور نہ ہی ان کے نفع اور نقصان کا مالک ہے﴾ (طٰہٰ: ۸۹) اس وقت ہارون علیہ السلام نے اُن لوگوں سے کہا: ﴿بیشک تمہارا رب الرحمٰن ہے، پس میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو﴾ (طٰہٰ: ۹۰) آپ نے اپنی قوم سے وہ سب کہا جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا۔

سفر الغضب والرجوع

قال الله - تعالى -: ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا﴾[1]

غضِبتُ على نفْسي لنفْسي فلم أجِدْ سواه فقلتُ الذنْبُ لِلْمُتقدِّمِ

فما زلتُ مسرورًا وما زلتُ قارعًا لما كان مني فيه سنَّ[2] التندُّمِ

فلو كنتُ حقًا لم أكنْ واحدًا[3] به ولو كنت خلْقًا لم أقلْ بالتقدّمِ

«غضبان» على قومه، «أسفًا» عليهم لما فعلوه من اتخاذهم العجل إلهًا. وإنما كان عجلًا لأن السامري لما مشى مع موسى - عليه السلام - في السبعين الذين مشوًا معه، كشف الله عنه غِطاء بصره، فما وقعتْ عينه إلا على الملك الذي على صورة الثور، وهو من حملة العرش؛ لأنهم أربعة: واحد على صورة أسد، وآخر على صورة نَسْر، وآخر على صورة ثور، ورابع على صورة إنسان. فلما أبصر السامري الثور تخيّل أنه إله موسى الذي يكلمه، فصوّر لهم العجل، وقال لهم[4]: ﴿هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ﴾[5] وصاغه من حُلِيِّهم لتتبع قلوبُهم أموالَهم، لِعلْمه أن المال حُبُّه مَنوطٌ بالقلب،[٣٨] وعلم أن حب المال يحجبهم أن ينظروا فيه هل يضرّ أو ينفع أو يردّ عليهم قولًا إذا سألوه.

وقال لهم هارون: ﴿يا قَوْمِ إنما فُتِنتُمْ﴾ أي اختُبِرْتم ﴿به﴾ لتقوم الحجّة لله عليكم إذا سُئِلتم ﴿وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ﴾ ومن رحمته بكم أنه أمْهلكم ورزقكم مع كونكم اتّخذتم إلهًا تعبدونه غيره سبحانه. ثم قال لهم: ﴿فاتَّبِعوني﴾ لما علم أن في

---

[1] [طه: ٨٦]

[2] ش: يئس.

[3] ب، ش، غ، ف: واجدًا.

[4] ش: - لهم.

[5] [طه: ٨٨]

سفر غضب اور رجوع

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿جب موسیٰ اپنی قوم پر شدید غصے کی حالت میں افسوس کرتے ہوئے لوٹے﴾ (طہٰ:۸٦)

میں خود اپنے کیے پر غضبناک تھا، اور غلطی بھی کسی کی نہ تھی تو میں نے کہا: غلطی اُسی کی ہے جو پہلے چلا گیا۔ میں خوش بھی تھا اور خود کو کُوس بھی رہا تھا کہ اِس بڑھاپے میں مجھ سے یہ کیا سرزد ہوا۔ اگر میں حق ہوتا تو (میرا وجود) اُس سے نہ ہوتا، اور اگر میں (بحیثیت عین) مخلوق ہوتا تو میں تقدمِ (عین) کا قائل نہ ہوتا۔

اپنی قوم پر غضبناک اور پُر افسوس کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ یہ بچھڑا اس لیے تھا کہ جب سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانے والے ستر لوگوں میں شامل تھا تو اللہ نے اُس کی نظر سے پردہ ہٹادیا، اُس نے ادھر ایک ایسے فرشتے کو دیکھا جو بیل کی صورت پر تھا، اور یہ حاملین عرش میں سے تھا؛ (حاملین عرش) چار فرشتے ہیں:[74] ایک شیر کی صورت پر، ایک چیتے کی صورت پر، ایک بیل کی صورت پر اور چوتھا انسان کی صورت پر۔ جب سامری نے بیل کو دیکھا تو سوچا کہ یہی موسیٰ علیہ السلام کا وہ خدا ہے جو اُن سے کلام کرتا ہے، لہٰذا اُس نے قوم کے لیے ایک بچھڑے کا بُت بنایا اور کہنے لگا: ﴿یہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے﴾ (طہٰ:۸۸) اِسے اُن کے زیورات سے ڈھالا تاکہ اُن کے دل اپنے اموال کی پیروی کریں، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ دل مال کی محبت[75] سے وابستہ ہوتے ہیں، اور یہ بھی جانتا تھا کہ مال کی محبت انہیں اِس غور و فکر سے محجوب رکھے گی کہ آیا یہ (بچھڑا) نفع یا نقصان دے سکتا ہے یا ان کے پوچھنے پر بول کر جواب ہی دے سکتا ہے۔

(اس موقع پر) ہارون علیہ السلام اُن سے کہنے لگے: ﴿اے قوم! تمہیں آزمایا گیا ہے﴾ یعنی تم اِس (بچھڑے) سے آزمائے جارہے ہو تاکہ جب تم سے سوال کیا جائے اُس وقت تم پر اللہ کی حجت قائم ہوجائے۔ ﴿بیشک تمہارا رب تو الرحمٰن ہے﴾ (طہٰ:۹۰) اور یہ تم پر اُس کی رحمت ہی ہے کہ اُس نے تمہیں مہلت دی اور باوجود اِس کے کہ تم نے اُس پاک (ذات) کے سوا کسی اور کو

اتباعهم إيّاه الخير ﴿وَأَطِيعُوا أَمْرِي﴾[١] لكون موسىٰ – عليه السلام – أقامه فيهم نائبًا عنه. فـ ﴿قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ﴾ يريدون عبادة العجل، ﴿عَاكِفِينَ﴾ أي ملازمين، ﴿حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ﴾[٢] الذي بُعِثَ إلينا وأُمِرْنا بالإيمان به. فحجبهم هذا النظر أن ينظروا فيما أمرهم به هارون – عليه السلام –. فلما رجع موسىٰ إلىٰ قومه وجدهم قد فعلوا ما فعلوا. فـ ﴿أَلْقَى الْأَلْوَاحَ﴾ من يده ﴿وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ﴾[٣] عقوبةً له بنائبه في قومه. فناداه هارون – عليه السلام – بأمه؛ فإنها محلّ الشفقة والحنان ﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ ولقد خشِيتُ لما وقع ما وقع من قومك أن تلومني علىٰ ذلك و ﴿تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ﴾ أي تلزم ﴿قَوْلِي﴾[٤] الذي أوْصَيْتُك به.

ثم ردّ وجْهَه إلىٰ السامري فقال له: ﴿فَمَا خَطْبُكَ﴾ أي ما حديثك ﴿يَا سَامِرِيُّ﴾[٥] فقال له السامري ما رآه من صورة الثور الذي هو أحد حَمَلة العرش، فظنّ أنه إله موسىٰ الذي يكلّمه. فلذلك صنعْتُ لهم العجل وعلمتُ أن جبريل ما يمُرّ بموضع إلا حيِيَ به؛ لأنه روح، فلذلك قبضْتُ من أثره – لعلمه[٦] بحياة تلك القبضة – فنبذتُها في العجل، فخار. فما فعله السامري إلا عن تأويل، فضلَّ وأضلَّ؛ فإنه ما كلُّ تأويلٍ يصيب، مع علمه أن التجلّي في الصُّوَر جاءتْ به الشرائع مع التنزيه.

---

[١] [طه: ٩٠]

[٢] [طه: ٩١]

[٣] [الأعراف: ١٥٠]

[٤] [طه: ٩٤]

[٥] [طه: ٩٥]

[٦] ك، ب: لعلمي.

معبود بنا کر عبادت شروع کر دی وہ تمہیں رزق دے رہا ہے۔ پھر آپ قوم سے کہنے لگے: ﴿میری اتباع کرو﴾ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کی اتباع میں ہی ان کے لیے بھلائی ہے ﴿اور میری بات مانو﴾ (طہ: ۹۰) کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اِن لوگوں میں اپنا نائب بنایا تھا۔ ﴿وہ کہنے لگے: ہم اِس سے ہرگز نہیں ہٹیں گے﴾ (طہ: ۹۱) یعنی اِس بچھڑے کی عبادت سے ﴿عاکفین﴾ یعنی اِس کے پاس رہیں گے ﴿جب تک کہ موسیٰ ہماری طرف نہ لوٹ آئیں﴾ (طہ: ۹۱) جو ہماری طرف بھیجے گئے ہیں اور جن پر ایمان لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اُن کے اِس موقف نے انہیں ہارون علیہ السلام کی بات پر غور کرنے سے روکے رکھا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم میں لوٹے اور اپنی قوم کے کرتوت دیکھے تو آپ نے اپنے ہاتھ (میں اٹھائی) ﴿تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے﴾ (الاعراف: ۱۵۰) یہ آپ کا قوم میں اپنے نائب کو سزا دینا تھا۔ یہاں ہارون علیہ السلام نے انہیں اپنی ماں کے واسطے سے پکارا؛ کیونکہ ماں شفقت اور نرمی کی جا ہوتی ہے ﴿کہا: اے میری ماں جائے! مجھے داڑھی اور سر سے مت پکڑیئے﴾ جب آپ کی قوم نے یہ کرتوت کیے تو میں ڈر گیا کہ کل آپ مجھے ملامت نہ کریں اور یہ نہ ﴿کہیں: تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا پاس نہ رکھا﴾ (طہ: ۹۴) یعنی جو بات میں نے تجھے نصیحت کی اُسے (خود پر) لازم نہ کیا۔

پھر آپ نے اپنا رخ سامری کی طرف کیا اور اُس سے بولے: ﴿تیرا کیا کہنا ہے، سامری﴾ (طہ: ۹۵) سامری نے آپ کو بتایا کہ اُس نے بیل کی صورت میں حاملین عرش میں سے ایک فرشتہ دیکھا اور یہ گمان کیا کہ یہی موسیٰ کا وہ خدا ہے جو آپ سے کلام کرتا ہے۔ (کہنے لگا:) اِسی لیے میں نے اُن کو ایک بچھڑا بنا دیا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ جبرائیل جس جگہ سے گزرتے ہیں تو وہ آپ کے گزرنے سے زندہ ہو جاتی ہے؛ کیونکہ آپ روح ہیں۔ اِسی لیے میں نے اس جگہ سے مٹی اٹھائی جہاں سے وہ گزرے- کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اِس مٹی میں تاثیر حیات ہے- اور یہ بچھڑے پر دے ماری تو وہ بول پڑا۔ سامری نے یہ سب تاویل سے کیا، چنانچہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا؛ کیونکہ ہر تاویل درست نہیں ہوتی، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ (مختلف) صورتوں میں تجلی کا ذکر شریعتیں تنزیہ کے ساتھ لائی ہیں۔

فقبِلَ موسىٰ عُذْر أخيه فـ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾[1] وأمّا الذين عبدوا العِجل فما أعطَوْا النظرَ الفكري حقَّه للاحتمال الداخل في القِصّة، فما عذرهم الحقُّ ولا وفّىٰ عابِدوه النظرَ في ذلك. فثبت بهذه الآية النظر العقلي في الإلهيات حتىٰ يَرِدَ الشرعُ بما يَرِدُ في ذلك. وأما الذلة التي نالتْ بني إسرائيل في الدنيا[2] فمشهودة إلىٰ اليوم. ما أقام الله لهم عَلَمًا، وما زالوا أذِلاّء في كلّ زمان وفي كلّ ملة. وجعل الله ذلك جزاءَ المُفْتري علىٰ الله حيث نسب إليه من غير ورود شرع ما لا يليق في النظر الفكري أن يكون عليه الإله المعبود من الصفات. ﴿وَاللهُ يَقُولُ الحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾.

---

[1] [الأعراف: ١٥١]

[2] ف، غ: - في الدنيا.

حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی کا عُذر قبول کیا: ﴿اور کہا اے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے، ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر اور تُو ہی ارحم الراحمین ہے﴾ (اعراف: ۱۵۱) جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی انہوں نے اِس قصے میں احتمال کے دخل کے باعث نظر فکری کو اُس کا حق نہ دیا، نہ تو حق نے اُن کا عُذر قبول کیا اور نہ ہی ان عبادت گزاروں نے کامل غور و فکر سے کام لیا۔ اِس آیت سے ثابت ہوا کہ الٰہیات میں نظر عقلی اُس وقت تک ہے جب تک شریعت اِس بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ جہاں تک اس ذلت کا تعلق ہے جو بنی اسرائیل کو اِس دنیا میں لاحق ہوئی تو وہ آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اللہ نے اُن کا کوئی جھنڈا (یعنی ملک) قائم نہیں کیا، یہ ہر دور اور ہر ملت کے تحت ذلیل ہی رہے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے اس کو صلہ ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ شریعت آنے سے قبل ہی اُس سے وہ صفات منسوب کرے جو نظر فکری میں بھی کسی معبود خدا کے شایانِ شان نہیں۔ ﴿اللہ ہی حق کہتا اور راہ دکھلاتا ہے﴾

سفر السعي على العائلة

لقد فُزْتُ بالسعي الجميل على أهلي بربِّي فجلَّى لي العناية في شُغْلي
فلولاهم ما كُنتُ عبْدًا مقرَّبًا ولا كنت من أهل السيادة والفضلِ
ولا سلكتْ[1] نفسي إذا ما زجرْتُها عن الشغل بالأكوان في أقْوَم السُّبْلِ
وكنت مع المختار في ظل عرشه إذا كانت الأنصار تأتي مع الرُّسْلِ

قال الله - تعالى -: ﴿إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾[2] فانظر ما أعْجبَ قوّةَ النبوّة لأنه وجد الهدى. وهذا يدلّك على أنه ما قطع فيما[3] أبصر، أنه نار ولا بدّ. وكل نار فهو نور إذا اشتعل، والأنوار مُحرِقة بلا شك في الأجسام القابلة للاحتراق والاشتعال. ورد في الخبر الصحيح «لأحرقتْ سُبُحات وجهه ما أدركه بصرُه مِن خلْقه» والسبحات الأنوار، وأخبر أن السبحات تبلغ أشِعّتها مبلغ ناظر العين في الإدراك.

واعلم أن الأمر الواحد قد تكون له وجوهٌ مختلفة، فيكون من كونه كذا عنه كذا، ومن كونه كذا أي حُكْمٍ آخَرَ يكون عن ذلك أمر آخر. فالأمر من كونه يُرى ما هو[4] كونه يُعلَم، ومن كونه يُعْلَم ما هو[5] كونه يُسْمَعُ، وإن كان الأمر الذي يُدرك به أمرٌ واحدٌ في عينه، وتختلف تعلُّقاتُه، فيقول[6] فيه بالنظر إلى الأمر الواحد؛ إنه يسمع بما به يبصر بما به يتكلّم إلى غير ذلك. وبعض النُظّار يجعل لكل حكم إدْراكًا خاصًا

---

[1] ا،م: سكنت.

[2] [طه: ١٠]

[3] ي: بدون النقط. ك، ب، ش، م، ا: مما.

[4] ف، ا، غ: + من.

[5] ف، ا، غ: + من.

[6] غ: فنقول. ي، ك، ش: بدون النقط.

گھر والوں کے لیے بھاگ دوڑ کا سفر

اپنے گھر والوں کے لیے خوبصورت سی کوشش سے میں نے اپنے رب کو پالیا، اُس نے میرے ہی کام میں مجھ پر عنایت والی تجلی کی، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو میں بھی مقرب بندہ نہ ہوتا، اور نہ ہی میرا شمار اہل سیادت اور اہل فضل میں ہوتا۔ اور اگر میں اِسے مخلوقات میں مصروف ہونے پر جھڑکتا تو میرا نفس کبھی سیدھے راستے پر نہ پہنچتا، میں اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُس کے عرش کے سایے میں ہوں گا جب انصار (یعنی مددگار) رسولوں کے ساتھ آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ہو سکتا ہے میں اِس سے تمہارے لیے ایک چنگاری لے آؤں یا آگ سے ہدایت پالوں﴾ (طٰہٰ: ۱۰) غور کر نبوت کی قوت کتنی زبردست ہے کہ آپ نے ہدایت پالی۔ اِس سے تجھے پتا چلتا ہے کہ آپ نے دیکھتے ہی قطعی طور پر یہ یقین نہیں کر لیا کہ یہ لازماً آگ ہی ہے۔ آگ جب جلتی ہے تو نور ہوتی ہے، اور انوار بے شک اُن اجسام کو جلا دیتے ہیں جن میں جلنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے: "اُس کے چہرے کی پاکیزگیاں لازماً اُس ادراک کو جلا دیں گی جو مخلوق کی آنکھ اُس (ذات) میں سے دیکھنا چاہے۔" یہ پاکیزگیاں انوار ہی ہیں، اُس نے بتایا ہے کہ ان پاکیزگیوں کی شعاعیں دیکھنے والی آنکھ کے ادراک تک پہنچ جاتی ہیں۔[۷۶]

اور جان کہ ایک معاملے کے مختلف رخ ہو سکتے ہیں، مثلاً اِس طرح سے ہو تو ایسا ہو گا اور اگر اُس طرح سے ہو تو اِس دوسرے رخ سے ایک دوسرا حکم ہو گا۔ کسی معاملہ کو دیکھنا اُسے جاننا نہیں، اور اُسے جاننا اُسے سننا نہیں، اگرچہ کہ وہ معاملہ - جس کا ادراک ہوا - اپنی عین میں ایک ہی ہے لیکن اُس کے تعلقات مختلف ہیں، پس وہ (شخص) اس (معاملے) میں ایک طرف نظر کرتے ہوئے کہتا ہے: وہ سنتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے جس سے وہ بولتا ہے وغیرہ وغیرہ۔[۷۷] بعض غور کرنے والے حضرات ہر حکم کے لیے ایک خاص ادراک مقرر کرتے ہیں جو کہ دوسرے (حکم

غير الإدراك الآخر؛ فيُعدِّدُ.[1] وإن كنّا لا نقول بذلك ولكن سُقْناه ليعلم السامع أنّا قد علمْنا أنّ ثَمَّ من يقول بهذه المقالة، وإن كُنّا لا نرْتضيها. وإنما اختلفت التعلُّقات لاختلاف المتعلَّق لا لاختلاف المتعلِّق اسم فاعل.

فالعين واحدةٌ والحكم مختلِفٌ	والقائلون بذا قومٌ لهم نظرُ
الله أعظم أن تُدْرىٰ مقاصده	في خلقه بل له الآيات والعبرُ
جلّ الإله فلا عقلَ يُحصّله	وعزّ قدْرًا فما يَحْظىٰ به بشرُ
لكنّ له صُوَرٌ فينا محقّقةٌ	جاء الخطاب بها في ضِمْنها صُوَرُ
تَعْنو لصورةٍ من تُعْزىٰ له صوَرٌ	فما ترىٰ صورًا إلا لها سوَرُ

واعلم أن كل خير في السعي علىٰ الغير،[٣٩] والسعي علىٰ الأهل من ذلك، وشرف الأهل بشرف من يُضاف إليه. ورد في الحديث في أهل القرآن أنّ «أهل القرآن هم أهل الله وخاصته». فما عَظُمَ[2] أجرُ من سعىٰ في حق الله إلا من أجل الأهلية فافهم. إذا كانت عناية الله بأهل البيت النبوي المحمدي ما ذكر الله لنا في كتابه في قوله - تعالىٰ -: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾[3] فإن الفرّاء لما سُئِل عن الرجس، ما هو؟ قال القَذَر. فإذا كان الله مع أهل بيت النبوة يريد ذهاب الرجس وحصول التطهير[٤٠] فما ظنك بأهل القرآن الذين هم أهله وخاصته؟ فالحمد لله الذي جعلنا منهم. وأقلّ الأهلية في ذلك حمل حروفه محفوظةً في الصدور، فإن تخلّق بها حمل وتحقّق به وكان من صفاته فبَخٍ علىٰ بَخ.

---

[1] ش: فتعدد. م: فيتعدد.

[2] ب، ش، م، ف، غ: أعظم.

[3] [الأحزاب: ٣٣]

والا) ادراک نہیں؛ یوں یہ ایک سے زائد ہوئے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل نہیں لیکن ہم نے یہ بات صرف اِس لیے کی تا کہ سننے والا جان جائے کہ ہمارے علم میں یہ ہے کہ بعض لوگ یہ بات کرتے ہیں، حالانکہ ہم اِسے درست نہیں سمجھتے۔ بیشک تعلقات کا اختلاف "متعلَق" (اسم مفعول) کے اختلاف سے ہے نہ کہ "متعلِق" اسم فاعل کے اختلاف سے۔

عین تو ایک ہی ہے مگر حکم مختلف ہے، اِس بات کی قائل وہ جماعت ہے جو غور کرتی ہے۔ اللہ اِس سے بہت بڑا ہے کہ اُس کی مخلوق میں اُس کے مقاصد جانے جائیں، بلکہ اس کی نشانیاں اور تعبیریں ہیں۔ پاک ہے وہ الہ کہ عقل اُسے نہیں پا سکتی، اور بڑی قدر والا کہ بشر اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر اُس کی ہم میں محقّق صورتیں ہیں، انہی (صورتوں) سے خطاب آیا، ان میں مزید صورتیں ہیں، یہ اُسی صورت کی طرف لوٹتی ہیں جس سے ساری صورتیں منسوب ہیں، چنانچہ تُو جو بھی صورتیں دیکھتا ہے تو وہ اِن سب پر محیط ہے۔

جان لے کہ ساری بھلائی دوسروں کے لیے بھاگ دوڑ کرنے میں ہے [۷۸]، اور اپنے گھر والوں کے لیے بھاگ دوڑ بھی اِس میں شامل ہے۔ اہل کا شرف اُسی سے ہے جس سے اِس کو نسبت دی جائے۔ اہل قرآن کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے: "بیشک اہل قرآن، اہل اللہ اور اُس کے خاص بندے ہیں۔" [۷۹] پس اُس کا اجر کتنا عظیم ہو گا جو اللہ کے حق کے لیے بھاگ دوڑ کرے صرف اِس لیے کہ اس کا شمار اہل اللہ میں ہو جائے، یہ سمجھ۔ اہل بیت النبوی المحمدیؐ کے ساتھ اللہ کی عنایت اللہ نے ہمیں اپنی کتاب کے اِس قول میں بتائی: ﴿(اے پیغمبر کے) اہل بیت، اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے﴾ (الاحزاب: ۳۳) جب (لغت عربی کے امام) الفراء [۸۰] سے "رِجس" کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ گندگی ہے۔ اگر اللہ تعالی اہل بیتِ نبوت سے گندگی کو دور کرنا اور پاکیزگی کا حصول چاہتا ہے [۸۱] تو اہل قرآن کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جو اُس کے اہل اور خاص (الخاص) ہیں؟ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے کہ اُس نے ہمیں اِن (لوگوں) میں سے بنایا۔ اِس بارے میں کم سے کم اہلیت اس (قرآن) کے حروف کو اٹھانا ہے جو کہ سینوں میں محفوظ ہیں (یعنی حافظ

ولقد بلغني عن أبي العباس الخشّاب من أصحاب أبي مدين بمدينة فاس أن رجلًا دخل عليه وبيده كتاب من كتب الطريق، فقرأ عليه ما شاء الله وأبو العباس ساكتٌ. فقال له الرجل: يا سيدي لِمَ لا تتكلم لي عليه. فقال له أبو العباس: «اقْرَأْني». فعَظُم على الرجل هذا الكلام، فدخل على شيخنا أبي مدين، فقال له: يا سيّدنا كنتُ عند أبي العباس الخشاب وقرأت عليه كتابًا في الرقائق ليتكلّم لي عليه، فقال لي اقْرَأْني. فقال الشيخ: صدق أبو العباس، على ما كان يحوي ذلك الكتاب؟ فقال: على الزهد والورع والتوكل والتفويض وما يقتضيه الطريق إلى الله. فقال له الشيخ: فهل كان فيه شيء ما هو حالٌ لأبي العباس الخشاب؟ قال: لا. فقال له الشيخ: فإذا كانت أحوال الخشاب جميع ما يحوي عليه ذلك الكتاب، ولم تتّعِظْ بأحواله، ولا تخلّقتَ بشيء من ذلك فما فائدة قراءتك عليه وسؤالك أن يتكلم لك؟ وقد وعظك بحاله، وأفصح في ذلك ونصح. فخجل الرجل وانصرف. أخبرني بهذه الحكاية عنه الحاج عبد الله المَوْرُوري[1] بإشبيلية في جماعة.

فانظر يا وليي إلى حُسْن طريقتهم ما أعْجَبها، جعلنا الله منهم وألحَقَنا بهم؛ إنه وليُّ ذلك والقادر عليه.

---

[1] ش، غ، ف: الموروي.

قرآن ہونا ہے) اگر وہ اِس (حفظ کے ساتھ ساتھ اس کلام) سے متخلق اور متحقق بھی ہو، اور یہ (قرآن) اِس کی صفات میں سے ہو تو سونے پر سہاگہ ہے۔

مجھے ابو العباس الخشاب [۸۲] کے بارے میں بتایا گیا جو کہ شہر فاس میں ابو مدین [۸۳] کے ساتھیوں میں سے تھے کہ ایک شخص اُن کے پاس آیا، اُس کے ہاتھ میں راہِ طریقت کی کتابوں میں سے ایک کتاب تھی، اُس نے اِس میں سے جو اللہ نے چاہاوہ پڑھا جبکہ ابو العباس خاموش رہے۔ پھر وہ بولا: حضرت! (جو میں نے پڑھا ہے) آپ اِس پر کلام کیوں نہیں فرماتے؟ ابو العباس بولے: "مجھے پڑھ۔" اُس شخص کو یہ بات بڑی ناگوار گزری، لہٰذا وہ ہمارے شیخ ابو مدین کے پاس آیا اور کہنے لگا: سرکار میں ابو العباس الخشاب کے پاس گیا تھا اور میں نے ان کے سامنے تصوف کی ایک کتاب سے کچھ پڑھا تا کہ وہ اس پر مجھ سے بات کریں، مگر وہ تو مجھے کہنے لگے: مجھے پڑھ۔ شیخ (ابو مدینؒ) بولے: ابو العباس نے سچ کہا، وہ کتاب کس شے پر مشتمل تھی؟ بولا: زہد، ورع، توکل، تفویض [۸۴] اور راہِ طریقت کے تقاضوں کے بارے میں تھی۔ پھر شیخ نے اُس سے پوچھا: کیا اِس کتاب میں کچھ ایسا بھی تھا جو ابو العباس الخشاب کا حال نہ ہو؟ بولا: نہیں۔ شیخ بولے: اگر یہ کتاب ابوالعباس الخشاب پر ہی مشتمل تھی اور تو نے اِن کے احوال سے نصیحت نہ پکڑی، اور نہ ہی ان احوال سے خود کو متخلق کیا تو کیا فائدہ کہ تو اُن کے سامنے کتاب پڑھے اور اُن سے کہے کہ اس پر بات کریں؟ انہوں نے تجھے اپنے حال سے تلقین کی، بہترین طریقے سے بات سمجھائی اور نصیحت کی۔ یہ سن کر وہ شخص شرمندہ ہوا اور چل دیا۔ آپ کا یہ قصہ مجھے الحاج عبد اللہ الموروری [۸۵] نے اشبیلیہ میں ایک محفل میں سنایا تھا۔

اے دوست! ان لوگوں کے طریقے کی خوبصورتی پر غور کر کہ یہ کیا خوب ہے، اللہ تعالی ہمیں بھی اِن جیسا بنادے اور اِن سے ملادے، وہ تو اِس پر حاکم اور قادر ہے۔

سفر الخوف

فررْتُ مني إليه إذ خفت منه عليه

وذاك من جهل نفسي بما تؤول إليه

قال - تعالى -: ﴿فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾[1] وقال - تعالى -: ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ﴾[2]

ما مرّ يومٌ[3] علينا إلا بَكَيْتُ عليه

إذا مشى وتقضّى بما نؤول[4] إليه

إنّي رأيتُ أمورًا وكلها في يديه

تجري على حكم وقتي فالحكمُ فيَّ لَدَيه

الخوف من مقام الإيمان،[٤١] قال الله -تعالى -: ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾[5] وقال في حق الملائكة ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾[6] وأفعالهم أفعال الخائفين. وقال في حق طائفة يمدَحهم: ﴿يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾[7] فلكل موطن خوفٌ يخصه إذا حققت ذلك، فما متعلَّق كل خوف إلا ما يكون من الله؛ وهو مُحْدَث. فما الخوف إلا من المحدَثات، والله

---

[1] [الشعراء: ٢١]

[2] [القصص: ٢١]

[3] ش: يومًا.

[4] ش: مما يؤول. ا، ك، ف: بما تؤول.

[5] [آل عمران: ١٧٥]

[6] [النحل: ٥٠]

[7] [النور: ٣٧]

سفرِ خوف

میں خود کو چھوڑ کر اُس کی طرف بھاگا، جب میں اُس سے اِس بارے میں ڈرا، اور یہ
میرے نفس کی جہالت سے تھا کہ اِسے اُسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اللہ تعالیٰ (حضرت موسیٰ کا قول نقل) فرماتا ہے: ﴿جب میں نے تم سے خوف کھایا تو بھاگ گیا، پھر میرے رب نے مجھے دانائی بخشی اور رسولوں میں سے بنا دیا﴾ (الشعراء:۲۱) اور اللہ فرماتا ہے: ﴿وہ ان سے چھپتا چھپاتا خوف کی حالت میں بھاگا﴾ (القصص:۲۱)

ہم پر جو دن گزرتا ہے تو میں اِس پر روتا ہوں، یہ تو گزر گیا اور کر گیا جو کہ ہمارا انجام
ہونا ہے۔ میں نے معاملات کو دیکھا ہے کہ یہ سب اُسی کے ہاتھ ہیں، یہ میرے وقت
(یعنی میری عین) کے حکم سے چلتے ہیں، پس مجھ میں حکم اُس کے پاس ہے۔

خوف مقامِ ایمان میں سے ہے[۸۶]، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِن سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو﴾ (آل عمران:۱۷۵) اور اُس نے فرشتوں کے بارے میں کہا: ﴿وہ اپنے اوپر اپنے رب سے خوف کھاتے ہیں اور جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں﴾ (النحل:۵۰) اِن کے افعال خوفزدہ لوگوں جیسے افعال ہیں۔ ایک گروہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وہ اُس روز سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور نگاہیں پلٹ جائیں گی﴾ (النور:۳۷) لہٰذا اگر تو تحقیق کرے تو ہر ٹھکانے سے مخصوص ایک خوف ہے،[۸۷] اور ہر خوف کا تعلق اُس چیز سے ہے جو اللہ کی طرف سے ہے، اور یہ محدث ہے۔ پس خوف محدثات سے ہے، اور اِسے اللہ ہی ایجاد کرتا ہے، یوں ہمارے خوف کا تعلق اِس کے موجِد سے ہے، اور یہ اُس کا کہنا ہے: ﴿اور مجھ ہی سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو﴾ (آل عمران:۱۷۵) پس اُس نے خوف کو ایمان کا نتیجہ قرار دیا؛ بیشک (ایمان) ایک ایسی خدائی خبر پر موقوف ہے جو اللہ کی جانب سے ایک سچا (رسول) لے کر آتا ہے، اور ایمان کے بغیر علم (خوفزدہ) نہیں کرتا۔ خاص طور پر جبکہ دلیل سے یہ ثابت ہے کہ یہ عالم اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ حق تعالیٰ علیم اور حکیم ہے، چنانچہ یہ عالم اُس عالِم سے بہترین صورت پر ظاہر

يُوجِد ذلك، فتعلق خوفُنا بالموجد لذلك، وهذا قوله ﴿وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[1] فجعل الخوف نتيجة الإيمان؛ فإنه موقوف على الخبر الإلهي الذي يأتي به الصادق من عند الله، فإن العلم من غير إيمان لا يعطيه. ولا سيما وقد دل الدليل أن العالم مصنوعٌ لله - تعالى - وثبت أنه - تعالى - عليم حكيم، فخرج العالم على أحسن صنعة من عالم. فما ثَمَّ ما يدل على فساده، لكن ينتقل من حال إلى حال ومن منزل إلى منزل، هذا غير محال. ولهذا الانتقال حصل الخوف عند الرجال من الله؛ لأنهم لا يعرفون مراد الله فيهم ولا إلى[2] أين ينقلهم ولا في أي صفة وطبقة يميزهم. فلما أُنبهم[3] الأمر عليهم عظم خوفهم منه.

وأما خوف الملائكة فهو خوف نزول عن مرتبة إلى مرتبة أدنى، ولا سِيَّما وقد رُوي أن إبليس كان من أعبد الخلق لله - تعالى - وحصل له الطرد والبعد من السعادة التي كان يرجوها في عبادته من الله - تعالى -، لما حقَّتْ عليه كلمة العذاب عاد إلى أصله الذي خُلِق منه؛ وهو النار، فما عُذِبَ إلا به. فسبحان الحَكَم العدل.

ورجال الله يخافون من الاستبدال، وهذا[4] الذي يدعوهم إلى تفقُّد أحوالهم مع الله - عز وجل - في كل نَفَس ولا سيما، والله يقول: ﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾[5] يعني فيما وقع منهم من المخالفة لأمر الله، بل يكونون على أتمِّ قَدَم وأقواه في طاعة الله.

فلولا الله ما عُرِفَ المقام ولا وُجِدَ الوراءُ ولا الأمام

[1] [آل عمران ١٧٥]

[2] ش: - إلى.

[3] ك: استبهم، وفي الحاشية: بخط الشيخ "انبَهَم".

[4] ك، ب: وهو.

[5] [محمد: ٣٨]

ہوا۔ یہاں اس (عالم) کے فساد پذیر ہونے پر کوئی دلیل نہیں، مگر یہ ایک حال سے دوسرے حال اور ایک منزل سے دوسری منزل میں منتقل ہوتا رہتا ہے، اور یہ (انتقال) محال نہیں۔ اسی انتقال کی وجہ سے اللہ والوں کو خوف لاحق ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ اپنے بارے میں اللہ کی مراد نہیں جانتے اور نہ یہ (جانتے ہیں) کہ وہ (اللہ) انہیں کہاں لے جائے گا، یا کس صفت اور طبقے میں انہیں رکھے گا۔ پس جب اُن پر معاملہ مبہم ہوا تو اُس (ہستی) سے اِن کا خوف اور بھی بڑھ گیا۔

جہاں تک فرشتوں کے خوف کا تعلق ہے تو وہ عالی مرتبے سے ادنی مرتبے میں اترنے کا خوف ہے، خاص طور پر ابلیس کے بارے میں جو روایت کیا گیا کہ وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھا اور اس عبادت سے سعادت کا امیدوار تھا لیکن اسے دھتکار اور سعادت سے دوری ہی ملی، جب اُس پر کلمۂ عذاب واجب ہوا تو وہ اپنی اس اصل کی طرف لوٹ آیا جس سے اس کی تخلیق ہوئی تھی؛ اور وہ آتش ہی ہے؛ سو اِسی سے اُسے عذاب دیا جائے گا۔ لہٰذا پاک ہے وہ حکمت اور عدل والی ذات۔

اللہ والے اِسی تبدیلی سے خوف کھاتے ہیں، اور خاص طور پر یہی بات انہیں اللہ کے ساتھ ہر لمحے اپنے احوال پر نظر رکھنے پر مجبور کرتی ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہارے علاوہ دوسری قوم لے آئے گا اور وہ تمہارے جیسے نہیں ہوں گے﴾ (محمد: ۳۸) یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت میں (تم جیسے نہیں ہوں گے) بلکہ وہ تو اللہ کی اطاعت میں ثابت قدم اور زیادہ قوی ہوں گے۔

"اگر اللہ نہ ہوتا تو (کوئی) مقام نہ جانا جاتا، اور نہ ہی پیچھے اور آگے ہوتا۔"

پس ہم اللہ سے موجود ہوئے اور اُسی کی طرف بلائے اور لوٹائے گئے ﴿بیشک اللہ کی طرف ہی امور کا لوٹایا جانا ہے﴾ (الشوریٰ: ۵۳) جب اللہ نے مجھے مقام خوف میں کھڑا کیا تو میں اپنے سایے کی طرف دیکھنے سے بھی ڈرتا تھا کہ کہیں یہ مجھے اللہ سے محجوب نہ کر دے۔ اس سب کے باوجود یہ دنیا امن کا گھر نہیں، چاہے انسان کو سعادت کی خوش خبری ہی کیوں نہ دی جائے، کہ یہ نصیب کی کمی کا گھر ہے، اور اِس کی وجہ صرف تکلیفِ شرعی ہے۔ جب یہ تکلیف۔ جو کہ شارع کا امر و نہی والا خطاب ہے۔ زائل ہو گئی تو بندے کو لاحق یہ عارضی خوف بھی اٹھ گیا اور اُس کے

فبالله وُجِدْنا وإليه دُعينا ورُدِدْنا ﴿أَلَا إِلَى اللهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ﴾[1] ولما أقامني الله في مقام الخوف كنت أخاف من ظِلِّي أن أنظر إليه لئلا يحجبني عن الله تعالى.[2] ومع هذا كله فما هي الدنيا دار أمان، ولو بُشِّرَ الإنسان بالسعادة، فإنها محل نقص الحظوظ، وسبب ذلك إنما هو التكليف الشرعي. فإذا زال التكليف الذي هو خطاب الشارع بالأمر والنهي، ارتفع عن العبد الخوف العرضي وبقيت له الهيبة، فيكون خوفه هيبةً للمشهد الإلهي. قال الشاعر يصف جلال حضرة في حق قوم:

كأنما الطير منهم فوق أرؤسهم ... لا خوف ظلم ولكن خوف إجلال

جعلنا الله من أهل الهيبة والتعظيم؛ فإن ذلك لا يكون إلا من استيلاء العظمة بسلطانها على قلب العبد المعتنَى به في المشاهد القدسية الإلهية.

واعلم أن الخفاء في اللسان هو الظهور. قال امرؤ القيس:

خفّاهن من أنفاقهن[٤٢]

أي أظهرهن[3]، يعني اليرابيع؛ فإن اليرابيع تجعل لجحرتها[4] التي تتخذها في الأرض بابين، إذا جاء الصائد من الباب الواحد خرج من الباب الآخر، ويُسمَّى ذلك الجُحْر النافِقاء، ومنه سمي المنافق منافقًا لأن له وجهين؛ وجهًا يقابل به المؤمنين ويظهر أنه معهم؛ ووجهًا يقابل به الكفار ويظهر أنه معهم، فجعلوا لمن هذه صفته اسم المنافق. والله يقول في حق من قال: ﴿نَفَقًا فِي الْأَرْضِ﴾[5] يقول: إن طلبك الأعداء من جانب واحد[6] خرجت من الجانب الآخر طلبًا للسلامة منهم ﴿وَلَوْ شَاءَ اللهُ

[1] [الشورى: ٥٣]

[2] ف، غ: على.

[3] ا: - أي أظهرهن.

[4] ك، ف، ا، غ: بحجرتها.

[5] [الأنعام: ٣٥]

[6] ف: - واحد.

لیے صرف ہیبت باقی رہی، اب اُس کا خوف مشہدِ الٰہی کی ہیبت سے ہو گا۔ شاعر ایک قوم کے بارے میں حاضرت کے جلال کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

(یہ ایسے ساکت و جامد ہیں) جیسے پرندے ان کے سروں پر بیٹھے ہیں، ظلم کے خوف سے نہیں بلکہ جلال کے خوف سے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل ہیبت اور تعظیم میں سے بنائے ^۸۸^؛ اور ایسا اُسی وقت ہوتا ہے جب عظمت ان قدسی الٰہی مشاہد میں اپنی پوری قوت سے عنایت یافتہ بندے کے قلب پر قابض ہو جائے۔

اور یہ بھی جان کہ لغت میں خَفاء ظہور کہلاتا ہے۔ امرؤ القیس ^۸۹^ لکھتا ہے:

اُس نے انہیں اِن کے بِلوں سے نکالا

مطلب یربوع[1] (جنگلی چوہے) کو نکالا؛ بیشک یہ جنگلی چوہے زمین میں اپنے بل کے دو سوراخ بناتے ہیں، اگر شکاری ایک سوراخ سے آئے تو یہ دوسرے سے نکل جاتے ہیں، اس سوراخ کو "النافقاء" کہتے ہیں، اور اِسی وجہ سے منافق کو بھی منافق کہا جاتا ہے کیونکہ اِس کے دو چہرے ہوتے ہیں: ایک چہرے سے وہ مؤمنوں کے سامنے آتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اُن کے ساتھ ہے، اور دوسرے چہرے سے وہ کافروں سے ملتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اُن کے ساتھ ہے۔ پس جس میں یہ خوبی ہو (اہل لغت نے) اس کا نام منافق رکھا۔ اللہ تعالیٰ اُس (شخص) کے بارے میں جو ﴿زمین میں سرنگ﴾ (انعام: ۳۵) کی بات کرتا ہے، کہتا ہے: اگر تیرے دشمن ایک جانب سے تیرا پیچھا کریں تو تو اُن سے بچتے ہوئے دوسری طرف سے نکل جاتا ہے ﴿اگر اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر جمع کر دیتا﴾ (انعام: ۳۵) اور یہ سب ایک سوراخ والے ہو جاتے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں منافقین مؤمنوں کے پاس ایسا منہ بنا کر آتے جس سے وہ یہ ظاہر کرتے کہ وہ ان کے ساتھ ہیں اور مشرکین کے پاس ایسا منہ بنا کر جاتے جس سے یہ ظاہر کرتے کہ وہ اُن کے ساتھ ہیں، کہتے: ﴿ہم تو مذاق کرتے ہیں﴾ (البقرۃ: ۱۴) اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ اِن کے اِس فعل سے جو وہ مؤمنین کے ساتھ کرتے ہیں ﴿اُن سے (ایسا) مذاق کر رہا ہے﴾ جس کا انہیں شعور بھی

[1] چوہے کی نسل کا ایک چھوٹا بل کھودنے والا جانور جو افریقہ اور ایشیا کے ریتیلے مقامات پر پایا جاتا ہے۔

لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ﴾[1] فيكونون[2] أهل باب واحد. وكان المنافقون في زمان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يأتون إلى المؤمنين بوجه يظهرون به أنهم معهم ويأتون المشركين بوجه يظهرون به أنهم معهم ويقولون: ﴿إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ﴾[3] وأخبر الله أنه - تعالى - ﴿يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ [١٥] بذلك الفعل الذي يفعلونه مع المؤمنين، وهم لا يشعرون. فهذا من مكر الله بهم وهو قوله - تعالى -: ﴿وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾[4] فإن شعر به فليس بمكر.

---

[1] [الأنعام: ٣٥]

[2] ب: فتكونون. ف، غ: فيكون من.

[3] [البقرة: ١٤]

[4] [النمل: ٥٠]

نہیں۔ یہ اللہ کا اِن سے مکر کرنا ہے، اور یہی اُس کا کہنا ہے: ﴿انہوں نے ایک چال چلی اور ہم نے ایک چال چلی جس کا انہیں ذرا شعور نہیں﴾ (النمل: ۵۰) کیونکہ اگر اس (چال) کا پتا چل جائے تو پھر یہ مکر نہیں کہلاتا۔



سفر الحذر

لقد جاءني الوحي العزيز بأن أسْرِي بنفسي وأهلي عالم الخلق والأمر
بأنّ[1] الإله الحقّ ربّي قد قضىٰ بموت عدو الدين في غُمَّة البحر

يقول الله – تعالىٰ – حكاية عن قول شخص: ﴿وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ﴾[2] والحذر نتيجة خوف يقول – تعالىٰ –: ﴿خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾[3] فإنه من أخذ حذره من شيء لم يؤْتَ عليه منه، وأكثر ما يؤتَىٰ علىٰ الشخص من مَأْمَنه، أي من الجهة التي يأمن علىٰ نفسه منها. فينبغي للعاقل أن لا يأمن إلا من الجهة التي أمنه الله منها؛ فإن قوله – سبحانه – هو الصدق الذي ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾[4] وهو الصادق سبحانه. وهذا الحذر إن ساعد القدَرُ حينئذ ينفع؛ فإنه ورد «لا يُنْجي حَذَرٌ مِنْ قَدَر»[٤٣] إلا أن يكون ذلك الحذر من القدر، حينئذ تكون به النجاة. ولقد بالغنا في ذلك بقولنا:

يا حذري من حذري لو كان يُغْني حذري

فأبلغ الحذر إنما هو في الحذر من الحذر، أن تتخذه[5] سندًا[6]. ومن رحمة الله – تعالىٰ – بنا أن حذّرَنا نفسَه، وأبلغ من هذا ما يكون فقال – تعالىٰ –: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾[7] ومن رأفته أن حذّرنا نفسه؛ فإنه مَن ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ

---

[1] ك، ب: فإن.

[2] [الشعراء: ٥٦]

[3] [النساء: ٧١]

[4] [فصلت: ٤٢]

[5] ب، ش، ا، م: يتخذه.

[6] ف، ش: مسندا. غ، ا، م: مستندًا.

[7] [آل عمران: ٣٠]

سفرِ احتیاط

میرے پاس عزت والی وحی آئی کہ میں اپنے نفس اور اہل کو لے کر عالم خلق و امر کی سیر کو جاؤں۔ کیونکہ میرے رب سچے خدا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دین کے دشمن کی موت غم کے سمندر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک شخص کا قول بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ﴿اور ہم سب چوکس ہیں﴾ (الشعراء: ۵۶) چوکس رہنا خوف کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿چوکس رہو﴾ (النساء: ۷۱) کیونکہ جو کوئی کسی چیز سے چوکس رہتا ہے تو وہ اس کا نشانہ نہیں بنتا، اکثر اوقات کوئی شخص وہاں سے پکڑا جاتا ہے جہاں سے وہ بے خوف ہوتا ہے۔ لہٰذا عقل مند کو چاہیے کہ صرف اُسی جہت سے بے خوف ہو جس (جہت) سے اُسے اللہ نے بے خوف کیا؛ کیونکہ اللہ سبحانہ کا قول سچ ہے ﴿جس میں باطل نہ سامنے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے﴾ (فصلت: ۴۲) اور وہ پاک ذات سچی ہے۔ یہ ہوشیاری بھی اُسی وقت فائدہ دیتی ہے جب تقدیر ساتھ دے؛ کیونکہ (حدیث میں) آیا ہے: "احتیاط تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔"[۹۰] اِلاّ یہ کہ یہ احتیاط بھی تقدیر سے ہو، تب یہ نجات دلا سکتی ہے۔ ہم نے اِس بارے میں مبالغت سے کام لیتے ہوئے کہا ہے:

اے احتیاط سے میری احتیاط، کاش میری احتیاط مجھے فائدہ دیتی۔

سب سے بہترین احتیاط تو احتیاط سے احتیاط میں ہے، کہیں تو اِس پر بھروسا نہ کر بیٹھے۔ یہ اللہ کی ہم پر رحمت ہی ہے کہ اُس نے ہمیں اپنی ذات سے محتاط رہنے کا کہا، اور اِس بارے میں حد درجہ مبالغت سے کام لیا، وہ متعال فرماتا ہے: ﴿اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے احتیاط برتنے کا کہتا ہے بیشک اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے﴾ (آل عمران: ۳۰) یہ اُس کی مہربانی ہی ہے کہ اُس نے ہمیں اپنی ذات سے احتیاط برتنے کا کہا؛ کیونکہ ﴿جس جیسی کوئی چیز نہیں﴾ (الشوریٰ: ۱۱) وہ ہمیشہ اسی صورت سے پہچانا جاتا ہے کہ ہم اس کی پہچان سے عاجز ہیں۔ یہ ہمارا کہنا ہے: وہ ایسا نہیں، ایسا نہیں، اور ہم اُس (ذات) کے لیے ایمان سے ــ نہ کہ اپنی عقل اور فکر سے ــ وہ ثابت کریں جو اُس

شَيْءٌ﴾[١] لا يُعْرَف أبدًا إلا بالعجز عن معرفته. وذلك أن نقول: ليس كذا وليس كذا مع كوننا نُثبِت له ما أثبته لنفسه إيمانًا لا من جهة عقولنا ولا نظرنا، فليس لعقولنا إلا القبول منه فيما يرجع إليه، فهو الحي ﴿الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾، ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴾، ﴿الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾، ﴿الْحَكِيمُ﴾[٢] بهذا وأمثاله أخبرنا عن نفسه، فنؤمن بذلك كله على علمه بذلك لا على تأويل منا لذلك؛ فإنه ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾[٣] فلا ينضبط لعقلٍ ولا لناظرٍ.[٤] فما لنا من العلم به من طريق الإثبات إلا ما أوصله إلينا في كتبه وعلى ألسنة رُسُله المترجِمين عنه ليس غير ذلك. ونسبة هذه الأسماء إليه غير معلومة عندنا؛ فإن المعرفة بالنسبة إلى أمرٍ ما موقوفة على علم المنسوب إليه، وعلمنا بالمنسوب إليه ليس بحاصل، فعلمنا بهذه النسبة الخاصّة[٥] ليس بحاصل، فالفكر والتفكر والمتفكر يضرب في حديد بارد. جعلنا الله وإياكم ممن عقل، ووقف عند ما وصل إليه منه – سبحانه – ونُقِلَ.

واعلم أن سفر الحذر يُخْرِج صاحبَه من المحسوس إلى المعقول، ومن النعيم إلى العذاب، ومن الستر إلى التجلي، ومن الموت إلى الحياة القائمة بالأكوان التي تنتجها معرفتنا بالعالم. ويؤدي إلى العلم بالنشأة الإنسانية، ومن أين صدرت من حيث جسمية، وبالحركة المستقيمة دون المنكوسة والأفقية، وإن عرفها فبحكم التبعية. ويعلم كل مقام يقتضي له الزيادة والشفوف[٦] على غيره، والنّضرة في كل ما يُبصِره[٧] ويأتيه، فله فيه تفكُّهٌ ونعيم. ويقف من هذا المقام بهذه الصفة على علم

[١] [الشورى: ١١]
[٢] [انظر الحشر: ٢٢ – ٢٤].
[٣] [الشورى: ١١]
[٤] ش، ا، م، ف، غ: ناظر. ب: النّاظر.
[٥] ش، غ، ف: الحاصلة.
[٦] ش: الشفوق.
[٧] ش، م، ا، غ: والنصرة على ما ينصره.

نے خود اپنے لیے ثابت کیا۔ ہماری عقلوں کے لیے اُس سے وہی قبول کرنا ہے جو اُسی کی طرف لوٹتا ہے، پس وہ زندہ ہے ﴿اُس کے سوا کوئی الہ نہیں، وہی المالک، القدوس، السلام، المؤمن، المہیمن، العزیز، الجبار اور المتکبر ہے﴾ ﴿وہ غیب و شہادت کا جاننے والا ہے، الرحمن اور الرحیم ہے﴾ ﴿وہ الخالق، الباری، المصور اور الحکیم ہے﴾ (الحشر: ۲۲-۲۴) اُس نے ہمیں اِن اور اِن جیسی (صفات) کے بارے میں خود بتایا، چنانچہ ہم اِن سب (صفات) پر اُس کے بتانے سے ایمان رکھتے ہیں، اپنی (عقلی) تاویل سے نہیں؛ کیونکہ ﴿اُس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے﴾ (الشوریٰ: ۱۱) اسی لیے وہ عقل اور فکر کی قید میں نہیں آتا۔ ہمارے پاس اثبات کے راستے سے اُس (ذات) کا صرف وہی علم ہے جو اُس نے اپنی کتابوں میں یا اپنی ترجمانی کرنے والے رسولوں کی زبانی ہم تک پہنچایا، اِس کے سوا کوئی (علم) نہیں۔ ان اسما کی اُس (ذات) سے نسبت بھی ہمیں معلوم نہیں؛ کیونکہ کسی معاملے میں نسبت کی معرفت، منسوب الیہ (جس کی طرف نسبت کی جارہی ہے) کے علم پر موقوف ہوتی ہے، جبکہ ہمیں منسوب الیہ کا علم نہیں، لہٰذا ہمیں اِس خاص نسبت کا بھی کچھ پتا نہیں۔ فکر، تفکر اور مفکر ٹھنڈے لوہے پر ضرب لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ایسا بنادے جو فہم رکھتے ہیں اور جب اُن کی طرف اُس پاک ذات سے کچھ آتا ہے یالایا جاتا ہے تو اس پر توقف کرتے ہیں۔

جان لے! سفر احتیاط اپنے مسافر کو محسوس سے معقول، نعمتوں سے عذاب، حجاب سے تجلی اور موت سے موجودات میں قائم اُس حیات کی طرف لے جاتا ہے جو عالم کے بارے میں ہماری معرفت کا نتیجہ ہے۔ یہ (سفر) نشأۃ انسانی کے علم تک پہنچاتا ہے، کہ یہ (نشأۃ) جسمیت کی حیثیت میں کہاں سے ظاہر ہوئی؟ اسی طرح یہ مستقیم حرکت[۹۱] (کا علم بخشتا ہے) نہ کہ منکوس (جھکی ہوئی) اور افقی کا، اگر اُس نے ان (دونوں حرکات) کی معرفت پائی تو حکم تبعی ہے۔ (اِس سفر کا مسافر) ہر وہ مقام جانتا ہے جو دوسروں پر اس کی فضیلت اور افزونی کا تقاضا کرے، اور جس شے کو یہ دیکھتا ہے یا جو اِس تک آتی ہے یہ اُس میں جمال پاتا ہے، اس (مقام) میں اُس کے لیے لطف و سرور اور آسودگی ہے۔ وہ اِس صفت پر اس مقام سے علم میراث سے واقفیت پاتا ہے، یہ کن (علوم) میں واقع ہوتی ہے؟ کوئی کیا (علم بطور) میراث لیتا ہے، کس سے میراث لیتا ہے، اور کون

التوارث، وفيماذا يقع، وما الذي يورث ومن يورث ومن يرث. ومن هذا السفر تُعْرَف[1] مشارق الأنوار ومطالع أهلّة الأسرار، فيحذرون من إدراك الصفات التي تُفنيهم عن ذواتهم - والنعيم بها - إلا أنه تكون النجاة لهم عقيب هذا كله مما يحذرون منه. ولو كان العدوّ ما كان من القوة فإنهم الغالبون بنصر الله؛ فإنه - سبحانه - لا يُقاوَم ولا يغالب؛ فإنه العزيز الرحيم. وهذه الصفة إذا قامت بالعبد فإن الله يأخذ بيده في جميع أموره ويهديه إلى ما فيه نجاته. وله من خرق العوائد: المشي على الماء، والنجاة من الأعداء؛ أعداء الأرواح والبشر، وهلاك الأعداء.

وينتج هذا السفر القرب الإلهي المقرون به سعادة الأبد. وفي هذا المقام يأمن صاحبه في سفره فيه من كل ما يحذره من القواطع التي تحول بينه وبين سعادة الأبدية. ولو صال عليه جميع من في الأرض غلبهم وظهر عليهم. ويحصل لصاحبه المتصف به من الكشف ما يقف به على غوامض الأسرار، إذ كان نوره يُنَفِّر كل شبهة وجهل، ويُبطِل كل تمويه وزور. ويُورث النفس شجاعةً وإقدامًا وقوةً، فيفعل بالهمة ما لا يقدر على فعله بالأجرام ولا بالعدد. غير أن صاحب هذا السفر يحصل له في أول دخوله فيه هَلَعٌ طبيعي وضيق صدرٍ وخوف لما يراه في أول طريقه من ضعفه وقوة هذا المقام. وهذا الضعف والذلة القائمة به تورثه العزة والقوة، ويكشف له علم الظاهر والباطن فلا يخفى عليه شيء. ويتولاه الله بنفسه في خروجه إلى الإرشاد والهداية فيكون مُعانًا. وتحصل له البشرى من الله حتى يأمن، فتتوفّر[2] داعيته[3] إلى

---

[1] ش، ا، م: يعرف.

[2] ب، ش، غ، م: فيتوفر.

[3] ش: دواعيه.

وارثت چھوڑتا ہے؟ اِسی سفر سے "مشارق الانوار اور مطالع ہلالِ اسرار" کا پتا چلتا ہے، لہٰذا وہ اُن صفات (الٰہیہ) کو پانے سے احتیاط برتتے ہیں جو انہیں اِن کی ذوات سے فنا کر دیں، جبکہ لذت انہی سے ہے، الا یہ کہ اُن کے لیے اِس سب کے بعد نجات کی صورت ہو کہ جن (صفات کو پانے) سے وہ احتیاط برت رہے تھے۔ اگرچہ دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو یہ اللہ کی مدد سے غالب ہوتے ہیں؛ کیونکہ اُس پاک ذات کا نہ تو مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اُس پر غالب ہوا جاسکتا ہے؛ بیشک وہی طاقت والا اور رحم والا ہے۔ جب یہ صفت کسی بندے میں قائم ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ (اُس بندے کے) تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اُس کی نجات کی طرف اُس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اُس کے لیے کچھ خرق عادت باتیں ہوتی ہے: (مثلاً) پانی پر چلنا، دشمنوں سے نجات پانا؛ چاہے یہ دشمن روحیں ہوں یا انسان، اور دشمنوں کی ہلاکت۔

اس سفر کا مآل وہ قرب الٰہی ہے جس میں ابدی سعادت ہے۔ اِس مقام پر یہ مسافر اُس (ذات) میں اپنے اِس سفر (یعنی سفر فیہ میں) ہر اس رکاوٹ سے۔ جس سے وہ چوکنا رہا۔ بے خوف رہتا ہے جو اُس کے اور اُس کی ابدی سعادت کے مابین حائل ہو۔ اگر روئے زمین پر موجود ہر شے اُس پر حملہ آور ہو تب بھی یہ ان پر غالب ہو کر اقتدار پالے گا۔ اِس (سفر کے) مسافر اور اِس (مقام) کے حامل شخص کو ایسا کشف نصیب ہوتا ہے جس سے وہ مبہم اسرار تک رسائی پاتا ہے، کہ اِس کا نور ہر شبہے اور جہالت کا ازالہ کرتا ہے اور ہر تحریف اور جھوٹ کو مٹاتا ہے۔ (یہ سفر) نفس کو ایسی جرات، شجاعت اور قوت بخشتا ہے کہ ایسا شخص ہمت (یعنی توجہ) سے وہ کام کر لیتا ہے جو بڑے بڑے آلات اور کثیر تعداد سے بھی نہیں کیے جاسکتے۔ ہاں مگر اِس سفر کے مسافر کو اِس میں داخل ہوتے وقت طبعی گھبراہٹ، سینے کی تنگی اور خوف کا سامنا رہتا ہے کہ وہ اس سفر کی ابتدا میں اپنی کمزوری اور اِس مقام کی طاقت دیکھتا ہے۔ اس کو لاحق یہی کمزوری اور ذلت اِسے طاقت اور عزت بخشتی ہے، یہ اِس پر ظاہر اور باطن کا علم کھول دیتی ہے کہ اُس سے کچھ پوشیدہ نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اِس بندے کا منصب ارشاد اور ہدایت کی طرف نکلنے میں خود نگران ہوتا ہے، اسے (غیبی) مدد حاصل ہوتی ہے۔ اُسے اللہ تعالی کی جانب سے خوشخبری (بشارتیں) حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ بے خوف ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو تبلیغ کے لیے وقف کر دیتا ہے کیونکہ خوف رکاوٹ

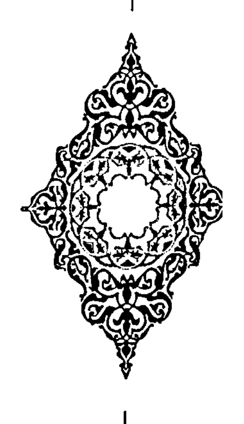
التبليغ؛ فإن الخوف مانعٌ والجُبْن صارف. غير أن الحق يؤيّد صاحب هذا السفر تأييدًا يعرفه ويأنس به ويركن إليه لا بد من ذلك، ويُعْطَىٰ الحجة والقوة والظهور علىٰ خصمائه. ﴿وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾.[1]

[1] ي: (في الهامش): سماعا لإسماعيل. صفر سنة ثمان وثلاثين وستمائة.
ك: + هذا آخر الأسفار والحمد لله حق حمده والصلاة علىٰ رسوله محمد وآله الطيبين.
نسخ في أواخر شهر جمادي الأولىٰ من سنة ثلاث وستين وستمائة بمدينة قونية حماها الله تعالىٰ علىٰ يدي الفقير إلىٰ الله تعالىٰ ابن المروري [أو المروزي] عفا الله عنه وغفر له ونفعه بما فيه.
(في الهامش): منقول من خط الشيخ مؤلفِهِ رضي الله عنه.
ب: + هذا آخر الأسفار والحمد لله حق حمده والصلاة والسلام الأتمّان علىٰ سيّدنا محمد وآله وصحبه وعترته أجمعين. واتفق إتمام نسخ النسخة صَبيحة يوم الخميس الخامس من شهر ربيع الأول لسنة ست عشرة وسبعمائة هجرية بمدينة قيصرية
(في الهامش): بلغت المقابلة في حادي عشر ربيع الأول للسنة. (عبارة التوقيع): وقف هذا الكتاب عمر أغا المشهور پاسبان زاده.
ش: + تم والله أعلم. تم كتاب الإسفار من نتائج الأسفار بحمد الله وعونه وحسن توفيقه، والحمد لله رب العالمين. كتبه عبد الكريم بن أبي بكر الجبرتي.
ف: تمت رسالة الأسفار والحمد لله وحده ...
ا: تم كتاب الإسفار عن نتائج الأسفار. والحمد لله وحده وصلىٰ الله علىٰ من لا نبي قبله ولا بعده.
م: كمل كتاب الإسفار عن نتائج الأسفار. الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ محمد وآله أجمعين. تمت. بلغ بمقابلة الأصل.
غ: تم كتاب الإسفار عن نتائج الأسفار بحمد الله وعونه وحسن توفيقه.

ہے اور بزدلی (مقصد سے) ہٹانے والی ہے۔ مگر اِس سفر کے مسافر کی حق تعالیٰ ایسی مدد کرتا ہے جسے یہ (مسافر) جانتا ہے، اس سے انس محسوس کرتا ہے اور اس پر بھروسا کرتا ہے۔ ایسے شخص کو حجت، قوت اور اُس کے دشمنوں پر غلبہ دیا جاتا ہے۔ اللہ ہی حق کہتا اور راستہ دکھاتا ہے۔ [1]

[1] ترجمہ مکمل ہوا۔ رات ۱۱:۳۶ منٹ پر بروز اتوار ۲۳ نومبر، ۲۰۰۸۔
نظر ثانی مکمل ہوئی دن ۱۲:۵۶ منٹ پر بروز منگل، ۱۸ مئی، ۲۰۱۰۔
اللہ اپنی جناب میں قبول و منظور فرمائے اور ہمیں اِس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین
دوسرے ایڈیشن کا پہلا پروف مکمل ہوا ۵ ستمبر ۲۰۱۶، بروز سوموار۔ (نذیر احمد)
پروف مکمل ہوا ۲۵ ستمبر ۲۰۱۶ بروز اتوار صبح ۶:۴۰ منٹ پر۔ (ہمیش گل)
تکمیل مطالعہ مورخہ ۵ اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز بدھ ۸:۴۰ منٹ پر۔ (نذیر احمد)

التعليقات



التعليقات

١ يشير إلى قصة موسى والخضر عليهما السلام، انظر سورة الكهف ٦٠ –٨٢ وصحيح البخاري، تفسير سورة الكهف ٦/ ١١٠: "إن موسى قام خطيبًا في بني إسرائيل فسئل أي الناس أعلم؟ فقال: أنا. فعتبه الله عليه إذ لم يرد العلم إليه، فأوحي الله إليه: إن لي عبدًا بمجمع البحرين هو أعلم منك ..." انظر بقية القصة.

٢ من حيث خصوصية التيه في تعاريفها بأنها تخص المكان؛ وهي عدم الاهتداء الى المكان الذي تذهب إليه.

٣ [تقديم البر على البحر في السفر] يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات: ولقد رويت في هذا المعنى حكاية عجيبة عن يهودي، أخبرني بها موسى بن محمد القرطبي القَبّاب، المؤذّن بالمسجد الحرام المكي، بالمنارة التي عند باب الحزورة وباب أجياد – رحمه الله – سنة تسع وتسعين وخمسمائة. قال: "كان رجل بالقيروان أراد الحجّ، فتردّد خاطره في سفره بين البرّ والبحر، فوقتا يترجّح له البرّ، ووقتا يترجّح له البحر. فقال: إذا كان صبيحة غد، أول رجل ألقاه أشاوره، فحيث يرجّح لي أحكم به. فأوّل من لقي (كان) يهوديا، فتألّم ثم عزم وقال: والله لأسألنّه. فقال: يا يهودي؛ أشاورك في سفري هذا: هل أمشي في البر أو في البحر؟ فقال له اليهودي: يا سبحان الله! وفي مثل هذا يسأل مِثْلُك؟ ألم تر أنّ الله يقول لكم في كتابكم: ﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ فقدم البَرّ على البحر. فلولا أنّ لله فيه سِرًّا – وهو أولى بكم – ما قدّمه وما أَخّر البحر. إلا إذا لم يجد المسافر سبيلا إلى البر. قال: فتعجّبتُ من كلامه، وسافرتُ في البر. يقول الرجل: فوالله؛ ما رأيت سفرا مثله. ولقد أعطاني الله فيه من الخير فوق ما كنت أشتهي." (مخطوط: السفر – ١٤، ص ١٥٦)

٤ انظر مثلا صحيح البخاري، تهجد ١٤، ٢/ ٦٣: "ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول من يدعوني فأستجيب له ..."

٥ انظر ما يقول الشيخ عن الخلاء الذي خلق الله فيه العالم في الفتوحات [مخطوط: السفر -١٣، ص ٧٥ب)

٦ الملك والتدبير: رعاية وحفظ النفس الناطقة في الحياة. الناموس: الشريعة. السياسة: الخلافة وإدارة شئون الخلق.

٧ انظر سنن أبي داود، ملاحم ١٧، ٤/ ١٢٣؛ سنن ابن ماجة، فتن ٢١، حديث ٤٠١٤ وجامع الترمذي، تفسير القرآن ٥/ ١١، شرح تحفة الأحوذي ٤/ ٩٩ – ١٠٠ وهذا لفظه: "... عن ابي أمية الشعباني قال أتيت أبا ثعلبة الخُشَني قال قلت: كيف تصنع في هذه الآية؟ قال أية آية؟ قلت: يأيها الذين امنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من ضلَّ إذا اهْتَدَيْتم (المائدة ١٠٥) قال: أما والله لقد سألت عنها خبيراً سألتُ عنها رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فقال: بل ائْتِمروا بالمعروف وتناهوْا عن المنكر حتى إذا رأيتَ شُحًا مطاعًا وهوىً متّبعًا ودنيا مؤثرة وإعجاب كل ذي رأي برأيه فعليك بخاصة نفسك ودع العوام فإن من ورائكم أياما الصبر فيهن مثل القبْض على الجمْر للعامل فيهن مثل أجر خمسين رجلاً يعملون مثل عملكم."

٨ انظر جامع الترمذي، فتن ١٩، شرح تحفة الأحوذي ٣/ ٢١٣: "عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: والذي نفسي بيده لا تقوم الساعة حتى تكلّم السباعُ الإنسَ وحتى يكلم الرجل عذبة سوطه وشراك نعله وتخبره فخذه بما أحدث أهله بعده." وانظر سبب ورود الحديث في مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٨٣ – ٨٤.

٩ انظر صحيح البخاري، مناقب ٢٥، ٤/ ٢٣٩: "... أن عبد الله بن عمر – رضي الله عنهما – قال سمعت رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يقول: تقاتلكم اليهود فتُسلَّطون عليهم ثم يقول الحجر: يا مسلم هذا يهودي ورائي فاقتله" وانظر كذلك ببعض الاختلاف في الألفاظ: جامع الترمذي، فتن ٥٦، شرح ٣/ ٢٣٤ وسنن ابن ماجة فتن ٣٣ والمسند ٢/ ٦٧ الخ ...

١٠ يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات المكية: وإنما قال هذا من أجل أنّ العماء عند العرب هو السحاب الرقيق الذي تحته هواء وفوقه هواء، فلما سمّاه بالعماء أزال ما يسبق إلى فهم العرب من ذلك، فنفى عنه الهواء حتى يُعلَم أنه لا يشبهه من كل وجه، فهو أول موصوف بكينونة الحق فيه. (مخطوط: السفر – ١٥، ص ٩٦)

[11] انظر حديث الولي في صحيح البخاري، الرقاق ٣٨، ٨/ ١٣١: "من عادىٰ لي وليًا ..." إلىٰ قوله: "وما ترددت عن شيء أنا فاعله ترددي عن نفس عبدي المؤمن يكره الموت وأنا أكره مساءته." وانظر أيضا رواية عائشة في المسند ٦/ ٢٥٦ وكذلك رواية وهب بن منبه التي أوردها أبو نعيم في حلية الأولياء ٤/ ٣٢: "إني أجد في بعض كتب الأنبياء - عليهم الصلاة والسلام - أن الله - تعالىٰ - يقول: ما ترددت عن شيء قط ترددي عن قبض روح المؤمن يكره الموت وأكره مساءته ولا بد له منه."

[12] انظر مثلا صحيح مسلم، صلاة ٢٢٢، ط. الأستانة ١٣٢٢ ٢/ ٥١. "عن عائشة قالت: فقدت رسول الله - صلىٰ الله عليه وسلم - ليلة من الفراش فالتمستُه فوقعت يدي علىٰ بطن قدميه وهو في المسجِدَ وهما منصوبتان وهو يقول: اللهم أعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك وبك منك لا أحصي ثناءً عليك أنت كما أثنيت علىٰ نفسك" وللحديث روايات عديدة؛ انظر المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي ٤/ ٤٢٧.

[13] انظر المسند ١/ ٣٩١. "عن عبد الله [بن مسعود] قال، قال رسول الله - صلىٰ الله عليه وسلم - : ما أصاب أحدًا قط همٌّ ولا حزن فقال: اللهم إني عبدك ... أسألك بكل اسم هو لك سميت به نفسك ... أو استأثرت به في علم الغيب عندك أن تجعل القرآن ربيع قلبي ... إلا أذهب الله همه وحزنه ..."

[14] يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات المكية: قال النبي - صلىٰ الله عليه وسلم - بعد ما بذل جهده في الثناء علىٰ خالقه بما أوحىٰ به إليه: "لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت علىٰ نفسك" وقال أبو بكر الصديق - رضي الله عنه - في هذا المقام وكان من رجاله: "العجز عن درك الإدراك إدراك" أي إذا علمتَ أنّ ثَمّ من لا يُعْلَم: ذلك هو العلم بالله - تعالىٰ -. فكان الدليل علىٰ العلم به: عَدَمَ العلم به.

والله قد أمرنا بالعلم بتوحيده، وما أمرنا بالعلم بذاته. بل نهىٰ عن ذلك بقوله" ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ﴾ [آل عمران: ٢٨] ونهىٰ رسول الله - صلىٰ الله عليه وسلم - عن التفكّر في ذات الله - تعالىٰ - إذ مَن ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ كيف يُوصَل إلىٰ معرفة ذاته. (مخطوط: السفر - ٤، ص ٦٧)

[15] يقول الشيخ في الباب الثالث عشر في معرفة حملة العرش: اعلم - أيد الله الوليّ الحميم - أنّ العرش في لسان العرب يُطْلَق ويُرَاد به: المُلْك. يقال ثُلَّ عرشُ المَلِك، إذا دخل في مُلْكِهِ خلل، ويُطلق ويراد به: السرير. فإذا كان العرش عبارة عن المُلك، فتكون حَمَلته هم القائمون به. وإذا كان العرشُ السرير؛ فتكون حملته ما يقوم عليه من القوائم، أو من يحملونه على كواهلهم. (مخطوط: السفر - ٢، ص ١٢٩)

[16] يقول الشيخ الأكبر عنه في روح القدس في مناصحة النفس: وهُوَ أوّل مَن لقيتُه في طريق الله، أبو جَعْفر العريبي رضي الله عنه. وصل إلينا إلى إشبيلية في أوّل دخولي إلى معْرفة هذه الطريقة الشريفة. فكنت ممن سَارَع إليه، فدخلتُ عَليْه فوجدتُ شخصًا مُسْتَهْتِرًا بالذّكر، فَتَسَمَّيْتُ له وعرف بحاجتي منه، فقال لِي: «عزمت على طريق الله - تعالى -»؟ فقلتُ لهُ: أمّا العَبْد فعَازمٌ، والمثبّت الله. فقال لي: «سُدَّ الباب، واقطع الأسْبَاب، وجَالس الوهّاب؛ يكلّمك من دون حجاب». فعملتُ عَليهَا حتى فُتِح لِي. وكان بدوِيًّا أمِّيًّا لا يَكتُب ولا يحسُب، وكان إذا تكلم في عِلم التوحيد فحسْبُك أن تسمَع. كان يُقَيِّد الخواطر بهمته ويَصْدَعُ الوجود بكلمته، لا تجده أبدًا إلا ذاكرًا عَلى طَهَارة، مستقبل القبلة، أكثر دهره صَائمًا.

[17] ورد اسمه في المراجع التاريخية وفي الفتوحات المكية "أبو موسى الديبلي" وهو ابن أخت أبي يزيد البسطامي. والديبُل فرضة بلاد السند وفق الإصطخري في "المسالك والممالك"، ونقل الزركلي أنها مدينة كراتشي.

[18] "إن الله أدبني فأحسن أدبي ..." رواه السلمي في جوامع آداب الصوفية، تحقيق أيتان كولبرغ، القدس ١٩٧٦ ص ٣.

[19] يقول الشيخ الأكبر عن حجاب العزة في عنقاء مغرب: وأمّا معرفة الذات، فمكتنَفة بالنور الأضوأ في عمى، محتجِبة بحجاب العزّة الأحمى، مصونة بالصفات والأسماء. فغاية مَن غاب في الغيب، الوصول إلى أقرب ثوب. ونهاية الطلّاب، الوقوف خلف ذلك الحجاب، هنا وفي الآخرة، وفي النشأة الدنياويّة والحافرة. فمن رام رَفْعَه، أو تولّى صدعه، في أيّ مقام كان عُدِم من حينه، وطُوِيَتْ سماؤه وأرضه بيمينه، ورجع خاسرا، وبقي حائرا، وكان قاسطا جائرا، ورُدّ إلى أسفل سافلين، وأُلحق بالطين. (عنقاء مغرب)

[٢٠] لهذا الحديث روايات منها: المسند ٦/ ١٦٣، ١٨٨، ٢١٦؛ صحيح مسلم مسافرين ١٣٩ ٢/ ١٦٩ الخ ... وابن ماجة احكام ١٤.

[٢١] هذا البيت لأبو العباس أحمد بن محمد بن موسىٰ بن عطاء الله الصنهاجي الأندلسي المريي المعروف بابن العريف. كان من كبار الصالحين والأولياء المتورعين، وله المناقب المشهورة، وله كتاب "المجالس" وغيره من الكتب المتعلقة بطريق القوم، ومن شعره:

شدُّوا المطيّ وقد نالوا المُنىٰ بمِنىٰ	وكلهم بأليم الشوقِ قد بَاحا
سارت ركائبهم تندىٰ روائحها	طيبا بها طاب ذاك الوفد أشباحا
نسيم قبر النبي المصطفىٰ لهم	رَوحٌ إذا شَربوا من ذكره راحا
يا واصلين إلىٰ المختار من مُضر	زرتم جسومًا وزرنا نحن أرواحا
إنا أقمنا علىٰ عذرٍ وعن قَدَرٍ	ومن أقام علىٰ عذر كمن راحا

وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان لأبي العباس شمس الدين ابوبكر ابن خلكان، تحقيق الدكتور احسان عباس، دار صادر بيروت (مجلد – اول، ص ١٦٩)

[٢٢] يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات: هناك قسمان لأسماء الإلهية، فالإنسان يتخلق بقسم ولا يتخلق بقسم. والقسم الذي يعتزل عنها لما يطرأ عليه منها من الضرر، كما قال: ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ وقوله: ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ الله عَلىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ فيعتزل عن مثل هذه الأسماء الإلهية، لما فيها من الذمّ لمن تسمىٰ بها، وظهر بحكمها في العالم. فالإنسان حقيقته أن يكون عائلا، والعائل لا يكون متكبرا؛ فإنه ظهر بها ليس هو له بنعت، ولذلك لا ينظر الله إليه، وهو واحد من الثلاثة: "الشيخ الزاني، والملك الكذّاب، والعائل المستكبر" ذكره مسلم في صحيحه. (مخطوط: السفر – ١٣، ص ٨٠)

[٢٣] "حفت الجنة بالمكاره والنار بالشهوات." رواه المسلم في الصحيح، الجنة ١، ٨/ ١٤٢. وانظر كذلك المعجم المفهرس ١/ ٤٧٩.

[٢٤] يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات: ولا أعلم بالله من أرواح الصور التي لا حظّ لها في التدبير، لكون الصورة لا تقبل ذلك، وهي أرواح الجماد. ودونهم في رتبة العلم بالله أرواح النبات. ودونهم في العلم بالله أرواحُ الحيوان. وكل واحد من هؤلاء الأصناف مفطور علىٰ العلم بالله والمعرفة به، ولهذا ما لهم همٌّ إلا التسبيح بحمده – تعالىٰ –. ودون هؤلاء في العلم بالله، أرواح

الإنس. وأما الملائكة فهم والجمادات مفطورون على العلم بالله، لا عقول لهم ولا شهوة. والحيوان مفطور على العلم بالله وعلى الشهوة. والإنس والجنّ مفطورون على الشهوة والمعارف، من حيث صورهم، لا من حيث أرواحهم. وجعل الله لهم العقل لِيَرُدُّوا به الشهوة إلى الميزان الشرعي، ويدفع عنهم به منازعة الشهوة في غير المحل المشروع لها. لم يوجِدِ الله لهم العقلَ لاقتناء العلوم؛ والذي أعطاهم الله لاقتناء العلوم إنما هي القوة المفكّرة؛ فلذلك لم تُفطر أرواحهم على المعارف، كما فُطِرت أرواحُ الملائكة وما عدا الثقلين. (مخطوط: السفر – ٢٢، ص ٧)

٢٥ يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات: واعلم أن البهائم تعلمُ من الإنسان، ومن أمر الدار الآخرة، ومن الحقائق التي الوجود عليها، ما يجهله بعض الناس ولا يعلمه. كما حكي عن بعضهم أنه رأى رجلا راكبا على حمار، وهو يضرب رأس الحمار بقضيبٍ. فنهاه الرائي عن ضربه رأس الحمار. فقال له الحمار: "دعه؛ فإنه على رأسه يضرب." فجعله عينَ الحمار. وعلم الحمار أنه مجازي بمثل ما فعل معه. وقوله: "دعه" لما علم الحمار ما له في ذلك من الخير عند الله، أو لعلمه أيضا بأنه ما وفّى له بحقّ ما خلق له من التسخير؛ فعلم أنه مستحق بالضرب. فنبه، بذلك، هذا السامع له أن الشخص إذا لم يجيء بحق ما تعين عليه لصاحبه؛ استحق الضرب أدبا وجزاء لما كان منه. وهذه كلها وجوهٌ محققة لصورة هذا الفعل والقول من هذا الحمار إلى غير ذلك من الوجوه التي يطلبها هذا الفعل. (مخطوط: السفر – ٢٤، ص ٥٦)

٢٦ يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات المكية عن الضد والخلاف: اعلم – أيدك الله بروح منه – أن الأشياء، لما خلقها الله على حكم ما اقتضاه الوجود، الأصلُ الذي عليه وله وُجد كلّ ما سوى الله – تعالى –؛ فما خلق شيئًا إلا وخلق له ضدًّا، ومِثلًا، وخلافًا. فجعل الموافقة في الخلاف، والمنافرة في الضد، والمناسبة في المثل. فأشد الأشياء مواصلة، ومحبة، واتحادا (هو) الخلاف مع مخالفه؛ ولهذا يكون الخلاف بحسب مَن يخالفه، ولا يتميز عن صاحبه إلا بحكمه. فيتّحد الخلافان بالمحل ويتميزان بالحكم فيه. وأما المثل مع مِثله فإنّ المناسبة تجمع بينهما في المودة؛ فيحب كلُّ مِثل مِثلَه، بما فيه من مناسبة المِثلية، وإن لم يجتمعا. فيشبه المثل الخلاف في المحبة، وإن كان بينهما فرقان بالحقائق فيهما. ويشبه الضدّ في أنهما لا يجتمعان أبدا. فهما كغائب أحب غائبا، وهام فيه عشقا، وحكمت الموانع بأن لا يجتمعا.

وأما الضد مع ضدّه فالمنافرة بينهما ذاتية، وليس بينهما المودّة التي بين الخلافين؛ فكل واحد من الضدين يريد ذهاب عين ضده من الوجود. بخلاف الخلافين؛ فالمودة التي بينهما تمنع كلّ واحد منهما أن يريد ذهاب عين خلافه من الوجود. لكن يريد ويشتهي أن لو يمكن الاتحاد به، حتى لا تقع المشاهدة إلا على واحدٍ بعينه، ويغيب فيه الآخر؛ إيثارا لكل مثل على نفسه لمثله. لكنهما لا يجتمعان أبدا؛ لذاتهما. مثال المثلين: بياضان، ومثال الضدين: بياض وسواد، ومثال الخلافين: لون ورائحة وطعم، في محل واحد. (مخطوط: السفر – ٢٤، ص ٧٤ب)

[٢٧] يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات المكية: وأعني بـ"يفسُد": يتغير نظامه إلى أمر آخر، ما هو الفساد المذموم المتسخبث. فهذا معنى يفسد فلا تتوهم. (مخطوط: السفر – ٢٦، ص ١٠٢)

[٢٨] هذا هو النداء الغيبي: ﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ [هود: ٤٤]

[٢٩] يريد قوله تعالى: ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ [هود: ٣٧].

[٣٠] أي في قوله باسم الله مجراها ومرساها فولا ظهور الالف بين الباء والسين ما استطاعت السفينة ان تسير وهذا الاف هو سريان الواحد في الوجود.

[٣١] الفداء: هو الكبش، والبدل: وهو إسحاق عليه السلام، والمبدل منه: وهو إسماعيل عليه السلام.

[٣٢] يقول الشيخ الأكبر في حضرة الحلم في الفتوحات المكية: ومن شأن هذه الحضرة إثبات الاقتدار؛ فإنّ صاحب العجز عن إنفاذ اقتداره لا يكون حليما، ولا يكون ذلك حِلْما؛ فلا حليم إلا أن يكون ذا اقتدار. ولما كانت المخالفة تقتضي المؤاخذة؛ فأفسد الحليم حكمها في بعض المذاهب، ولذلك يقال: "حَلُمَ الأديم" إذا فسد وتشقّق، وكذلك: حلم النوم أفسد المعنى عن صورته؛ لأنه ألحقه بالحسّ، وليس بمحسوس حتى يراه من لا علم له بأصله؛ فيحكم عليه بما رآه من الصورة التي رآه عليها. ويجيء العارف بذلك؛ فيعبرُ تلك الصورة إلى المعنى الذي جاءت له، وظهر بها؛ فيردّها إلى أصلها. كما أفسد الحُلم العلمَ؛ فأظهره في صورة اللبن؛ وليس بلَبَنٍ. فردّه رسول الله – صلى الله عليه وسلم – بتأويل رؤياه إلى أصله، وهو العلم. فجرّد عنه تلك الصورة، وفي تلك الصورة يكون حكم الحِلم. فلذلك نقول: "إنه أفسد صورة العلم"

فردّه رسول الله صلىٰ الله عليه وسلم. والعابر المصيب - كان من كان - إلىٰ أصله، وأزال عنه ما أفسده الحلم. ومن هنا تعرف ما للحقّ من رتبة الأحلام. ...

وإذا رأىٰ صاحبُ الرؤيا الأمر كما هو عليه في نفسه؛ فليس بحُلم، وإنما ذلك كشفٌ، لا حُلم، سواء كان في نوم أو يقظة. كما أنّ الحُلم قد يكون في اليقظة، كما هو في النوم؛ كصورة دحية التي ظهر بها جبريل - عليه السلام - في اليقظة، فدخلها التأويل، ولا يدخل التأويل النصوص. (مخطوط: السفر – ٣٢، ص ٨٩)

٣٣ وأما قول إبراهيم لابنه، وقد رأىٰ أنّه يذبح ابنه، فأخذ بالظاهر علىٰ أنّ الأمر كما رآه، وما كان إلا الكبش، وهو "الذبح العظيم" ظهر في صورة ابنه، فرأىٰ أنه يذبح ابنه؛ فذبح الكبش؛ فهو تأويل رؤياه علىٰ غير علم منه ﴿وفَدَيْناهُ﴾ يعني تلك الصورة، وهي ابنه التي رآها إبراهيم عليه السلام: ﴿بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ وهو الكبش؛ فما ذبح لا كبشا في صورة ولده؛ فأفسد الحُلم صورة الكبش في المنام. فَانْظُرْ ماذا تَرىٰ؟ وكيف ترىٰ؟ وأين ترىٰ؟ وكن علىٰ علم في أحوالك كلها، والله يَقُولُ الْحَقَّ وهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ. (مخطوط: السفر – ٣٢، ص ٨٩ب)

٣٤ يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات: إن العالَم عالمان، والحضرة حضرتان، وإن كان قد تولّد بينهما حضرة ثالثة من مجموعهما. فالحضرة الواحدة: حضرة الغيب، ولها عالم يقال له: عالم الغيب. والحضرة الثانية هي حضرة الحس والشهادة، ويقال لعالَمها: عالم الشهادة. ومَدْرك هذا العالَم بالبصر، ومَدْرك عالم الغيب بالبصيرة. والمتولّد من اجتماعهما حضرة وعالم. فالحضرة (هي) حضرة الخيال، والعالم (هو) عالم الخيال، وهو ظهور المعاني في القوالب المحسوسة؛ كالعلم في صورة اللّبن، والثبات في الدين في صورة القيد، والإسلام في صورة العَمد، والإيمان في صورة العروة، وجبريل في صورة دحية الكلبي وفي صورة الأعرابي، وتمثّل لمريم في صورة بَشَر سَوِيٍّ. كما ظهر السواد في جسم العفص والزاج عند اجتماعهما، ولم يكن لهما ذلك الوصف في حال افتراقهما. ولذلك كانت حضرة الخيال أوسع الحضرات، لأنها تجمع العالَمين: عالم الغيب وعالم الشهادة، فإن حضرة الغيب لا تسع عالم الشهادة؛ فإنه ما بقي فيها خلاء، وكذلك حضرة الشهادة. فقد علمت إن حضرة الخيال أوسع بلا شك.... (مخطوط: السفر – ٢١، ص ٣٤ب)

٣٥ الفرق بين الميقات والآجال هكذا: الميقات هي الأوقات المنقضية للفعل، والآجال أوقات هذه الأفعال المقدرة عند الله.

٣٦ يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات: وأما السواك؛ فهو كل شيء يتطهّر به لسان القلب من الذّكر القرآني. وهو أتمّ الطهارة. وكل ما يرضي الله؛ فإنه تنبعث ممن هذه أوصافه روائح طيّبة إلهية يَشُمُّها أهل الروائح من المكاشفين. قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في السواك: "إنه مطهرة للفهم ومرضاة للرب" و"إن السواك يرفع الحجب بين الله وبين عبده" فيشاهده. فإنه يتضمن صفتين عظيمتين: الطهور، ورضا الله. (مخطوط: السفر - ٧، ص ٢٤ب)

٣٧ رواه أبو نعيم في الحلية وابن حنبل في الزهد؛ انظر السخاوي، المقاصد الحسنة، بيروت ١٩٨٥ ص ٦٢٠ - ٦٢١ والعجلوني، كشف الخفاء ٢/ ٢٢٤.

٣٨ يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات: فالنفس مجبولة على حب المال وجمعه قال تعالى: ﴿وإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾ يعني المال هنا.

٣٩ يذكر الشيخ الأكبر في الفتوحات معراجه الروحي، ففي السماء السادسة نزل بموسى عليه السلام، يقول الشيخ، فقلت: ما زلتَ تسعى في حق الغير؛ حتى صحّ لك الخير كله.
قال: سعيُ الإنسان في حقّ الغير، إنما يسعى لنفسه، في نفس الأمر. فما يزيده ذلك إلّا شكر الغير، والشاكر ذاكرٌ لله بأحب المحامد لله، والساعي مُنَطِّقَة بتلك المحامد؛ فالساعي ذاكر لله بلسانه ولسان غيره. قال الله - تعالى - لموسى - عليه السلام -: "يا موسى؛ اذكرني بلسانٍ لم تعصني به." فأمره أن يذكره بلسان الغير؛ فأمره بالإحسان والكرم. (مخطوط: السفر - ٢٥، ص ٨٩)

٤٠ يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات المكية: ولمّا كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عبدا محضا، قد طهّره الله وأهل بيته تطهيرا، وأذهب عنهم الرجس؛ وهو كل ما يشينهم. فإنّ الرجس هو القذر عند العرب. هكذا حكي الفرّاء، قال - تعالى -: ﴿إِنَّما يُرِيدُ الله لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ فلا يضاف إليهم إلّا مطهّر و لا بد، فإنّ المضاف إليهم هو الذي يشبههم، فما يضيفون لأنفسهم إلّا مَن له حكم الطهارة و التقديس. فهذه شهادة من النبي - صلى الله عليه وسلم - لسلمان الفارسي بالطهارة والحفظ الإلهي والعصمة، حيث قال فيه رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: "سلمان منا أهل البيت" وشهد الله لهم بالتطهير وذهاب الرجس عنهم، وإذا كان لا ينضاف إليهم إلا مطهر مقدس، وحصلت له العناية الإلهية بمجرد الإضافة، فما ظنك بأهل البيت في نفوسهم، فهم المطهرون؛ بل هم عين الطهارة. ...

فدخل الشرفاء، أولاد فاطمة كلُّهم، ومَن هو من أهل البيت، مثل سلمان الفارسي، إلى يوم القيامة، في حكم هذه الآية من الغفران. فهم المطهرون اختصاصا من الله، وعناية بهم لشرف محمد - صلى الله عليه وسلم - وعناية الله به، ولا يظهر حكم هذا الشرف لأهل البيت إلا في الدار الآخرة؛ فإنهم يحشرون مغفورا لهم. وأمّا في الدنيا فمن أتى منهم حدًّا أقيم عليه. كالتائب إذا بلغ الحاكَم أمرُه، و قد زنى أو سرق أو شرب، أقيمَ عليه الحدّ مع تحقق المغفرة كماعز وأمثاله، و لا يجوز ذمّه.

وينبغي لكل مسلم مؤمن بالله وبما أنزله، أن يصدّق الله - تعالى - في قوله: ﴿لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ فيعتقد في جميع ما يصدر من أهل البيت أنّ الله قد عفا عنهم فيه. فلا ينبغي لمسلم أن يُلحق المذمّة بهم، ولا ما يشنأ أعراض من قد شهد الله بتطهيره، وذهاب الرجس عنه، لا يعمل عملوه ولا بخير قدموه، بل سابق عناية من الله بهم، ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ من يَشاءُ وَ اللهِ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ (مخطوط: السفر - ٣، ص ٧٢)

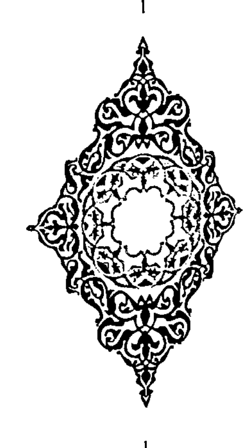
٤١ يقول الشيخ الأكبر في الفتوحات: فالإيمان نصفان: نصفٌ خوف، ونصفٌ رجاء، وكلاهما متعلقهما عدم. فإذا حصل العلم حصل الوجود وزال العدم، وأزال العِلمُ حكمَ الايمان: لأنه شهد ما آمن به فصار صاحبَ علم. والايمان تقليدٌ، والتقليدُ يناقض العلم. (مخطوط: السفر - ١٣، ص ١٥٠)

٤٢ "قال امرؤ القيس يصف فرسًا:

خَفَّاهُنَّ مِنْ أنفاقِهِنَّ كَأنما   خفاهُنَّ ودْقٌ مِنْ عَشِيِّ مُجَلِّبِ.

٤٣ انظر ما رواه في المسند ٥/ ٢٣٤: "لن ينفع حذر من قدر ولكن الدعاء ينفع مما نزل ومما لم ينزل فعليكم بالدعاء عباد الله."

اردو حواشی



حواشی

۱ یہاں شیخ اکبر قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ شب قدر ہی مبارک رات (اللیلہ المبارکہ) ہے فتوحات مکیہ میں بھی آپ نے اس امر کی تائید کی ہے، فرماتے ہیں: قرآن مجید مبارک رات (اللیلہ المبارکہ) کے آخری تہائی حصے میں نازل ہوا۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ قرآن مجید مبارک رات میں ہی نازل ہوا جو کہ شب قدر ہی ہے، لہٰذا اس قرآن کے نزول سے چیزوں کی مقدار اور وزن جانا گیا۔

۲ عربی زبان میں مزج آمیزش یا اختلاط کو کہتے ہیں اور تخلیص کا مطلب صاف کرنا یا خالص کرنا ہے۔ تخلیص اور امتزاج کا ایک پورا علم ہے جس کی جانب شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں اشارہ کیا ہے۔ یہاں اس ذات پاک نے ان سیاروں کو امتزاج اور تخلیص کی منازل میں چلایا اور اسی بنا پر اس کے اندازوں کی تعریف کی گئی۔

۳ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس معنی میں میں نے ایک یہودی سے عجیب روایت بیان کی، جو مجھے مکہ میں مسجد حرام کے مؤذن موسیٰ بن محمد القرطبی القباب رحمہ اللہ نے باب الحزورۃ اور باب الاجیاد کے مینار کے پاس سن ۵۹۹ھ میں سنائی، کہتے ہیں: قیروان کے ایک شخص نے حج کا قصد کیا مگر اس کا دل زمینی اور بحری سفر سے حج کو جانے میں متردد ہو گیا، کبھی اسے بری سفر بہتر لگتا اور کبھی بحری۔ آخر میں (جب کچھ اور نہ سوجھا) تو بولا: کل صبح مجھے جو شخص سب سے پہلے ملے گا میں اُس سے اس بارے میں پوچھوں گا، اور اُس نے جیسا کہا ویسا ہی کروں گا۔ اگلے دن سب سے پہلے اُس کا سامنا ایک یہودی سے ہوا، جسے دیکھ کر پہلے تو یہ مایوس ہوا مگر پھر اُس نے اپنا عزم دہرایا اور کہا: واللہ میں اِسی سے پوچھوں گا۔ کہنے لگا: اے یہودی! میں تجھ سے اپنے اِس سفر کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں، میں زمین سے سفر کروں یا سمندر سے؟ یہودی بولا: سبحان اللہ! کیا تیرے جیسے اس طرح کی باتیں پوچھتے ہیں؟ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری کتاب میں کیا فرماتا ہے: ﴿وہی تو ہے جو تمہیں خشکی میں اور تری میں چلاتا ہے﴾ (یونس: ۲۲) اس نے خشکی کو تری سے پہلے رکھا۔ اگر اس (تقدیم) میں اللہ کا کوئی راز نہ ہوتا اور یہ تمہارے لیے بہتر نہ ہوتا تو وہ کبھی اِسے آگے نہ رکھتا۔ اور اُس نے بحری سفر کو اِس لیے پیچھے رکھا کہ جب خشکی پر سفر کرنا ممکن نہ ہو (تب سمندری سفر کیا جائے)۔ وہ بولا: میں اُس کی بات سے بہت حیران ہوا۔ اور پھر میں نے خشکی کا سفر کیا۔ وہ شخص کہتا ہے: میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا سفر نہیں کیا، اللہ نے اس سفر میں مجھے میری امید سے بڑھ کر

دیا۔ (مخطوط: السفر-۱۴، ص ۱۵۶)

۴ صحیح مسلم کی روایت کردہ اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ جس میں اللہ تعالیٰ رات کے آخری تہائی حصے میں نزول فرماتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے شیخ اکبر کی کتاب ۱۰۱ احادیث قدسی، صفحہ ۱۶۳۔

۵ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۷۸ میں معرفت خلوت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اِس عالم میں خلوت کی اصل وہ خلا ہے جسے اس عالم نے پُر کر رکھا ہے، سب سے پہلے الھباء نے اِسے پُر کیا؛ یہ وہ "تاریک جوہر" ہے جس نے اپنی ذات سے اِس خلا کو پُر کیا۔ پھر حق نے اِس پر اپنے "اسم النور" سے تجلی فرمائی تو یہ جوہر اِس نور سے منور ہو گیا، اور اِس پر سے تاریکی-جو کہ عدم ہے-کا حکم زائل ہوا اور یہ وجود سے متصف ہوا، پھر یہ خود پر اُس منور کردہ نور سے ظاہر ہوا، اور اس (نور) کے ساتھ اِس (جوہر) کا ظہور انسانی صورت پر تھا، اِسی لیے اہل اللہ اِسے "انسان کبیر" کہتے ہیں اور اِس کے اختصار کو "انسان صغیر" کہا۔ ... پھر اِس عالم میں افلاک، عناصر اور مولّدات کی شکل میں صورتیں ظاہر ہوئیں۔ پس انسان اِس عالم میں سب سے آخری مولّد تھا، جسے اللہ نے اس عالم کے تمام حقائق کا جامع بنایا اور اس (عالم) میں (اپنا) خلیفہ بنایا، اُسے عالم میں موجود ہر صورت کی طاقت بخشی۔ پس نور سے رنگا گیا یہ جوہر الھبائی بسیط (یا غیر مرکب) ہے، اس میں عالم کی صورتوں کا ظہور وسیط (یا درمیانی) ہے اور انسانِ کامل وجیز (یا اختصار) ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۳، ص ۷۵ب)

۶ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۶۵ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ "جنتِ اعمال" کے سو (۱۰۰) درجے ہیں، جیسا کہ جہنم کے سو (۱۰۰) دَرکے ہیں، لیکن ہر درجے کہ اندر مزید منازل ہیں۔... سب سے بلند ترین درجہ جنتِ عدن ہے؛ یہ جنت کا ایک قصبہ ہے (جس کے گرد چار دیواری ہے)۔ اسی میں "الکثیب" کا مقام ہے جہاں لوگ حق تعالیٰ کے دیدار کے لیے جمع ہوں گے، یہ جنتوں میں بلند ترین جنت ہے۔ جنتوں میں اِس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا محل ہو اور اس کے ارد گرد آٹھ فصلیں ہوں اور ہر دو فصیلوں کے درمیان ایک جنت ہو۔ سو جنتِ عدن کے ساتھ جنتِ الفردوس ہے؛ یہ درمیانی جنت ہے جو کہ جنتِ عدن سے نیچے ہے لیکن باقی جنتوں سے افضل ہے، پھر جنتِ خلد ہے، پھر جنتِ نعیم ہے، پھر جنتِ المأویٰ ہے، پھر دارُ السلام ہے اور پھر دارُ المقامہ ہے۔ جہاں تک (مقام) وسیلہ کا تعلق ہے تو یہ جنتِ عدن کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی امت کی دعا سے ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ایک حکمت کے باعث کیا ہے جسے مخفی رکھا۔ (مخطوط: السفر-۵، ص ۶)

شیخ آگے فرماتے ہیں: اہل جنت کی چار اقسام ہیں: رسول- ان میں انبیا بھی شامل ہیں- اولیا، مومنین اور علما۔ یہ چاروں گروہ جناتِ عدن اور سفید کثیب میں دیدارِ حق کے وقت الگ الگ ہوں گے۔ یہ اُس میں چار مقامات پر ہوں گے: ان میں سے ایک جماعت اصحابِ منابر (یعنی منبر والوں) کی ہے، اور یہ سب سے اونچا طبقہ ہے: یعنی کہ رسول اور انبیا۔ دوسری جماعت اولیا(اللہ) کی ہے جو کہ قول، عمل اور حال میں انبیا کے وارث ہیں، جو اپنے رب کی طرف سے واضح نشانی پر ہیں، یہ تخت اور عرشوں والے ہیں۔ تیسری جماعت عقلی اور برہانی نظر کے راستے سے علما باللہ کی ہے، یہ کرسیوں والے ہیں۔ اور چوتھی جماعت اُن مومنین کی ہے جو اپنی توحید میں مقلد ہیں، ان کے بھی مراتب ہیں، (میدان) حشر میں یہ نظر عقلی رکھنے والوں سے آگے ہوں گے لیکن کثیب میں نظر عقلی والے مقلدوں سے آگے ہوں گے۔

پس جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر عام زیارت والے دن تجلی کرے گا تو حق کا منادی تمام جنتوں میں اعلان کرے گا: "اے جنت والو! سب سے عظیم احسان، سب سے قریب مکان اور سب سے اعلیٰ منظر کی طرف چلو، جنتِ عدن میں اپنے رب کی زیارت کو چلو۔" پھر یہ سب جنتِ عدن کی طرف آئیں گے، اُس میں داخل ہوں گے، ہر جماعت اپنا مرتبہ اور مکان جان لے گی؛ اور بیٹھ جائیں گے۔ پھر میز لائے جائیں گے اور اِن کے سامنے اختصاص کے میز لگا دیئے جائیں گے۔ انہوں نے اس جیسے میز نہ دیکھے ہوں گے، اور نہ کبھی اپنی زندگیوں میں اور نہ اعمال کی جنات میں ان کا خیال انہیں گزرا ہو گا۔ اسی طرح کھانے: انہوں نے اپنے گھروں میں کبھی ایسے کھانے نہ چکھے ہوں گے، اور نہ ہی کبھی ایسے مشروبات پیئے ہوں گے۔ پھر جب وہ اِس سے فارغ ہو جائیں گے تو انہیں ایسے لباس پہنائیں جائیں گے جو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہ پہنے ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ قول اس پر دلیل ہے: "جنت میں ایسا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں اُس کا خیال گزرا۔" پھر جب وہ ان سب چیزوں سے فارغ ہو جائیں گے تو سفید مسک کے ٹیلوں (یعنی کثیب) کی طرف جائیں گے، اور اپنے علم باللہ کے حساب سے- نہ کہ اپنے اعمال کے حساب سے- اپنی جگہوں کا تعین کریں گے؛ کیونکہ عمل کا تعلق جنت کی نعمتوں سے ہے، رحمٰن کے مشاہدے سے نہیں۔

ابھی وہ اِسی حالت میں ہوں گے کہ ایک تیز نور انہیں اندھا کر دے گا، اور یہ سب سجدے میں گر پڑیں گے، یہ نور ان کی آنکھوں میں ظاہراً، ان کی بصیرت میں باطناً، ان کے ابدان کے تمام اجزا اور اُن کے نفوس کے لطائف میں سرایت کر جائے گا۔ اُس موقع پر ہر شخص کا پورا وجود آنکھ اور پورا

وجود سماعت بن جائے گا، وہ اپنی پوری ذات سے دیکھے گا، جہات اُسے مقید نہ کریں گی، وہ اپنی پوری ذات سے سنے گا۔ یہ نور انہیں یہ (قوت) بخشے گا: اور اسی سے وہ مشاہدے اور رویت کے قابل ہوں گے، (بیشک) رویت مشاہدے سے کامل ہے۔

پھر ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک پیغامبر آئے گا اور اُن سے کہے گا: "اپنے رب کے دیدار کے لیے تیار ہو جاو، وہ تمہارے سامنے جلوہ افروز ہوا چاہتا ہے۔" یہ سب مستعد ہو جائیں گے، پھر حق تعالیٰ اُن کے سامنے جلوہ افروز ہو گا، جبکہ اُس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان تین حجاب ہوں گے: حجابِ عزت، حجابِ کبریا اور حجابِ عظمت۔ وہ ان حجابات کی طرف نہیں دیکھ سکیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے سب سے بڑے حاجب کو کہے گا: "میرے، اور میرے بندوں کے درمیان سے یہ حجابات اٹھا دو تا کہ وہ مجھے دیکھ سکیں۔" اور یہ حجاب اٹھا دیئے جائیں گے۔ پھر حق تعالیٰ ان کی نظروں پر ایک حجاب -(یعنی) اپنے اسم الجمیل اللطیف- کے پیچھے سے جلوہ افروز ہو گا۔ اور وہ سب کے سب ایک آنکھ ہوں گے۔ پھر اُن پر ایسا نور چھا جائے گا جو اُن کی ذوات میں سرایت کر جائے گا: اور اِس نور کی وجہ سے یہ سب کے سب سماعت بن جائیں گے۔ رب کے جمال نے انہیں عظمت بخشی اور اِس پاک جمال کے نور سے اُن کی ذوات کو منور کیا۔ (مخطوط: السفر-۵، ص۸)

[7] یہ حدیث مختلف الفاظ اور روایات سے مندرجہ ذیل کتبِ حدیث میں آئی ہے مثلاً دیکھیے سنن ابی داود (۳۷۷۸) سنن ترمذی (۲۹۸۴) سنن ابن ماجہ (۴۰۰۴) صحیح ابن حبان (۳۸۶) مسند البزار (۱۷۷۶) امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے۔ شیخ البانی اس حدیث کے متعدد اسناد سے آنے کے باعث اس پر کوئی واضح حکم لگانے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ لہذا انہوں نے آدھی حدیث کو صحیح اور آدھی کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن آپ ﷺ کا یہ قول کہ: "تم میں سے پچاس کے برابر اجر ملے گا" کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الترغیب والترھیب)

[8] دیکھیے سنن ترمذی (۲۱۰۷) مسند احمد بن حنبل (۱۱۳۶۵) مستدرک حاکم (۸۵۷۵) صحیح ابن حبان (۶۶۰۲) مسند عبد بن حمید (۸۸۰) امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اس حدیث کی سند کو امام مسلم کی شرائط پر قرار دیا ہے اور امام الذہبی نے اپنی تعلیق میں اس کی تائید کی ہے۔ شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح وضعیف سنن ترمذی)

[9] دیکھیے صحیح بخاری (۲۷۰۹) صحیح مسلم (۵۲۰۰) سنن ترمذی (۲۱۶۲) مسند احمد (۵۷۵۹) مسند ابی یعلی الموصلی (۵۳۹۶) صحیح ابن حبان (۶۹۳۲) مسند اسحاق بن راہویہ (۱۵۹) صحیحین میں ہونے کی وجہ سے حدیث صحیح ہے۔

۱۰ شیخ اکبر نے علم و عین کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی علم اور آنکھ سے، مطلب ایسے کشف سے جس سے علم بھی حاصل ہو، کیونکہ اگر کشف تو ہو مگر علم نہ دیا جائے تو ایسا کشف بھی درست حقیقت عیاں نہیں کرتا، لہٰذا کشف کے ہوتے ہوئے بھی علم کی ضرورت ہے یعنی صرف دکھایا ہی نہ جائے بلکہ ساتھ بتایا بھی جائے کہ کیا دکھایا جارہا ہے۔

۱۱ شیخ اکبر اپنی کتاب "عقلۃ المستوفز" کے باب العرش الرحمانی میں فرماتے ہیں: عرشِ رحمانی پر قائم ہونا عماء سے تھا جو کہ عرشِ حیرت ہے، اسے آپ چھٹا عرش کہہ سکتے ہیں (لیکن) یہ ایک نسبی عرش ہے جس کا وجود صرف نسبت میں ہے اسی لیے ہم نے اس کا ذکر عرشوں میں نہیں کیا۔ یہ ایسا سمندر ہے جو حق تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان حد بندی کرتا ہے۔ ہمارے اور اس کے حق میں یہی حجابِ عزت ہے پس ہم میں سے جو کوئی بھی اُس (ذات) تک پہنچنا چاہتا ہے اس سمندر میں جا گرتا ہے۔ اور کائنات کے لیے فعل کا ہونا منسوب کرتا ہے جبکہ کائنات کے ہاتھوں میں فعل میں سے کچھ بھی نہیں، بلکہ تمام کا تمام فعل الواحد القہار کے ہاتھ ہے۔

۱۲ شیخ اکبر نے یہاں پر یہ حدیث معنًا بیان کی ہے، اسی حدیث کو آپ نے امام بخاری کی سند سے اور اس کے درست الفاظ سے اپنی کتاب مشکاۃ الانوار میں مکمل بیان کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری (۶۰۲۱) صحیح ابن حبان (۳۴۸) سنن الکبری البیہقی، ریاض الصالحین - امام النووی، احیاء علوم الدین، حلیہ اولیاء، قوت القلوب اور فتوحات مکیہ میں ۵۰ سے زائد مرتبہ ذکر ہوئی ہے۔ شیخ البانی نے السلسلہ الصحیحہ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۳ صحیح حدیث کا ایک حصہ ہے دیکھیے مؤطا امام مالک (۴۴۸) صحیح مسلم (۷۵۱) سنن ابی داود (۷۴۵) سنن ترمذی (۳۴۱۵) سنن النسائی (۱۶۹) سنن ابن ماجہ (۱۱۶۹) مسند احمد بن حنبل (۷۱۲) مستدرک حاکم (۱۰۹۹) مستخرج ابی عوانہ (۱۴۴۴) مسند ابی یعلی الموصلی (۲۵۹) صحیح ابن حبان (۱۹۶۶) اور دیگر بہت سی کتب حدیث۔ شیخ البانی سے اسے صحیح السند قرار دیا ہے۔

۱۴ دیکھیے مسند احمد بن حنبل (۳۵۲۸) مستدرک حاکم (۱۸۳۰) مسند ابی یعلی الموصلی (۵۱۷۴) صحیح ابن حبان (۹۷۷) مسند البزار (۱۹۹۴) شیخ البانی نے ان کتب حدیث کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الترغیب والترہیب)

۱۵ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: نبی پاک ﷺ نے اپنے خالق کی تعریف کرنے میں اپنا پورا زور لگانے کے بعد کہا جو کہ اس خالق نے ہی آپ پر وحی کیا: "میں تیری تعریف نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی۔" اور اس مقام پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اور

آپ اس مقام پر تھے: "ادراک کے ادراک سے عجز بھی ادراک ہے۔" یعنی اگر تو یہ جان گیا کہ یہاں ایک ایسی ہستی بھی ہے جسے جانا نہیں جا سکتا تو یہی علم باللہ تعالی ہے، اس کو جاننے کی دلیل اس کو نہ جاننا ہے۔ اللہ تعالی نے ہمیں اس کی توحید کے علم کا حکم دیا ہے اس کی ذات کے علم کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس سے اپنے اس قول میں منع فرمایا ہے: اللہ تعالی تمہیں اس کی ذات سے احتیاط برتنے کا کہتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ذات الہی میں غور و خوض سے منع فرمایا ہے، کیونکہ جس جیسی کوئی چیز نہیں اس کی ذات کی معرفت تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۴، ص ۶۷)

[16] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۳ میں فرماتے ہیں: جان لے-اللہ میرے اس پیارے دوست کی مدد فرمائے- عربی زبان میں عرش کا اطلاق اور اس سے مراد بادشاہت لی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے: بادشاہ کا تخت تباہ و برباد ہو گیا جب اس کی بادشاہت میں کوئی فساد آ جائے۔ اِسی طرح عرش سے مراد تخت بھی لیا جاتا ہے۔ اگر عرش سے مراد بادشاہت ہو تو حاملین عرش سے مراد اِسے قائم کرنے والے ہوں گے۔ اور اگر عرش سے مراد تخت ہو تو حاملین عرش اِس کے پائے ہوں گے جن پر یہ کھڑا ہوتا ہے، یا پھر وہ لوگ جو اسے اپنے کاندھوں پر اٹھاتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۲، ص ۱۲۹)

اپنی کتاب عقلۃ المستوفز کے باب "عرشوں کے ذکر میں" فرماتے ہیں: جان لے کہ عرش پانچ ہیں: ۱-عرشِ حیات جو کہ عرشِ ہویت ہے، ۲- عرشِ رحمانیت، ۳- عرشِ عظیم، ۴- عرشِ کریم، ۵- عرشِ مجید۔ عرشِ حیات عرشِ مشیت ہے، یہ ذات کے قائم ہونے کی جا اور عرش ہویت ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اس کا عرش پانی پر تھا﴾ پس اس عرش کی اضافت ہویت کی طرف کی اور اسے پانی پر بنایا۔ اسی وجہ سے ہم نے اسے عرشِ حیات کا نام دیا کیونکہ اللہ تعالی کہتا ہے: ﴿ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا﴾... عرشِ مجید عقل ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور عرشِ عظیم نفس ہے جو کہ لوح محفوظ بھی ہے، جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ اسی کے بعد عرشِ رحمانیت ہے جو کہ فلک الافلاک ہے اور اس کے بعد عرشِ کریم ہے جو کہ کرسی ہے۔

[17] کتاب الازل میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے آسمان، زمین اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے کو انہی چھ ایام میں تخلیق کیا جن سے ہم واقف ہیں، یہ ایام تو تخلیق آسمان و زمین سے پہلے بھی موجود تھے۔ ایام کا تعلق سات آسمانوں اور دو زمینوں سے نہیں، بلکہ یہ ایام تو ثابت ستاروں کے فلک سے ہیں؛ جو آسمانوں کی تخلیق سے قبل بھی گھوم رہا تھا، پس یوم اس کا ایک چکر ہے۔ مگر دن اور رات ایک دوسرا معاملہ ہے جو یوم سے معلوم ہوتا ہے مگر یہ خود نفس یوم نہیں۔ لہٰذا دن اور رات کا ہونا زمین اور آسمانوں کے ہونے سے ہے، ایام سے نہیں۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ اُس نے انہیں چھ دنوں

یا چھ راتوں میں پیدا کیا، بلکہ ایام کا ذکر کیا۔ (رسائل ابن العربی (جلد-۱) کتابِ ازل، ص ۳۰۲)
اس عبارت سے ایک چیز تو واضح ہو گئی کہ زمین و آسمان کی تخلیق، ہمیں معلوم انہی چھ ایام میں ہوئی ہے مگر یہاں شیخ اکبر قدس اللہ سرہٗ نے ایامُ الشان کا لفظ استعمال کیا ہے لہٰذا یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ شیخ اکبر کے ہاں "ایام الشان" کا درست مفہوم سامنے لایا جائے۔ اپنی کتاب "ایامُ الشان" میں شیخ اکبر اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿ہم نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو چھ ایام میں تخلیق کیا ہے اور ہمیں اس (تخلیق) سے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی﴾ (ق:۳۸) کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو انہیں یک دم بغیر تدریج کے بھی تخلیق کر سکتا تھا لیکن اس کی قدرت، قدر میں اثر نہیں کرتی بلکہ (قدرت)" کا اثر تو صرف مقدور میں ہوتا ہے جو قدر کو دیکھتا ہے اور اگر قدر تاثیر سے اس کی گواہی دے تو (قدرت) اثر کرتی ہے اور اگر نہ دے تو قدر کے حکم سے رک جاتی ہے، خود اپنے حکم سے نہیں۔ اور قدر کے حکم سے ہی یہ تخلیق چھ ایام میں ہوئی لہٰذا اب قدرت، قدر کی حکم عدولی نہیں کر سکتی ﴿میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی﴾ شیخ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک ایک یوم ثابت ستاروں والے فلک- جس کے اندر اور جس کے احاطے میں آسمان اور زمین ہیں- کے چکروں میں سے ایک چکر ہے۔ آگے فرماتے ہیں: لوگوں میں مشہور ان ایام کا کوئی یوم ایسا نہیں- جو کہ سورج کے طلوع ہونے سے دوسرے دن سورج کے طلوع ہونے تک یا اس کے غروب سے اگلے دن کے غروب تک یا عین زوال کے وقت سے اگلے دن زوال کے وقت تک، یا ان کے درمیان کسی بھی صورت پر ہو- جس میں پورے سال کے ۳۶۰ ایام کا آخر نہ ہو۔ یہ آخر ہر یوم میں موجود ہوتا ہے اسی لیے ہر یوم میں ہر وہ چیز پیدا ہو سکتی ہے جو کہ سال کے کسی بھی یوم پیدا ہو سکتی ہو کیونکہ اس ایک یوم میں سال کے ہر یوم کا آخر اور اس یوم کا حکم ہے۔ پس ایک یوم کی لمبائی ۳۶۰ درجے ہے کیونکہ اس ایک یوم میں پورا فلک ظاہر ہوتا ہے۔

آگے چل کر شیخ اکبر نے قرآن مجید میں ایام کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔ ان میں یوم تکویر، یوم سلخ اور یوم ایلاج اہم ہیں۔ جب شیخ اکبر نے "یومُ الشان" کی بات کرنی چاہی تو فرمایا: ہمارے ہاں دن ۲۴ گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے اور جس یوم کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ اس یوم میں کام (الشان) میں لگا ہوتا ہے، اس نے (شؤون) بہت سے کاموں کا نہیں کہا۔ اس سے ہمیں پتا چلا کہ اس یوم کے تمام گھنٹے ایک حکم تلے اور ایک حاکم کی نظر تلے ہیں جسے اللہ نے اس حرکت سے مخصوص کیا اور جسے اس کا امیر مقرر کیا ہے۔ پس ہمارا درست یوم وہ ہو گا جس کے تمام گھنٹے برابر ہوں اور اگر ان میں اختلاف ہوا تو وہ ہمارا درست یوم نہیں۔ ہمیں یوم ایلاج میں یہ راز نظر آیا... اس میں چوبیس

گھنٹے ہیں لہذا ہم اسے ایک یوم کہتے ہیں اور یہی یوم الشان ہے۔ (رسالہ ایام الشان)
ان سب حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے شیخ اکبر کے نظریہ زمان و مکان پر اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں ڈاکٹر یوسف حاج لکھتے ہیں: اس طرح اگر دیکھا جائے تو در حقیقت ایک یوم الشان ہمارے ایک دن کے برابر ہے یعنی زمین سے دیکھنے پر افلاک کا ایک مکمل چکر۔ اور شیخ اکبر نے بھی اوپر یہی بتایا ہے کہ اللہ تعالی نے زمین اور آسمانوں کی تخلیق ہمیں معلوم انہی چھ ایام میں کی ہے۔ ان میں سے خاص زمین کی تخلیق اور اس میں غذا کا اندازہ لگانے کا وقت ایام الشان کے چار دن ہوئے۔ مزید تفصیل اور یوم الشان کے مزید مطالب کے لیے یہ کتاب ملاحظہ کریں۔

(Haj, Yousef M. *Ibn Arabi: Time and Cosmology.* London: Routledge, 2008. pp 48)

۱۸ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۷۱ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے آسمان بنائے تو انہیں زمین کے اوپر گنبد در گنبد بنایا۔۔۔ اُس نے اِن آسمانوں کو ساکن بنایا اور اِن میں سیارے تخلیق کئے؛ اور ان آسمانوں میں ان کے چلنے اور تیرنے کی ایک اندازے کے مطابق حرکات ترتیب دیں، جس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔ اس نے اِن سیاروں کو عاقل، سامع اور مطیع بنایا ﴿اور ہر آسمان میں اس کا معاملہ وحی کیا﴾ (فصلت: ۱۲)۔
پھر جب اللہ تعالی نے ان سیاروں کو آسمانوں میں تیرایا، تو اِن کے چلنے سے کچھ راستے بنے؛ ہر سیارے کا اپنا راستہ، یہ اُس کا کہنا ہے: ﴿اور قسم ہے اُس آسمان کی جس میں راستے ہیں﴾ (الذاریات: ۷) یہ راستے افلاک کہلائے؛ چنانچہ افلاک سیاروں کے چلنے سے بنتے ہیں۔ اور یہ سیارے آسمان - جو ان کی چلنے کی جگہ ہے - میں بہت تیزی سے چلتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۲۶، ص ۸۱)

۱۹ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۷ میں فرماتے ہیں: جب اللہ تعالی نے انسان کی تخلیق کی اور اسے مٹی سے بنا لیا تو اس میں مختلف قوتیں رکھیں۔ اس میں قوت جاذبہ رکھی جس سے حیوان غذائیت جذب کرتا ہے۔ پھر قوت ماسکہ: جس سے وہ حیوان غذا بننے والی چیز پکڑتا ہے۔ پھر قوت ہاضمہ: جس سے وہ غذا ہضم کرتا ہے۔ پھر قوت دافعہ: جس سے وہ فضلات کو اپنے جسم سے باہر نکالتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۲، ص ۸۱ب)

۲۰ شیخ العریبی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیخ اکبر اپنی کتاب "روح القدس" میں لکھتے ہیں: طریق اللہ میں میری سب سے پہلی ملاقات ابو جعفر العریبی سے ہوئی۔ آپ اُس وقت ہمارے ہاں اشبیلیہ منتقل ہوئے جب مجھے پہلی مرتبہ اس بلند راستے (یعنی طریقت) کے بارے میں پتا چلا، میں فوراً آپ کی

طرف متوجہ ہوا اور جب آپ کے حضور حاضر ہوا تو میں نے آپ کو ذکر پر فریفتہ شخص پایا، میں نے آپ کو اپنا نام بتایا تو آپ اِس سے میرے دل کی بات جان گئے، مجھے کہتے ہیں: "کیا تو نے راہ خدا پر چلنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے؟" میں نے عرض کی: بندہ تو صرف ارادہ ہی کر سکتا ہے، ثبات دینے والا تو خدا ہی ہے۔ (یہ سن کر) آپ نے مجھے کہا: "(دنیا سے) منہ موڑ لے، اسباب سے ناتا توڑ لے، "الوھاب" کے ساتھ لو لگا لے، وہ بنا حجاب تجھ سے خطاب کرے گا۔" میں نے اسی (نصیحت) پر عمل کیا یہاں تک کہ مجھ پر (معاملہ) کھل گیا۔ آپؒ اَن پڑھ اور دیہاتی تھے، نہ لکھ سکتے اور نہ ہی حساب کتاب جانتے تھے لیکن جب علم توحید میں کچھ بیان فرماتے تو تیرے لیے یہی کافی ہوتا کہ تو سنتا رہے۔ آپ اپنی توجہ سے خواطر کو باندھتے اور اپنے الفاظ سے وجود کو چیرتے۔ ہمیشہ باوضو قبلہ رُخ ذکر کرتے رہتے اور اکثر اوقات روزے سے ہوتے۔ (اصلاح نفس کا آئینہ حق، ص ۲۱۷)

[۲۱] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں ۷ مقامات پر بایزید بسطامی کا بغیر کسی رسمی استاد کی تعلیم کے اِس حفظ کا تذکرہ کیا ہے۔

[۲۲] یہ اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے اللہ نے ادب سکھایا تو بہترین ادب سکھایا۔"

[۲۳] حجابِ عزت کے بارے میں شیخ اکبر اپنی کتاب "عنقاءِ مغرب" میں لکھتے ہیں: جہاں تک معرفتِ ذات کی بات ہے تو وہ اندھیرے میں روشنی کے نور سے ڈھکی ہے، وہ اُس حجاب عزت میں چھپی ہے جس میں داخلہ ممنوع ہے، وہ صفات اور اسما کی حفاظت میں ہے۔ پس جو غیب میں غائب ہو اُس کے قریب ترین لباس تک پہنچنا ہی غایت ہے۔ اور اُس کے طالبین کی انتہا- یہاں اور آخرت میں- اِس حجاب کے پیچھے رکنا ہی ہے، چاہے نشأۃ دنیاوی ہو یا وہ قبر میں ہو۔ جو کوئی اس کے اٹھانے کی خواہش کرتا ہے، یا اِسے پھاڑنا چاہتا ہے، وہ جس مقام میں ہو اسی وقت معدوم ہو جاتا ہے، اس کے زمین اور آسمان لپیٹ دیئے جاتے ہیں، وہ نقصان اٹھا کر لوٹا اور سرگرداں رہا، یہ شخص ظالم اور غیر عادل تھا، اسی لیے اسفل سافلین کی طرف لوٹایا گیا، اور مٹی میں ملا دیا گیا۔ (عنقاء مغرب)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: حجاب عزت کے بعد صرف کیفیت اور ماہیت ہی ہے۔ (عنقاء مغرب)

[۲۴] شیخ اکبر محمد ابن العربی قدس اللہ سرہ اپنی کتاب الجلال والجمال میں فرماتے ہیں: ہر معروف شے سے معرفت کا دار و مدار دو باتوں پر ہوتا ہے: ایک حق اور دوسری حقیقت۔ حق دلیل کی جہت سے عقل کے مدارک میں سے ہے، جبکہ حقیقت کشف اور مشاہدے کے مدارک میں سے ہے، یہاں تیسرا کوئی مدرک نہیں۔ اِسی لیے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں حق مومن ہوں" پس پہلے مدرک کی بات

کی، جبکہ انہیں دوسرے مدرک کی تائید بھی حاصل تھی، لیکن آپؓ نے اس سے خاموشی اختیار کی۔ نبی کریم ﷺ نے آپ سے پوچھا: "تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟" گویا آپؐ دیکھنا چاہتے تھے کہ حارثہ کے پاس دوسرا مدرک بھی ہے؟ تو (حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے) آگاہی اطلاع اور کشف سے جواب دیا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تو حقیقت جان گیا ہے اس پر پکا ہو جا۔" لہذا کسی چیز کی مکمل معرفت انہی دو حقیقتوں سے ہے: ایک حق اور دوسری حقیقت۔ (کتاب الجلال والجمال)

۲۵ یعنی اس مقام پر آپ ﷺ کو عبد اللہ یا عبد الرحمن کہہ کر نہیں پکارا گیا بلکہ عبدہ کا لفظ لایا گیا۔

۲۶ شیخ اکبر رسالہ تاج التراجم میں فرماتے ہیں: اللہ فرماتا ہے: ﴿اللہ ہر جابر اور متکبر شخص کے دل پر مہر لگا دیتا ہے﴾ (غافر: ۳۵) کیا یہ اُس بزرگ و برتر کے نام نہیں؟ کیا ان (ناموں) سے متصف دوزخ میں نہیں؟ کیا دوزخ مقام حجاب نہیں؟ اور کیا حجاب عدم رویت نہیں؟ اور کیا عدم رویت صریح ناکامی نہیں؟ انسان کو کیا ہوا ہے کہ اپنے رب کی طرف دوڑ کر نہیں جاتا کہ وہ اُسے اُس کے عاجز اور محتاج نفس کے مشاہدے سے سرفراز کرے۔ کیا تو نے صادق القول ﷺ کو نہیں دیکھا، فرماتے ہیں: "میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔" بایزید بسطامی کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یاربّ! میں کس چیز سے تیرے قریب ہوں، فرمایا: جو میرے پاس نہیں: (یعنی) عاجزی اور محتاجی۔ (تاج التراجم، ترجمہ الجمع)

۲۷ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۸۰ میں فرماتے ہیں: اسمائے الٰہیہ کی دو اقسام ہیں ایک وہ جن سے یہ بندہ متخلّق ہوتا ہے اور دوسری وہ قسم جس سے وہ اجتناب کرتا ہے کیونکہ ان سے تخلّق اِسے نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿چکھ (یہ عذاب) تو بڑا عزت والا، تعظیم والا بنا پھرتا ہے﴾ (الدخان: ۴۹) اور فرمایا: ﴿اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور جبّار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے﴾ (غافر: ۳۵) پس وہ اس طرح کے اسمائے الٰہیہ سے اجتناب کرتا ہے؛ کیونکہ جو اِن سے موسوم ہوا اور عالم میں اِن کے حکم سے ظاہر ہوا (رب کے ہاں) وہ قابل مذمت ٹھہرا۔ انسان کی حقیقت محتاجی ہے، اور محتاج کبھی متکبر نہیں ہوتا؛ اگر وہ (متکبر ہو گا) تو ایسی صفت پر ظاہر ہو گا جو اسے حاصل نہیں، اِسی لیے اللہ بھی اس کی طرف نظر نہیں کرتا، اور یہ اِن تینوں میں سے ایک ہے: ۱۔ بوڑھا زانی، ۲۔ جھوٹا بادشاہ، ۳۔ متکبر فقیر۔ امام مسلم نے اسے صحیح مسلم میں ذکر کیا۔ (مخطوط: السفر-۱۳، ص ۸۰)

۲۸ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۴ میں فرماتے ہیں: ادراکات چھ ہیں: پانچ حواس اور چھٹی عقل۔ ... جہاں تک عقل کا معقولات کا ادراک کرنا ہے تو اِس کی دو قسمیں ہیں: ایک دیگر ادراکات کی طرح بدیہی (یعنی دلیل سے مستغنی)۔ اور دوسرا غیر بدیہی؛ جس کے علم کے لیے وہ اِن چھ آلات کی محتاج

ہے: پانچ حواس اور چھٹی قوت تفکیر۔...

ہم نے ذکر کیا ہے کہ ایک جماعت نے حواس کے ادراکات میں غلطی کھائی، اور اِن (حواس) کی طرف بہت سی غلط باتیں منسوب کیں، مثلاً جب انہوں نے ایک چلتی کشتی سے ساحل کو دیکھا تو انہیں یوں لگا کہ کشتی کے ساتھ ساحل بھی چل رہا ہے، یہاں اُن کی نظر نے انہیں وہ دکھایا جو حقیقت نہیں اور نہ کبھی ایسا ہوا ہے، کیونکہ انہیں علم بدیہی سے پتا ہے کہ ساحل اپنی جگہ سے نہیں ہٹا، لیکن انہوں نے جو اسے چلتے دیکھا یہ اُس کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ اِسی طرح جب انہوں نے شکر یا شہد چکھا تو اُسے کڑوا پایا جبکہ وہ تو میٹھا تھا، سو انہیں ضروری طور پر معلوم ہوا کہ یہاں چکھنے کی حِس نے غلطی کھائی اور اُن تک وہ معلومات پہنچائیں جو درست نہیں۔

(شیخ فرماتے ہیں:) ہمارے نزدیک یہ معاملہ یوں نہیں، یہاں غلطی اور خرابی تو (اس اِدراک پر) حکم لگانے والے حاکم یعنی عقل کی ہے اِن حواس کی نہیں، کیونکہ حواس کا ادراک تو وہی ہے جو انہیں اس شے کی حقیقت ضروری طور پر دیتی ہے، جیسا کہ عقل جب ضروری ادراک کرتی ہے تو غلطی نہیں کھاتی، مگر جب وہ حواس یا فکر سے ادراک کرتی ہے تو غلطی کر جاتی ہے۔ پس حِس نے کبھی غلطی نہیں کی اور نہ اُس نے جو اِس کا ضروری ادراک ہے۔

اِس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جِس نے حرکت بھی دیکھی اور کڑوا ذائقہ بھی پایا، نظر نے اپنی ذات سے حرکت کا ادراک کیا، اور اسی طرح (چکھنے کی قوت نے) اپنی ذات سے کھانے میں کڑواہٹ پائی۔ پھر جب عقل آئی تو اُس نے یہ حکم لگایا کہ ساحل چل رہا ہے اور شکر کڑوی ہے۔ ایک دوسری عقل (نے غور و فکر کیا تو) کہا: اُس وقت ایک کڑوا مادہ حِس ذائقہ کے مقام پر آگیا جس سے کڑواہٹ محسوس کی گئی، یہ کڑوا مادہ شکر اور چکھنے کی حس کے درمیان آگیا۔ سو چکھنے کی حس نے اس مادے کی کڑواہٹ کو چکھا۔ ان دونوں اشخاص کی عقلیں اِس بات پر متفق ہیں کہ اس شخص نے بلا شک و شبہ کڑواہٹ پائی۔ لیکن ان دونوں عقلوں کا اس شکر کے ذائقے پر اختلاف ہے۔ اِس مثال سے واضح ہوا کہ غلطی عقل کی ہے حس کی نہیں، پس حقیقت میں غلطی کو ہمیشہ حاکم (یعنی عقل) کی طرف منسوب کرنا چاہیے گواہ (یعنی حس) کی طرف نہیں۔

لیکن اس مسئلے میں میرے پاس ایک اور بات ہے جو ان کے دعوے سے بھی الگ ہے، وہ یہ کہ کسی میٹھی شے میں مٹھاس یا دیگر ذائقے اس کھانے والی شے میں نہیں ہوتے، یہ ایک اور معاملے کی وجہ سے ہے، اگر تو اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا تو ہماری بات کو درست پائے گا۔ (مخطوط: السفر-۳، ص۱۰۹)

[29] دیکھیے صحیح مسلم (۵۰۴۹) سنن ترمذی (۲۴۸۲) مسند احمد (۷۲۱۶) سنن دارمی (۲۸۹۹) مسند ابی یعلی الموصلی (۳۱۸۷) صحیح ابن حبان (۷۱۷) مسند الشہاب القضاعی (۵۳۸) اور بہت سی دیگر کتب حدیث۔ صحیح بخاری میں حجبت الجنة بالمکارہ کے الفاظ آئے ہیں۔

[30] دیکھیے صحیح بخاری (۳۰۸۴) صحیح مسلم (۳۷۶۰) مسند احمد (۱۹۲۳۵) مستدرک حاکم (۷۴۴۱) سنن دارمی (۲۲۷۶) مستخرج ابی عوانہ (۳۶۵۱) مسند ابی یعلی الموصلی (۶۰۸۹) مسند الحمیدی (۱۲۲۱) صحیح ابن حبان (۴۲۵۲) اور دیگر بہت سی کتب احادیث جن میں واضح طور پر یہ حدیث آئی ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔

[31] سورہ اعراف کی ۲۶ نمبر آیت کی طرف اشارہ ہے: ﴿اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانپے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور لباس تقویٰ سب سے اچھا ہے﴾

[32] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: وہ شہوات جو نفس الحیوانی اپنی حسی قوتوں سے پاتا ہے وہ یہ ہیں: جیسا کہ کھانا، پینا، نکاح، لباس، اور خوشبوئیں، وہ سریلے نغمے جو سماعت کو لبھائیں، اور محبوب حسین صورت میں حسی جمال جو کہ آنکھ اس تک پہنچاتی ہے مثلاً عورتوں کے اٹھے پستان، خوبصورت چہرے، مختلف رنگ، درخت اور نہریں۔ حواس یہ سب چیزیں نفس ناطقہ تک پہنچاتے ہیں اور وہ اپنے مزاج کے وجہ سے ان سے لذت محسوس کرتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۵، ص ۲ب)

[33] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: صورتوں کی ارواح- جن کا تدبیر میں کوئی حصہ نہیں، کہ (ان کی) صورت ہی یہ قبول نہیں کرتی- سے بڑھ کر کوئی اللہ کا علم رکھنے والا نہیں، اور یہ جمادات کی ارواح ہیں۔ علم باللہ میں ان سے نیچے نباتات کی ارواح ہیں۔ اور علم باللہ میں ان سے نیچے حیوانات کی ارواح ہیں۔ ان میں سے ہر ایک صنف علم باللہ اور معرفت الٰہی پر تخلیق ہوئی ہے، اسی لیے ان کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ اس متعال کی تسبیح بیان کرنا۔ علم باللہ میں ان سب سے نیچے انسانوں کی ارواح ہیں۔ جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو جمادات کی طرح ان کی تخلیق بھی علم باللہ پر ہوئی ہے، نہ ان کے پاس عقل ہے نہ شہوت۔ حیوان کی تخلیق علم باللہ اور شہوت پر ہوئی ہے۔ جبکہ انسان اور جن اپنی صورت نہ کہ اپنی ارواح کی حیثیت سے شہوت اور معارف پر تخلیق ہوئے، لیکن اللہ نے انہیں عقل بھی دی تاکہ وہ اس سے شہوت کو شرعی میزان کی طرف لوٹائیں... اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل علوم حاصل کرنے کے لیے نہیں دی، علوم حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت فکر بخشی ہے۔ اسی لیے ان کی ارواح معارف پر تخلیق نہیں ہوئیں جیسا کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ تمام مخلوقات مثلاً فرشتوں کی ارواح تخلیق ہوئیں۔ (مخطوط: السفر-۲۲، ص ۷)

[۳۴] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۵۷ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ جانور انسان میں، دار آخرت کے معاملات میں اور اُن حقائق۔ کہ جن پر یہ وجود مشتمل ہے۔ میں سے وہ کچھ جانتے ہیں جس کا علم بعض لوگوں کو نہیں یا جو وہ نہیں جانتے۔ جیسا کہ کسی سے بیان کیا گیا، اُس نے ایک شخص کو گدھے پر سوار دیکھا، اور وہ ایک چھڑی سے گدھے کو مار رہا تھا۔ اُس شخص نے اِسے سر پر مارنے سے منع کیا تو گدھا اِس سے بولا: "اُسے چھوڑ، کیونکہ یہ اپنے سر پر مار رہا ہے۔" سو (گدھے نے) اُسے گدھا قرار دیا۔ وہ گدھا جانتا تھا کہ اُسے پورا بدلہ دیا جائے گا جو وہ اِس کے ساتھ کر رہا ہے۔ اور اس کا کہنا: "اسے چھوڑ دے" کہ گدھا جانتا تھا کہ اللہ کے نزدیک اِس میں اُس (گدھے) کے لیے بھلائی ہے، یا وہ یہ جانتا تھا کہ اُس نے اس شخص کا حق ادا نہیں کیا کہ مسخر ہونے میں یہ اُس کے لیے تخلیق ہوا؛ سو وہ جان گیا کہ وہ مار کا مستحق ہے۔ اپنی اس بات سے اُس گدھے نے اس شخص کو تنبیہ کی کہ اگر کوئی شخص اپنے ساتھی کے حقوق ادا نہیں کرے گا تو وہ بھی تادیباً اور جزا کے لیے مار کا مستحق ہو گا۔ (مخطوط: السفر-۲۴، ص ۵۶) فتوحات کے باب نمبر ۳۷۸ میں اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ گدھا فطرت-نہ کہ تفکیر سے- جانتا تھا کہ معاملات کا انجام کیا ہوتا ہے۔ سوائے محجوب! کیا تیرا مرتبہ اب حیوانوں سے بھی گر گیا ہے کہ حیوانات تو تجھے جانتے ہیں، وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تیرے معاملے کا انجام کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ تیری تخلیق کس کے لیے ہوئی، لیکن تو یہ سب نہیں جانتا۔

[۳۵] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۶۷ میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے علم خط کے بارے میں فرمایا: "انبیا میں سے ایک نبی اِس (علم) کے ساتھ مبعوث ہوا۔" کہا جاتا ہے وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہی ہیں، پس اللہ تعالی نے آپ کی طرف اِن اشکال میں وحی کی، اور یہ آپ کے لیے ویسی ہی تھیں جیسا کسی دوسرے نبی کے لیے فرشتہ ہوتا ہے، جیسے فرشتہ بغیر نبی کے بلائے آتا ہے، اِسی طرح خط کی شکل بھی لکھنے والے صاحبِ خط کے قصد کے بغیر ہوتی ہے۔... آپ ﷺ نے اس خط کے جاننے والے علما کے بارے میں فرمایا: جس کا خط اُس نبی کے خط سے مل گیا تو یہ وہی ہے۔ فرمایا: اس نے حق پالیا۔ (مخطوط: السفر-۵، ص ۳۲ب)

[۳۶] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۵۹ میں اُلٹ اور خلاف کی معرفت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جان لے- اللہ اپنی طرف سے روح بھیج کر تیری تائید کرے- کہ جب اللہ تعالی نے اشیا کو اُس حکم پر تخلیق کیا جو (حکم) وجود کا تقاضا تھا؛ وہ اصل جس پر (وجود) تھا اور اُسی کے لیے اللہ کے سوا ہر ایک وجود پذیر ہوا۔ سو جب اُس نے کسی شے کو تخلیق کیا تو اُس کی ایک الٹ، اُس کی ایک مثل، اور اُس

سے مختلف ایک شے تخلیق کی۔ اُس نے مختلف میں موافقت رکھی، الٹ میں منافرت رکھی، اور مثل میں مناسبت رکھی۔ اشیا میں سب سے زیادہ وصال محبت اور اتحاد کی خواہش دو مختلف چیزوں میں ہوتی ہے؛ اِسی لیے تو ایک مختلف دوسرے مختلف کے ساتھ ہوتا ہے اور اپنے ساتھ سے صرف اس اختلاف کے حکم کے باعث ہی متمیز ہوتا ہے۔ یوں دو مختلف ایک جگہ میں جمع ہوتے ہیں، اور حکم کے باعث ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔

جہاں تک ایک مثل کا دوسری مثل کے ساتھ ہونا ہے؛ تو محبت میں مناسبت اِن دونوں کو اکٹھا کرتی ہے؛ یوں ہر مثل دوسری مثل سے محبت کرتی ہے: کہ اِس میں مناسبتِ مثلی ہے، چاہے یہ ایک جگہ نہ بھی ہوں۔

محبت میں مثل مختلف جیسی ہے، اگرچہ حقائق کے حوالے سے ان میں واضح فرق ہے۔ اور (مثل) اُلٹ جیسی اِس طرح ہے کہ دو مثلیں کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملتیں۔ یہ دونوں اُس غائب جیسی ہیں جو دوسرے غائب سے محبت کرتا ہے، اُس کے عشق میں پاگل ہے لیکن موانع کا حکم ہے کہ یہ دونوں نہ ملیں۔

جہاں تک الٹ کا دوسرے الٹ سے تعلق ہے تو ان دونوں میں ذاتی منافرت ہے، ان میں محبت نہیں جو کہ دو مختلف میں ہوتی ہے، ان میں سے ہر ایک الٹ چاہتا ہے کہ وہ اپنے الٹ کے وجود کو مٹا دے۔۔۔ دو مثل کی مثال: دو سفید کا ہونا ہے۔ الٹ کی مثال: سفید اور سیاہ کا ہونا ہے۔ جبکہ دو مختلف کی مثال ایک ہی جگہ رنگ خوشبو اور ذائقے کا ہونا ہے۔ (مخطوط: السفر-۲۴، ص ۴۷ب)

۳۷ دوسرے لفظوں میں انسان کو زمین و آسمان کی خلافت دی گئی تو یہ اُس کے لیے مسخر بھی کیے گئے۔ اب اگر وہ اس تسخیر کو ہی نہ جانے تو وہ ان پر حکمرانی کیسے کرے گا، اور اگر حکمرانی نہیں کرے گا تو اِن میں ذلیل وخوار ہو کر رہ جائے گا۔

۳۸ یہاں ساتویں آسمان سے مراد سیارہ زحل ہے۔ زحل اور سورج کا درمیانی فاصلہ ۹ شمسی اکائیوں کے برابر ہے۔ ایک شمسی اکائی زمین اور سورج کے درمیانی فاصلے کو ظاہر کرتی ہے۔ زحل تقریباً ۳۰ زمینی سالوں میں سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرتا ہے۔ (وکی پیڈیا) لہٰذا جب شیخ اکبر یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے تیس سال وہاں گزارے تو آپ نے زحل پر ایک سال گزارا (یعنی سورج کے گرد زحل کا ایک سال) اور وہاں بیٹھ کر تمام نظام شمسی کے افلاک اور ان کی حرکات سے پیش آنے والے حوادث کو جانا۔

۳۹ شیخ اکبر علم زمان کے بارے میں فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: یہ ایک بلند پایہ علم ہے جس سے ازل کی

معرفت ملتی ہے، اور اسی (علم) سے آپ ﷺ کا یہ قول ظاہر ہوا: "اللہ ہے اور اس کے ساتھ کچھ نہیں" یہ علم اللہ والوں میں سے صرف "افراد" کے پاس ہوتا ہے، اور اسے "دہر اول" یا "دہر دہور" بھی کہتے ہیں۔ اسی ازل سے زمانہ وجود میں آیا، اور اسی سے اللہ نے اپنا نام "الدھر" رکھا، جو کہ آپ ﷺ کا یہ قول ہے: "دہر کو گالی مت دو، کیونکہ اللہ ہی دہر ہے" یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے۔ (مخطوط السفر-۲، ص ۱۴۷)

[۴۰] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں "عالم ملکوت" "عالم ملک" اور "عالم جبروت" کی تعریف یوں کرتے ہیں: اگر تو پوچھے کہ "عالم ملکوت" کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے: یہ عالم معانی اور عالم غیب ہے اور اس تک رسائی "عالم ملک" سے ہوتی ہے۔ اگر تو پوچھے کہ "عالم ملک" کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے: یہ عالم شہادت و حرف ہے، اور ان دونوں کے مابین "عالم برزخ" ہے۔ اگر تو پوچھے کہ عالم برزخ کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے: یہ عالم خیال ہے، اور بعض اہل طریقت اسے "عالم جبروت" بھی کہتے ہیں اور میری بھی یہی رائے ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۳، ص ۳۲ب)

[۴۱] رُوحِ کثیر علوی رُوح ہے جبکہ رُوحِ قلیل حیوانی روح ہے۔

[۴۲] یعنی دنیا جب آخرت سے تبدیل ہو گی تو اِس کا طالع بُرج اسد ہو گا جو کہ ایک ثابت بُرج ہے۔

[۴۳] وہ ندا یہ تھی: ﴿کہا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا، پانی ختم ہوا اور کام تمام ہوا، کشتی جودی پر ٹھہر گئی اور کہا گیا: ظالموں کی قوم برباد ہوئی﴾ (ھود: ۴۴)

[۴۴] اللہ نے اِسے اپنے اِس قول سے مقید کیا: ﴿أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ (المومنون: ۲۷) ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی سے کشتی بنا۔

[۴۵] یہاں پر اس آیت کی جانب اشارہ ہے: ﴿قَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا﴾ (ھود: ۴۱) فرمایا: اِس میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے۔ اگر یہاں "ب" اور "س" کے درمیان توحید کا الف نہ ہو تو کشتی چل نہیں سکتی، یہی الف وہ واحد ہے جو وجود میں سرایت کیے ہے۔

[۴۶] شیخ اکبر نے پانی اور علم میں مماثلت بتائی ہے اور کلام اللہ میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے﴾ (الانبیاء: ۳۰) ﴿وہی تو ہے جس نے پانی سے بشر بنایا﴾ (الفرقان: ۵۴) شیخ اکبر فرماتے ہیں اللہ کے اس قول: ﴿اس کا عرش پانی پر تھا﴾ (ھود: ۷) میں سمجھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں کیونکہ اسی پانی سے عرش اور تمام مخلوقات زندہ ہوئیں۔ جیسے پانی جسمانی یا حسی زندگی کے لیے ضروری ہے ویسے ہی علم روحانی یا معنوی زندگی کا عنصرِ اعظم ہے۔ جیسے مختلف قسم کے کھانے اور مشروبات جسمانی غذا ہیں ویسے ہی علوم اور تجلیات روحانی

غذا ہیں۔ پانی سے جسم کی بقا ہے تو علم سے روح کی بقا ہے۔ یہاں پر شیخ اکبر پانی اور علم کو ایک دوسرے کے مترادف لائے ہیں۔ چنانچہ پانی سے ہلاک ہونے کی حکمت یوں بیان کرتے ہیں جب انہوں نے علم کا انکار کیا جو کہ خود زندگی ہے تو وہ اسی علم سے ہلاک ہوئے جس کی ظاہری شکل پانی ہے۔

[47] عام فہم میں آسمان یا بادل کا وہ مقام جہاں بخارات دوبارہ ٹھنڈے ہو کر پانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور زمین پر بارش کی صورت میں برس پڑتے ہیں۔

[48] جب آپ نے اپنے رب سے اس کے غیر کا سوال کیا تو رب نے آپ کو ایک بیٹا عنایت کیا اور پھر خواب میں دکھایا کہ آپ اسی بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ شیخ اکبر کے نزدیک آپ در اصل مینڈھے کو ذبح کر رہے تھے جو آپ کے بیٹے کی صورت میں ظاہر ہوا، لیکن آپ نے خواب کی تعبیر نہ کی اور اسے کشف سمجھا چنانچہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے، اسے لٹایا لیکن اللہ نے ایک مینڈھے کو آپ کے بیٹے کا فدیہ کر دیا۔ یہ اس صورت کا فدیہ تھا جو آپ نے خواب میں دیکھی تھی۔

[49] یہاں آزمائش کی نسبت یا مناسبت بشارت سے ہے۔

[50] اِس عبارت سے واضح ہے کہ پہلی بشارت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تھی اور یہ اُس دعا کا نتیجہ تھی جو آپ نے اپنے رب سے مانگی کہ "اے رب! مجھے صالح اولاد عطا فرما" چونکہ آپ نے اللہ سے اللہ کے سوا کچھ مانگا تو اللہ نے آپ کو اسی شے سے آزمایا جو مانگی گئی تھی، اور جب آپ اس آزمائش میں پورے اترے تو آپ کو بغیر سوال کے حضرت اسحاق علیہ السلام عطا ہوئے۔ (مترجم و محقق)

[51] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۵۵۸ میں "حاضرتِ حلم" کی معرفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس حاضرت کی شان اقتدار کا اثبات ہے؛ کیونکہ اپنے اقتدار کے نفاذ سے عاجز شخص حلیم نہیں ہوتا، اور نہ ہی اسے حلم کہتے ہیں؛ پس حلیم صرف صاحب اقتدار ہی ہوتا ہے۔ چونکہ مخالفت مواخذے کا تقاضا کرتی ہے؛ تو حلیم نے بعض مقامات پر اس کا حکم فاسد قرار دیا، اسی لیے جب جِلد پھٹ جائے تو کہتے ہیں: "حلم الأدیم" جِلد خراب ہو گئی۔ اسی طرح خواب بھی معنی کو صورت سے ہٹاتا ہے؛ کیونکہ اُس نے اسے جس سے ملا دیا جو کہ محسوس نہ تھا حتی کہ جسے اس کی اصل کا پتا نہ تھا جب اس نے اسے دیکھا تو اس پر اس صورت کا حکم لگایا جو اس نے اس پر دیکھی۔ جب وہ یہ خواب کسی عارف کے پاس لے کر آتا ہے تو وہ اِس (دیکھی جانے والی) صورت کو عبور کر کے اس معنی تک پہنچتا ہے جس کے لیے یہ صورت لائی گئی، اور وہ اس سے ظاہر ہوا؛ پس وہ اِسے اِس کی اصل کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ جیسا کہ خواب نے علم کو بگاڑ دیا؛ اسے دودھ کی صورت میں ظاہر کیا؛ جبکہ وہ دودھ نہ

تھا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے خواب کی تعبیر سے اِسے اِس کی اصل -جو کہ علم تھا- کی طرف لوٹا دیا۔ آپؐ نے اِسے (یعنی علم کو) اِس (دکھائی دی جانے والی) صورت (یعنی دودھ) سے الگ کیا۔ اسی صورت میں "حلم" کا حکم لگا۔ اسی لیے تو ہم کہتے ہیں: کہ (خواب نے) علم کی صورت کو بگاڑ دیا، اور رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس لوٹایا۔ درست تعبیر کرنے والا -چاہے وہ کوئی ہو- وہی ہے جو اِس کی اصل کو پالے، اور اس (خواب) سے حلم کی خرابی دور کرے۔

ہاں اگر کسی خواب دیکھنے والے نے ایسا خواب دیکھا جو حقیقت میں بھی ویسا ہی تھا تو یہ خواب "حلم" نہیں، بلکہ یہ تو کشف ہے چاہے سوتے میں ہو یا جاگتے میں۔ بعض اوقات جاگتے میں بھی خواب ہوتا ہے جیسا کہ سوتے میں ہوتا ہے؛ (اس کی مثال) دحیہ کی وہ صورت ہے جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام جاگتے میں ظاہر ہوتے، اِس میں بھی تاویل کا عمل دخل ہے لیکن نصوص میں تاویل نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص۸۹)

[۵۲] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جہاں تک حضرت ابراہیم کا اپنے بیٹے سے کہنا ہے، کہ آپ نے اپنے بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا، تو آپ نے اسے ظاہر الیا کہ یہ معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا، جبکہ (حقیقت میں) تو وہ مینڈھا تھا، یہ ایک عظیم قربانی تھی جو آپؐ کے بیٹے کی صورت میں ظاہر ہوئی؛ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ آپؐ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں؛ لیکن آپؐ نے مینڈھا ذبح کیا؛ اور یہی اس خواب کی تعبیر تھی جسے آپ نہ جانتے تھے ﴿اور ہم نے اِس کا فدیہ کر دیا﴾ (الصافات: ۱۰۷) یعنی اِس صورت کا جو آپؐ کے بیٹے کی تھی، اور جو آپؐ نے خواب میں دیکھی ﴿ایک عظیم قربانی سے﴾ (الصافات: ۱۰۷) جو کہ مینڈھا تھا؛ پس آپؐ نے اپنے بیٹے کی صورت میں مینڈھا ہی ذبح کیا؛ اور "حلم" نے خواب میں مینڈھے کی صورت کو تبدیل کر دیا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص۸۹ب)

[۵۳] یہاں یہ واضح رہے کہ برج حمل کا علامتی نشان بھی مینڈھا ہی ہے۔

[۵۴] شیخ اکبر کے نزدیک اپنے اوپر سے کھانے کا مطلب علم الوہب کا حصول اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھانے کا مطلب علم الکسب ہے؛ یہ وہ علم ہے جو اس امت کے اہل تقوی کو ملے گا، یہ کسبی علم ہے جو عمل یعنی تقوی کا نتیجہ ہے۔

[۵۵] لفظ سَحق کا لغوی معنی پیس ڈالنا، کوٹ ڈالنا، سفوف کی شکل میں ایسے ڈھال دینا کہ تمام اجزا علیحدہ علیحدہ ہو جائیں، اور دور کرنا ہے۔ اصطلاحاً اس سے مراد قہر الٰہی کے غلبے تلے ترکیب کا زائل ہونا ہے۔ ڈاکٹر سعاد الحکیم اپنی کتاب المعجم الصوفی میں لکھتی ہیں: سحق تجلی کی طاقت اور اس کے قہر کے

نیچے بندے کا اپنی ترکیب کے زائل ہونے کا احساس کہلاتا ہے۔ (المعجم الصوفی، ص ۱۰۱۵)

۵۶ مَحق کا لغوی معنی فنا ہو جانا زائل ہو جانا اور مٹ جانا ہے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں: محق اصطلاحاً سحق سے بلند ہے؛ یہ بندے کا حق میں فنا ہونا ہے۔ یہ تیرے وجود میں حکم سحق (یعنی دوری) کے بعد فنا ہونا ہے۔ فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۲۵۵ میں فرماتے ہیں: محق سے مراد وجود میں تیرا ظہور اسی سے بطریق استخلاف اور نیابت ہے، جس سے کائنات میں تیرا حکم چلتا ہے۔ (المعجم الصوفی، ص ۱۰۱۵)

۵۷ یہاں دور کرنے سے مراد جدائی ہے کیونکہ محق یا فنا میں تو قرب ہے لیکن سحق اور وہب میں جدائی ہے۔ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۲۶۱ جو کہ معرفتِ دُوری بیان کرتا ہے میں اسی طرف اشارہ کیا، آپ فرماتے ہیں: قرب ملاپ ہے اور بُعد (یعنی دوری) جدائی ہے۔ سو جس سے ملاپ ہو وہ وہ نہیں جس سے جدائی ہو؛ پس دوری قرب نہیں۔ جب دو چیزیں کسی معاملے میں ملتی ہیں، تو یہ انتہا درجے کا قرب ہے؛ کیونکہ اِن میں سے ہر ایک کا عین اس معاملے میں دوسرے کا عین ہوتا ہے جس میں ملاپ ہوا۔ اور اگر ان دونوں عینوں میں سے ہر ایک عین اپنے ساتھی سے کسی بھی ایسی خوبی سے متمیز ہوا جو دوسرے میں نہیں تو یہ اُس سے جدا ہوا، اور اگر یہ اُس سے جدا ہوا تو یہی دوری ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۸، ص ۱۳۱ ب)

۵۸ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۴۴۰ میں فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے اپنے نبی لوط علیہ السلام سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا، جب آپ نے اپنی قوم سے کہا: ﴿کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ میں ہوتا﴾ (ہود: ۸۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا: "اللہ میرے بھائی لوط پر رحم کرے کہ وہ مضبوط سہارے - یعنی قبیلے - کی پناہ میں جانا چاہتے تھے۔"

جان لے سب سے زیادہ طاقت ور وہ ہے کہ جس کی طاقت خود حق تعالی ہے، لیکن اِس طاقت اور اِس صفت کے ہوتے ہوئے بھی ہوتا وہی ہے جو پہلے سے لکھا جا چکا، اور لکھا وہ گیا ہے جو جانا گیا، اور جانا وہ گیا جس پر معلوم (یعنی جو جانا گیا وہ) در حقیقت ہے پس ﴿اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں﴾ (یونس: ۶۴) نہ اُس کے ہاں بات تبدیل ہوتی ہے اور نہ وہ بندوں پر ظلم کرتا ہے۔

آپ (یعنی لوط علیہ السلام) کا یہ کہنا: ﴿کاش میرے پاس تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی﴾ (ہود: ۸۰) اِس سے مراد ہمت فعالہ (یعنی اثر کرنے والی توجہ ہے) جس کی طاقت خود حق تعالی ہو، تو اس صفت کے حامل کی ہمت یا توجہ بھی کام نہیں کرتی۔ لیکن معاملہ وہی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یعنی لکھا غالب آتا ہے۔ اور وہی ہوتا ہے جو کہ ہونا تھا۔...

پس تجھ سے بڑھ کر کوئی مضبوط سہارا نہیں، اور اسی سہارے نے تجھے فائدہ نہ دیا۔ ہمارا یہ کہنا کہ تو ہی سب سے مضبوط سہارا ہے تو اس لیے کہ اس کا فیصلہ تجھ پر تیرے ہاتھوں کے کسب کی وجہ سے جاری ہوا؛ اور یہ کسب تیری قدرت نے انہیں دیا؛ پس فعل کی اضافت تیری جانب ہے۔ اور یہ وہی ہے جو ہم نے ثابت کیا کہ تجھ سے وہی جانا گیا کہ جس پر تُو تھا۔ چونکہ یہ سہارا تُو خود ہی ہے تو اپنی غرض کی طرف نظر کرتے ہوئے خود کو ہی کوس۔ (مخطوط: السفر-۲۹، ص ۷۹ب)

۵۹ یعنی اپنے نفس اور اپنے احوال کی فکر کر، تجھے غیر سے کیا، تو خود اپنی غایت ہے۔

۶۰ سعد السعود چاند کی ۲۸ منازل میں سے ایک منزل کا نام ہے۔ سعد السعود کا دورانیہ ۲۶ فروری سے لے کر ۱۰ مارچ تک ہوتا ہے۔ یہی وہ بہار کا موسم ہوتا ہے جب پودوں کے نئے پتے نکلنا شروع ہوتے ہیں اور ان پر دوبارہ سے زندگی لوٹ آتی ہے۔

۶۱ فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۱۱ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: بیشک عالم دو ہیں اور حاضرات بھی دو ہیں، اگرچہ ان دونوں کے اجتماع سے اِن کے درمیان ایک تیسری حاضرت جنم لیتی ہے۔ پس پہلی حاضرت: حاضرتِ غیب ہے اور اس کے عالم کو عالم غیب کہتے ہیں۔ دوسری حاضرت: حاضرتِ حِس وشہادت ہے اور اس کے عالم کو عالم شہادت کہتے ہیں۔ اِس عالم کا ادراک بصر سے کیا جاتا ہے جبکہ اُس پہلے عالم کا ادراک بصیرت سے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں کے اجتماع سے ایک حاضرت اور ایک عالم جنم لیتا ہے۔ یہ حاضرت حاضرتِ خیال ہے، اور یہ عالم عالم خیال ہے؛ یہ معانی کا حِسی قوالب میں ظاہر ہونا ہے؛ جیسا کہ علم دودھ کی صورت میں، دین میں ثبات زنجیر یا بیڑی کی صورت میں، اسلام ستون کی صورت میں، ایمان پکڑنے والی چیز کی صورت میں، اور جبرائیل دحیہ کلبی اور ایک دیہاتی کی صورت میں، اور مریم کے لیے آپ ایک بشر کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ .... اِسی لیے حاضرتِ خیال وسیع ترین حاضرت ہے کیونکہ یہ دو عالموں یعنی عالم غیب اور عالم شہادت کو جمع کرتی ہے۔ بیشک حاضرتِ غیب کی وسعت عالم شہادت میں نہیں؛ کیونکہ اِس میں کوئی خالی جگہ نہیں اور نہ ہی حاضرتِ شہادت کی وسعت (عالم غیب میں ہے)۔ لہٰذا تجھے پتا چل گیا کہ حاضرتِ خیال ہی وسیع ترین حاضرت ہے۔ (مخطوط: السفر-۲۱، ص ۴۳ب)

شیخ فرماتے ہیں: عالم خیال کی قدر اور اس کی سلطان اور قوت کا اندازہ صرف اللہ، اور اہل اللہ میں سے نبی اور مخصوص ولی ہی جانتے ہیں، اِن دونوں کے علاوہ تیسرا کوئی اس مرتبے کی قدر نہیں جانتا۔ اس (مرتبے) کا علم نبوت کے اولین مقامات میں سے ہے۔ اِسی لیے رسول اللہ ﷺ صبح صبح جب اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوتے تو اُن سے پوچھتے: کیا آج تم میں سے کسی نے خواب دیکھا؟ وہ اس

لیے تا کہ آپؐ جان سکیں کہ آج صبح اللہ تعالی نے اس عالم میں کیا نیا کیا، یا وہ مستقبل میں کیا کرے گا جو اُس نے اِس خواب دیکھنے والے کو خواب میں بتایا؛ یا تو وحیِ صریح، یا پھر صورت میں وحی؛ جسے دیکھنے والا جانتا ہو یا یہ اِس کا مطلب نہ جانتا ہو۔ پس آپ ﷺ (خواب کی) اس صورت کی مرادِ خداوندی کے مطابق تعبیر کرتے۔ آپ ﷺ تو اس مرتبے (یعنی مرتبہ خیال و خواب) کا اتنا خیال رکھتے تھے جس کی آج کے علما کو خبر تک نہیں۔ (مخطوط: السفر-۲۷، ص ۱۱۱)

۶۲ چونکہ عالم نفس عالم عقل اور عالم حس کے مابین ہے اور اس پر تانیث کا غلبہ ہے لہذا یہ عورت کے حصے میں آیا کہ عورت کے زیادہ تر فیصلے اِسی بنا پر ہوتے ہیں وہ اپنی عقل کو کم استعمال کرتی ہے اور اپنے جذبات پر زیادہ بھروسا کرتی ہے۔

۶۳ میقات اور آجال کا فرق یہ ہے: کسی فعل کے لیے رکھے گئے وقت کو میقات کہتے ہیں، اور ان افعال کے لیے اللہ کے پاس معین اور مقرر وقت اجل کہلاتا ہے۔

۶۴ اس آیت کی شرح میں شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿پھر اس نے اجل کا فیصلہ کیا﴾ یہ ہر اس زندہ شے کی عمر کی انتہا ہے جو موت کو قبول کرتی ہے ﴿اور "اجل مسمی" اسی کے پاس ہے﴾ یہ ہر اُس جاندار کا جو اپنی موت سے پہلے اپنی پہلے والے زندگی میں تھا کا وہ مقررہ وقت ہے جسے بعث کہتے ہیں۔ اسی لیے تو کہا: ﴿تم پھر بھی شک کرتے ہو﴾ (الانعام: ۲) یعنی اس میں۔ بیشک وہ موت میں شک نہیں کرتے تھے، کیونکہ موت تو ہر جاندار میں ہر لحہ ان کے سامنے تھی۔ شک تو مرنے کے بعد جی اٹھنے میں ہوا، اور یہی مذکورہ "اجل مسمی" ہے۔ (مخطوط السفر-۱۹، ص ۳۴ب)

۶۵ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایہہ تن میرا چشماں ہووے تے	میں مُرشد ویکھ نہ رَجّاں ھُو
لُوں لُوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں	ہِک کھولاں ہِک کجاں ھُو

۶۶ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۶۹ میں جمعۃ المبارک کے آداب بیان کرتے ہوئے اور مسواک کا روحانی مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مسواک ہر وہ چیز ہے جس سے دل کی زبان ذکر قرآنی سے پاک ہو جائے اور یہ مکمل طہارت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسواک کے بارے میں فرمایا: "یہ منہ کو صاف کرنے والی اور رب کو راضی کرنے والی ہے۔" بیشک مسواک بندے اور رب کے درمیان حائل پردے اٹھا دیتی ہے اور (بندہ) اس (ذات) کا مشاہدہ کرتا ہے کیونکہ یہ دو عظیم صفات کی حامل ہے: ایک طہارت اور دوسری رب کی رضا۔ آپ ﷺ نے اپنے اس قول میں اسی طرف

اشارہ کیا ہے: "مسواک کے ساتھ نماز بغیر مسواک کی ستر نمازوں سے بہتر ہے۔"

٦٧ جیسا کہ آگے چل کر شیخ اکبر نے فرمایا کہ جب تیس راتیں پوری ہوئیں تو آپ میں قدّوسیت آ گئی، آپ نے مسواک کی جس سے قدّوسیت ظاہر ہوئی، پھر اسی قدّوسیت کے خاتمے کے لیے آپ نے اگلی دس راتیں مکمل کیں، فرمایا سو مسواک کے لیے یہ مدت پوری کی۔

٦٨ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ان مطالب کو یوں بیان کیا ہے۔

عشق جنہاندے ہڈیں رچیا	اوہ رہندے چپ چپاتے ہُو
لوں لوں دے وچ لکھ زباناں	اوہ پھردے گنگے باتے ہُو
اوہ کردے وضو اسم اعظم دا	تے دریا وحدت نہاتے ہُو
تدوں قبول نمازاں باہو	جد یاراں یار پچھاتے ہُو

٦٩ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۲۸ میں "معرفتِ مقام رضا اور اس کے راز" بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ والوں کے نزدیک رضا کے بارے میں اختلاف ہے، آیا یہ مقام ہے یا کہ حال؟ جس نے اسے حال قرار دیا تو اس نے اسے مواہب سے ملایا، اور جس نے اسے مقام کہا تو اسے مکاسب سے ملایا۔ یہ ایک الٰہی سلبی وصف ہے؛ ہر وہ الٰہی سلبی وصف جس کی اضافت اللہ کی جانب کی جائے تو وہ وہب اور کسب دونوں کو قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ اس معنی کے سوا ہوتا ہے جو معنی ہم اس کی نسبت مخلوق کی جانب کرنے میں لیتے ہیں... چنانچہ اگر اِس کی نسبت مخلوق کی جانب کی جائے اور یہ ثابت رہے تو مقام ہے لیکن اگر زائل ہو جائے تو حال ہے۔ حقیقت میں یہ دونوں وصف قبول کرتا ہے، اور یہ صحیح ہے۔ یہ بعض لوگوں کے حق میں حال ہوتا ہے جبکہ بعض دیگر کے حق میں مقام ہوتا ہے۔...

حق تعالیٰ دنیا اور آخرت میں تجھے جو خیر اور نعمتیں دیتا ہے تو وہ اس کی نسبت بہت تھوڑی سی ہیں جو کہ اس کے پاس ہے: کیونکہ اس کے پاس تو لامتناہی خزانے ہیں۔ اور اس میں سے تجھے جو ملا وہ تو متناہی ہے کہ یہ وجود میں حاصل ہوا۔ اور لامتناہی کی متناہی سے نسبت بہت ہی تھوڑی ہے، جیسا کہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، جب ایک پرندے نے سمندر سے پانی پینے کے لیے اپنی چونچ اس میں ڈالی، تو انہوں نے اسے اللہ کے علم کی مخلوق کے علم سے تشبیہ کے لیے استعمال کیا۔ اسی لیے تو اللہ نے بھی کہا: ﴿اللہ ان سے راضی ہوا﴾ ان کے تھوڑے اعمال پر ﴿اور وہ اللہ سے راضی ہوئے﴾ (المائدہ: ۱۱۹) تھوڑی سی جزا پر، کہ جو وجود میں لامتناہی ہو اس کا حصول بھی ممکن نہیں، کیونکہ وہ لامتناہی ہے۔ اسی لیے ہم نے کہا: رضا کا تعلق تھوڑے سے ہے، اور یہ موجود سے راضی ہونا ہے۔

(مخطوط: السفر-۱۴، ص ۵۱)

۷۰ شیخ اکبر نے ان لوگوں کا تذکرہ طبقہ ملامیہ میں کیا ہے، فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۰۹ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ بندوں میں حکیم وہ ہے جو ہر شے کو اُس کے مقام پر رکھے، اور اس کے مرتبے سے تجاوز نہ کرے، جو ہر حق دار کو اُس کا حق دے، اور کسی شے میں اپنی خواہش اور غرض سے حکم نہ لگائے، اور خلاف توقع حوادث اس پر اثر انداز نہ ہوں۔ (مخطوط: السفر-۲۱، ص ۱۲۱ب)

۷۱ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۲۳۸ میں فرماتے ہیں: حقیقت میں وقت وہ ہے جس سے تو ہے۔ اور تو اپنی عین کی استعداد سے ہے، لہٰذا تجھ میں حق تعالیٰ کے شوؤن ویسے ظاہر نہیں ہوتے جیسا کہ وہ ان شوؤن پر ہے، بلکہ (ویسے ظاہر ہوتے ہیں) جیسا کہ تیری استعداد اس سے مانگتی ہے۔... پس وقت کی اصل ایجاد سے ہے حق سے نہیں۔ یہ مقدار (تقدیر یا اندازہ) ہے، جبکہ تقدیر یا اندازے کا حکم صرف مخلوق میں ہے۔ پس صاحبِ وقت مخلوق ہے، اور یہ حکم مخلوق کا حکم ہے، جیسا کہ ہم نے کہا کہ حق تعالیٰ ممکنات کی اعیان میں جلوہ پرداز ہوا، اس اعتبار سے جیسا کہ استعداد کی عطا تھی۔ سو اس کا متنوع ہونا ان (اعیان) سے ہے، جبکہ اپنی ذات میں وہ جہانوں سے بے نیاز ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۸، ص ۸۵ب) سادہ لفظوں میں وقت تیری عین کے تقاضے ہیں اور جو اپنی عین کے تقاضوں سے انجان ہے وہ اپنے نفس سے انجان ہے۔

۷۲ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں یہ حدیث سو سے زائد مرتبہ لائے ہیں اور بار بار آپ ان الفاظ کو حضرت محمد ﷺ کی طرف منسوب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے کہیں بھی اس حدیث کی سند کے بارے میں بات نہیں کی۔ لہٰذا غالب گمان یہی ہے کہ آپ کو کشف سے اس حدیث کی صداقت کا پتا چلا اور اسی وجہ سے آپ اسے بار بار حضرت محمد ﷺ سے منسوب کرتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات بھی زیرِ غور رہنی چاہیے کہ آپؐ کا قول ہے جس نے میری طرف جھوٹ باندھا یعنی وہ کہا جو میں نے نہیں کہا تو اسے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالینا چاہیے۔ کوئی ادنیٰ درجے کا مؤمن بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ جان بوجھ کر حضور اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرے۔ ہم، جنہیں اس حدیث کی صداقت کا علم الیقین نہیں ہم اسے شیخ اکبر کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ شیخ نے ان الفاظ کو نبی کریم ﷺ سے منسوب کیا ہے۔ واللہ اعلم!

۷۳ شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۴۴ میں فرماتے ہیں: اللہ اور الٰہ کے مابین فرق ضروری ہے، اللہ نکرہ نہیں جبکہ الٰہ نکرہ ہے۔... اِس جہان میں الٰہ بہت ہو گئے کیونکہ اس لفظ نے نکرہ ہونا قبول کیا، جبکہ اللہ واحد معروف ہے مجہول نہیں۔ خداؤں کے پیروکار بھی یہ کہتے ہیں: ﴿ہم ان کی عبادت اسی

لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں﴾ (الزمر:۳) انہوں نے یہ نہیں کہا: کہ یہ ہمیں بڑے الہ سے قریب کر دیں، وہ جو ان سب کا بڑا ہے۔ اسی لیے تو انہوں نے قرآن و سنت میں نبی پاک ﷺ کے اس قول کا انکار کیا: کہ وہی ایک الہ ہے، یعنی آپؐ نے اس پر لفظ الہ کا اطلاق کیا، انہوں نے اللہ کا انکار نہیں کیا۔ اگر وہ اللہ کا انکار کرتے تو مشرک نہ رہتے، اگر وہ اُسی کا انکار کرتے تو کس میں شرک کرتے۔ سو انہوں نے الہ سے شرک کیا، اللہ سے نہیں، یہ سمجھ۔ بولے: ﴿کیا اس نے تمام خداؤں کو ایک الہ بنا دیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے﴾ (ص:۵) انہوں نے یہ نہیں کہا: اس نے تمام خداؤں کو اللہ بنا دیا؛ کیونکہ مشرکین کے نزدیک بھی اللہ بنانے سے نہیں، اللہ نے اِس لفظ کو محفوظ رکھا کہ غیر اللہ پر اِس کا اطلاق ہو، جبکہ لفظ الہ کو محفوظ نہ رکھا...

اسی لیے تو سامری نے بھی بچھڑے کے لیے کہا: ﴿یہ تمہارا اور موسیٰ کا الہ ہے﴾ (طٰہٰ:۸۸) یہ نہیں کہا: یہی وہ اللہ ہے جس کی طرف موسیٰ تمہیں بلاتے ہیں۔ اور فرعون کا کہنا: ﴿شاید میں موسیٰ کے الہ کو دیکھ پاؤں﴾ (القصص:۳۸) یہ نہیں کہا: اللہ کو دیکھ پاؤں جس کی جانب موسیٰ بلاتے ہیں۔ اسی طرح اس نے کہا: ﴿میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی الہ نہیں جانتا﴾ (القصص: ۳۸) یہ کیا بہترین طرز عمل ہے؛ تاکہ تو جانے کہ فرعون کے پاس بھی علم باللہ تھا، لیکن دنیاوری حکومت اور اُس کی محبت اُس پر غالب تھی؛ اُس نے کہا: ﴿میں تمہارے لیے نہیں جانتا﴾ یہ نہیں کہا: "میں اس عالم کے لیے نہیں جانتا" کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی قوم اس کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتی ہے کہ وہ ان کا خدا ہے، سو اس نے وہی بتایا جو کہ حقیقت تھی، اور اس بتانے میں سچ بولا؛ کیونکہ اس کے علم میں تھا کہ ان کے علم میں فرعون کے سوا کوئی الہ نہیں۔...

اسی لیے سامری نے اپنے قول میں ﴿الہ موسیٰ﴾ کہا؛ کیونکہ تجلی الٰہی صرف الہ اور رب کے لیے ہے، یہ اللہ کے لیے کبھی نہیں ﴿بیشک اللہ بے نیاز ہے﴾ (الممتحنہ:۶) ﴿کہہ دو اللہ احد ہے، اللہ ہی جائے پناہ ہے۔ نہ اس نے جنا اور نہ وہ جنا گیا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں﴾ (الاخلاص:۱-۴) (مخطوط: السفر-۲۳، ص ۲۸ب)

[۷۴] شیخ اکبر اپنی کتاب "عقلۃ المستوفز" میں فرماتے ہیں: آج اس عرش کو اٹھانے والے چار (فرشتے) ہیں مگر قیامت والے روز آٹھ ہوں گے: پہلا فرشتہ حضرت اسرافیل کی صورت پر، دوسرا حضرت جبرائیل کی صورت پر، تیسرا حضرت میکائیل کی صورت پر، اور چوتھا رضوان (نگران جنت) کی صورت پر۔ (اور قیامت میں جن مزید چار کا اضافہ ہو گا) پانچواں مالک (داروغہ جہنم) کی صورت پر، چھٹا حضرت آدم علیہ السلام کی صورت پر، ساتواں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت پر اور آٹھواں

، حضرت محمد ﷺ کی صورت پر۔ یہ ان کے مقامات کی صورت ہے ان کی نشأۃ کی صورت نہیں۔
شیخ اکبر اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۳ میں فرماتے ہیں: ہم نے ابن مسرہ الجبلی سے روایت کیا، اور آپ علم، حال اور کشف میں بہت بڑے اہل طریقت گزرے ہیں، آپ فرماتے ہیں: محمول عرش ہی بادشاہت ہے، اور یہ جسم، روح، غذا اور مرتبے میں محصور ہے۔ پس آدم اور اسرافیل صورتوں کے لیے، جبرائیل اور محمدؐ ارواح کے لیے، میکائیل اور ابراہیم رزقوں کے لیے، اور مالک اور رضوان وعد اور وعید کے لیے ہیں۔... اس کے اٹھانے والوں سے مراد اس کی تدبیر کرنے والے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے باب نمبر ۱۳ ملاحظہ کریں (مخطوط: السفر-۲، ص ۱۲۹ ب)
فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۷۱ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے فرشتوں کو عرش کے انوار سے تخلیق کیا، یہ عرش کے ارد گرد تھے، اور جو تخلیق کیے ان میں سے چار فرشتوں کو عرش اٹھانے والا بنایا، ان چارپایوں سے کہ جن پر عرش قائم ہے۔... اور اس کے کونوں کو رتبے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بنایا، سو مجھے (یعنی ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کو) اس کے بہترین کونے میں اُتارا اور مجھے بھی اِس کے اٹھانے والوں میں سے بنایا۔ بیشک اللہ نے عرش اٹھانے والے فرشتوں کو تخلیق کیا، لیکن صنف انسانی میں بھی وہ صورتیں ہیں جو عرش اٹھاتی ہیں، (وہ عرش) جس پر اسم الرحمٰن مستوی ہے، اور میں بھی انہی میں سے ہوں۔ اور (عرش) کا سب سے بہترین پایہ ہمارے لیے ہے؛ یہ ذخیرۂ رحمت ہے؛ پس اُس نے مجھے مطلقاً رحیم بنایا حالانکہ میں مصیبتوں کا علم رکھتا ہوں۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ یہاں کوئی ایسی سختی نہیں جس میں آسانی نہ ہو، اور کوئی ایسا عذاب نہیں جس میں رحمت نہ ہو، کوئی ایسا قبض نہیں جس میں بسط نہ ہو اور کوئی ایسی تنگی نہیں جس میں آسودگی نہ ہو؛ سو مجھے دونوں باتوں کا علم ہے۔ میری دائیں جانب والا پایہ بھی پایۂ رحمت ہے؛ لیکن اس میں سختی کا علم نہیں؛ سو اِس کو اٹھانے والا درجے میں پایۂ عظمیٰ-جو کہ عام تر پایہ ہے-کے اٹھانے والے سے کم تر ہے۔ میری بائیں جانب سختی اور قہر کا پایہ ہے، اُس کو اٹھانے والا اِس (سختی اور قہر) کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ اور وہ چوتھا پایہ جو میرے سامنے ہے، اُس پر بھی میرے پائے سے فیض جاتا ہے، جیسا کہ وہ ہے، چنانچہ وہ بھی اِسی کی صورت پر ظاہر ہوا؛ پس یہ نور اور ظلمت ہے، اور اِس میں رحمت اور شدت ہے۔
(مخطوط: السفر-۲۶، ص ۹۹)

۷۵ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: بیشک نفس کی فطرت میں مال کی محبت اور اس کا جمع کرنا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اور یہ مال سے بہت شدید محبت کرتا ہے﴾ (العادیات: ۸)

۷۶ اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے رسائل ابن العربی (جلد-اول) کتاب الحجب دیکھیں۔

[۷۷] یعنی سننے، دیکھنے اور بولنے کا ادراک ایک ہی ہے، یہ ان معاملات میں سے ہے جن میں ایک حِس دوسری حِس میں شامل ہو جاتی ہے، جیسا کہ بعض جانور اپنی جلد سے ہی سنتے ہیں گویا کہ ان کی جلد ہی حِس سماعت اور حِس لمس بن جاتی ہے۔ مثلاً کوبرا سانپ تھر تھراہٹ کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ اپنے جسم کو حرکت دے کر اس کا جواب بھی دیتا ہے۔

[۷۸] فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۶۷ میں شیخ اکبر اپنی معراج کا واقعہ لکھتے ہیں، چھٹے آسمان میں آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے ان سے سوال کیا: کیا آپ اب بھی دوسروں کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں جس کے نتیجے میں تمام بھلائی آپ کو مل جائے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: انسان کا کسی دوسرے کے لیے بھاگ دوڑ کرنا حقیقت میں اس کا اپنے لیے بھاگ دوڑ کرنا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ دوسروں سے شکر سمیٹتا ہے، اور شکر کرنے والا بہترین تعریفات سے اللہ کی تعریف کرنے والا ہوتا ہے، اور بھاگ دوڑ کرنے والے نے ہی اس سے یہ تعریفات کروائیں؛ پس بھاگ دوڑ کرنے والا اپنی اور اپنے غیر کی زبان سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: "اے موسیٰ! میرا ذکر اس زبان سے کر جس سے تو نے میری نافرمانی نہ کی ہو۔" لہذا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ زبانِ غیر سے مجھے یاد کر؛ یعنی احسان اور کرم کا حکم دیا۔ (مخطوط: السفر-۲۵، ص ۸۹)

[۷۹] سنن ابن ماجہ (۲۱۱) مسند احمد بن حنبل (۱۱۸۳۱) مستدرک حاکم (۲۰۰۳) مسند الطیالسی (۲۲۲۶) نے انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں دو طرح کے لوگ اہل اللہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ دو کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اہل قرآن جو اہل اللہ اور اس کے خاص ہیں۔ شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح وضعیف سنن ابن ماجہ)

[۸۰] آپ کا مکمل نام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ تھا لیکن آپ الفراء کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ ۱۴۴ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے دور کے ائمہ کرام سے علم حاصل کیا جن میں ابو الحسن الکسائی، یونس بن حبیب زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے علم نحو پر بہت کام کیا اور آپ کی انہی خدمات کے اعتراف میں آپ کو عربی زبان کا امام اور نحو کا امیر المؤمنین کہا گیا۔ آپ نے بہت سی کتب تصنیف کیں جن میں سب سے مشہور قرآن مجید کی تفسیر "معانی القرآن" ہے۔ اپنی اسی کتاب "معانی القرآن" میں لفظ رجس کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لغت میں رجس النتن (یعنی گندگی) کو کہتے ہیں۔ (تفسیر سورہ انعام، آیت ۱۲۵) آپ کا انتقال سن ۲۰۷ھ میں ہوا۔

[81] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۲۹ میں فرماتے ہیں: چونکہ رسول اللہ ﷺ خالص بندے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اور آپؐ کے گھر والوں کو پاک کیا اور ان سے ناپاکی کو دور کر دیا؛ یہ ہر وہ چیز ہے جو انہیں عیب دار کرے۔ بیشک عربوں کے نزدیک "رجس" گندگی ہی ہے، الفرّاء نے یہی کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بیشک اللہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت اللہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تمہیں ہر طرح سے پاک کر دے﴾ (الاحزاب: ۳۳) سو ان کی جانب ہمیشہ پاک کی اضافت ہی کرنی چاہیے، کیونکہ ان کی طرف اضافت دیا گیا ان جیسا ہے، اور وہ بھی اسے ہی اپنی جانب منسوب کرتے ہیں جو پاک اور مُطہّر ہو۔ یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے طہارت، حفاظت الٰہی اور عصمت کی شہادت ہے، جیسا کہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سلمان ہم میں (یعنی) اہل بیت میں سے ہیں۔" اللہ نے بھی اِن کی پاکیزگی اور ان سے گندگی دور کرنے کی گواہی دی، چونکہ ان میں صرف وہی شامل ہو سکتا ہے جو مطہر اور مقدس ہو، اور صرف اس شمولیت سے اُسے عنایتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے تو پھر اہل بیت کے نفوس کے بارے میں تیرا کیا خیال؟ وہ تو پاک ہیں؛ بلکہ وہ عین طہارت ہیں۔...

پس اولادِ فاطمہ کے تمام سید- یا جو بھی روز قیامت تک اہل بیت میں شامل ہیں جیسا کہ سلمان فارسی وہ- اِس آیت کے مغفرت والے حکم میں شامل ہیں۔ پس وہ اللہ کے اختصاص سے مطہر ہیں، ان پر یہ عنایت محمد ﷺ کے شرف اور اللہ کی آپؐ پر عنایت سے ہے۔ اہل بیت کے اس شرف کا حکم آخرت میں ظاہر ہو گا؛ کہ انہیں مغفور جمع کیا جائے گا۔ جہاں تک دنیا کا تعلق ہے، ان میں سے اگر کسی پر حد واجب ہو تو قائم کی جائے گی۔ (مخطوط: السفر-۳، ص ۷۲)

[82] شیخ اکبر نے شیخ ابو العباس الخشاب قدس اللہ سرہ کو "المحدثون" کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں: محدثون دو گروہ ہیں: ایک وہ جن سے حق تعالیٰ بات کے حجاب کے پیچھے سے کلام کرتا ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے﴾ (الشوریٰ: ۵۱) اس گروہ کے مزید بہت زیادہ طبقات ہیں۔ دوسرا وہ گروہ جن سے فرشتوں جیسی ارواح ان کے دلوں میں یا ان کے کانوں میں بات کرتی ہیں۔

[83] آپ کا نام شعیب بن حسین الانصاری، لقب: غوثِ تلمسانی اور کنیت: ابو مدین تھی۔ آپ اشبیلیہ کے نواحی علاقے حصن قطینانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن میں ہی والد کی وفات کے بعد آپ کے بھائی نے بکریاں چرانے پر لگا دیا مگر آپ بھاگ کر اشبیلیہ چلے آئے پھر شریس، پھر جزیرہ الخضراء، پھر طنجہ، پھر سبتہ جہاں آپ نے مچھیروں کے ہاں کچھ مدت مزدوری کی، پھر مراکش اور آخر میں فاس

پہنچے جہاں آپ نے کافی عرصہ علم اور عبادت میں صرف کیا اور جب آپ کا نفس مطمئن ہو گیا تو بجایہ میں سکونت اختیار کی۔ آپ نے شیخ عبد القادر الجیلانیؒ سے سفر سلوک اخذ کیا، شیخ ابو الحسن بن حرزھم آپ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ آپ عرفان کے امام اور دین کے اساطین میں سے تھے۔ شیخ اکبرؒ آپ کو اپنا روحانی شیخ اور شیخ الشیوخ کہتے ہیں، آپ کا ذکر اقطاب میں کرتے ہیں۔ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ ملا اعلی میں آپؒ کو ابو النجا وبہ کہا جاتا ہے اور آپؒ اس امام کے مقام پر متمکن تھے جو قطب کے بائیں طرف ہوتا ہے جس کا نام "عبد الرب" ہوتا ہے۔ آپ کافی عرصہ اس منصب پر فائز رہے یہاں تک کہ آپ کی زندگی جب گھنٹہ، دو گھنٹے رہ گئی تو آپ کو مقام قطبیت پر فائز کیا گیا جس پر آپ کا انتقال ہوا۔ عبد الوہاب الشعرانیؒ آپ کا تعارف مشائخ مغرب کے سب سے بڑے شیخ کی حیثیت سے کرواتے ہیں، تمام مشائخ آپ کی تعظیم اور اِجلال پر متفق ہیں، آپ نہایت ہی خوش دل، خوبصورت، عاجز، زاہد اور پرہیز گار تھے۔ آپ کثیر مریدین والے تھے، آپ کے ہاتھ پر ایک ہزار سے زائد ایسے مریدین نے بیعت کی جن سے کرامات کا ظہور ہوا۔ آپ حارث المحاسبیؒ کی الرعایہ، امام غزالیؒ کی احیاء علوم الدین، المقصد الاسنی فی اسماء اللہ الحسنی، سنن الترمذی اور رسالہ قشیریہ کا درس دیا کرتے تھے۔ امام مالکؒ کے مذہب پر فتاوی دیتے، آپ کے دور کے بڑے اولیا آپ سے مشکل ترین مسائل میں جواب طلب کرتے اور آپ ان کی رہنمائی کرتے۔ آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے غالب گمان ۵۹۴ھ کا ہی ہے۔

۸۴ تفویض کا لغوی مطلب سپردگی، حوالگی، تسلیم یا سپرد کرنا ہے۔ راہِ طریقت میں اس سے مراد ہر کام کو خدا کے حوالے کرنا اور ہمہ تن اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا ہے۔

۸۵ شیخ اکبر اپنی کتاب روح القدس میں آپ کا ذکرِ جمیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ نے شیخ ابو مدین کی بہت خدمت کی۔ شیخ آپ کو "الحاج المبرور" (یعنی ایسا شخص جس کا حج قبول ہوا ہو) کہا کرتے تھے۔

شیخ ابو مدین آپ سے بہت پیار کرتے تھے، ایک دن آپ سے کہتے ہیں: "اے ابو عبد اللہ! میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلا بلا کر عاجز آگیا ہوں اور کوئی مثبت جواب نہیں دیتا، میں چاہتا ہوں کہ تو میرا ساتھ دے، میرے ساتھ ان پہاڑوں میں چل اور کسی غار میں میری موت تک میرا ہم نشین بن۔" آپ فرماتے ہیں: یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے جان لیا کہ اللہ کے نزدیک مجھ خاکسار کا بھی کوئی مقام ہے۔ اُس رات جب میں سویا تو میں نے خواب میں شیخ (ابو مدین) کی زیارت کی، جب آپ لوگوں سے بات کرتے تو سورج بن جاتے اور جب خاموش ہوتے تو چاند بن جاتے۔ صبح میں نے

یہ خواب آپ کو سنایا تو آپ مسکرائے اور بولے: الحمد للہ! بیٹا میں سورج بننا چاہتا ہوں کیونکہ سورج ہر ظلمت کو مٹاتا ہے اور ہر پریشانی کو دور کرتا ہے۔

شیخ اکبر اپنا واقعہ لکھتے ہیں: ایک رات اللہ عز و جل نے مجھے مقامات پر مطلع کیا اور اِن پر چلایا یہاں تک کہ میں مقامِ توکل تک پہنچا۔ میں نے اپنے شیخ عبد اللہ المورروری کو اِس مقام کے عین وسط میں پایا، یہ مقام آپ کے گرد ایسے گھوم رہا تھا جیسے چکی اپنے مرکز کے گرد گھومتی ہے، آپ غیر متزلزل اور ثابت قدم تھے۔ پس میں نے یہ مقام آپ کے لیے لکھ لیا۔ میں نے آپ کے ساتھ اچھا وقت گزارا اور آپ سے بہت فیض پایا۔ (اصلاح نفس کا آئینہ حق، ص ۲۷۷)

۸۶ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: ایمان کے دو حصے ہیں، یہ آدھا خوف اور آدھا امید ہے، لہذا جس نے امید چھوڑ دی اس نے آدھا ایمان چھوڑ دیا، اور ان دونوں (خوف اور امید) کا متعلق عدم ہے۔ جب علم حاصل ہوتا ہے تو وجود حاصل ہوتا ہے اور عدم زائل ہوتا ہے، علم نے ایمان کا حکم زائل کر دیا: کیونکہ اس نے وہ دیکھ لیا جس پر ایمان لایا تھا چنانچہ اب وہ صاحب علم ہو گیا۔ ایمان تقلید ہے، اور تقلید بھی علم کے برخلاف ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۳، ص ۱۵۰)

۸۷ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اولیاء اللہ میں خوف کھانے والے مرد اور عورتیں بھی ہیں۔ اللہ تعالی نے انہیں اپنے خوف سے اپنا دوست بنایا، یا اپنے حکم کی تعمیل میں انہیں کسی شے سے خوف دلایا، فرمایا: ﴿اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ہی خوف کھاؤ﴾ (آل عمران: ۱۷۵) اور ان کی تعریف کی کہ یہ: ﴿اس روز سے خوف کھاتے ہیں جس میں قلوب اور نگاہیں پلٹ جائیں گی﴾ (النور: ۳۷) ﴿اور وہ برے حساب سے ڈرتے ہیں﴾ (الرعد: ۲۱) جب یہ اس سے ڈرے تو اس صفت میں ملأ اعلی سے جا ملے؛ کہ وہ ان کے بارے میں کہتا ہے: ﴿وہ اپنے اوپر اپنے رب سے خوف کھاتے ہیں اور جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں﴾ (النحل: ۵۰)...

اللہ کے ساتھ ان کا ادب یہ ہوا کہ وہ "روز" سے ڈرتے ہیں اور جو اس میں واقع ہوتا ہے، کہ اللہ نے انہیں اس سے ڈریا۔ اور جب وہ اس ادب سے متحقق ہوئے تو اللہ نے بھی ان کی تعریف کی: ﴿یہ اس روز سے ڈرتے ہیں﴾ یہ "زمانے کا خوف" ہے۔ جہاں تک "حال کے خوف" کی بات ہے تو یہ اس کا کہنا ہے: ﴿اور وہ برے حساب سے ڈرتے ہیں﴾ (الرعد: ۲۱) یہ اللہ کے ساتھ ادب والے لوگ ہیں: کہ وہیں ٹھہر گئے جہاں اس نے انہیں ٹھہرا دیا۔ اکثر اللہ والے یہ ادب نہیں سمجھتے، اور نہ ہی ان موجودات سے گزرتے ہیں جن سے انہیں خوف دلایا گیا، بلکہ اپنا معاملہ اللہ سے جوڑتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے ایک دوسرا لقب ہے اسم الخائف نہیں۔ اصل خائف لوگ جو اس اسم کے مستحق ہیں

وہ ادب والے ہی ہیں۔

اللہ تعالی نے اپنے رسول موسی علیہ السلام پر وحی کی: "اے موسی! مجھ سے ڈر اور اپنے نفس سے ڈر" یعنی اپنی خواہش سے "اور اس سے ڈر جو مجھ سے نہیں ڈرتا" یہ اللہ کے دشمن ہی ہیں۔ پس اللہ نے آپ کو اپنے غیر سے ڈرنے کا حکم دیا۔ سو اَدب والوں نے اللہ کا حکم مانا اور اِس ٹھکانے میں یہ اُن لوگوں سے ڈرے، جیسا کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے اللہ کے سوا احسان کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا، اس لیے نہیں کہ ان کے ہاتھوں ان تک نعمتیں پہنچیں۔ یہ لوگ اپنے شکر اور اپنے خوف میں عبادت الہی میں ہوتے ہیں۔ یہ عارفین سے پوشیدہ ایک باریک راستہ ہے، سو عوام کے بارے میں تیرا کیا گمان؟ جہاں تک درمیانی اصحاب احوال کی بات ہے، تو وہ اسے نہیں جانتے؛ کیونکہ وہ اپنے احوال کے غلبے تلے ہوتے ہیں۔ (مخطوط: السفر–۱۱، ص ۱۴۰ اب)

[۸۸] شیخ اکبر محیی الدین محمد ابن العربی نے ان کا تذکرہ "رجال الھیبہ والجلال" میں کیا ہے، فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اسی طرح ہر زمانے میں چار نفوس – نہ اس سے کم نہ زیادہ – ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہیبت اور جلال والے لوگ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالی کی کتاب میں ان کی آیت یہ ہے: ﴿اللَّـهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ (الطلاق: ۱۲) اسی طرح سورہ ملک کی یہ آیت: ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَـٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ﴾ (الملک: ۳)... یہی وہ لوگ ہیں جو اوتاد کی امداد کرتے ہیں۔ ان کے احوال پر روحانیت کا غلبہ ہے۔ ان کے قلوب آفاقی ہیں، یہ زمین میں غیر معروف اور آسمان میں معروف ہیں۔ (مخطوط: السفر – ۱۱، ص ۸۲ب)

[۸۹] زمانہ جاہلیت کا سب سے مشہور عربی شاعر جس کا پورا نام امرؤ القیس بن حجر تھا۔ یہ ان سات شعرا میں سے تھا جن کے اشعار سونے کے پانی سے لکھوا کر خانہ کعبہ کے پردوں پر لٹکا دیئے جاتے تھے۔

[۹۰] یہ حدیث مسند احمد بن حنبل (۲۱۰۳۳) مستدرک حاکم (۱۷۶۷) مسند الشهاب القضاعی (۸۰۱) اور دیگر کتب میں مختلف روایات اور الفاظ سے منقول ہے۔ شیخ البانی نے حضرت عائشہ کی روایت سے ان الفاظ کو حسن قرار دیا ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: "احتیاط تقدیر کو بدل نہیں سکتی لیکن دعا اس میں فائدہ دیتی ہے جو نازل ہوا یا نازل نہیں ہوا۔ اور بیشک مصیبت نازل تو ہوتی ہے مگر دعا اس کا انتظار کرتی ہے اور قیامت تک اس کا مقابلہ کرتی ہے۔" (صحیح وضعیف الجامع الصغیر)

[۹۱] مستقیم، افقی اور منکوس حرکت کی تعریف یوں ہے: ایک وہ ظاہری حرکات جن کا موازنہ انسان سے کیا جائے، مثلاً: اللہ نے انسان کو چھ جہات والا بنایا۔ اوپر: یہ سر سے اوپر کی جانب ہے، نیچے: یہ اوپر

کے الٹ اور ٹانگوں سے نیچے ہے۔ دائیں جہت اس کے مضبوط حصے کی طرف ہے اور بائیں جہت اِس کے الٹ کمزور حصے کی طرف ہے، آگے: یعنی اس کے چہرے سے آگے کی طرف، اور اس کے الٹ پیچھے ہے جو کہ اس کی پشت کی جانب ہے۔ ان جہات میں اگر یہ حرکات تلاش کی جائیں تو عمودی حرکت اس کے سر کی جانب ہے، منکوس حرکت اس کی ٹانگوں کی جانب ہے اور افقی حرکت باقی کی چار جہات میں اس کی حرکت ہے۔ یہ تو ہو گئی ان حرکات کی ایک ظاہری تعریف۔

لیکن ان حرکات کی طبیعیہ کے لحاظ سے بھی ایک تعریف ہے، اور اس بارے میں شیخ فرماتے ہیں: "علما نے نباتات کی حرکت کو جس ظاہری جہت کی وجہ سے منکوس کہا تو اس بارے میں انہوں نے پوری طرح سے غور و فکر نہیں کیا، بلکہ ہمارے نزدیک نباتات کی حرکت مستقیم ہے۔" یہاں شیخ نے مستقیم کا لفظ استعمال کیا جس کا مطلب سیدھا یا درست ہوتا ہے۔ "کیونکہ ان کی حرکت نمو کے لیے تھی، اور ہر انسان اور حیوان اپنے نمو کے لیے جو حرکت کرتا ہے تو وہ نبات ہونے کی حیثیت سے ہی کرتا ہے" اور یہ حرکت مستقیم ہے۔ "نمو کے اعتبار سے نباتات کی حرکات مختلف نہیں، حرکات میں اختلاف تب آتا ہے جب وہ نمو کے لیے نہ کی جائیں، مثلاً جہات میں حرکت کرنا۔

بے شک کسی حرکت کرنے والے کی جانب سے جہات میں حرکت، حرکت دینے والے کی حرکت کے ارادے والی وہ نسبت ہے جس سے اس جسم نے حرکت کی۔ بعض اوقات حرکت دینے والا حرکت کرنے والے کا عین ہوتا ہے، جس کی مثال اختیاری حرکت ہے۔ بعض اوقات ایک حرکت کرنے والے میں کسی دوسرے حرکت کرنے والے کی وجہ سے حرکت ہوتی ہے، اور اس میں کسی دوسرے سے، یہاں تک کہ حرکت دینے والے تک پہنچا جائے۔

اگر کوئی جسم اپنی طبیعی حرکت کرتا ہے تو یہ اس کی طبیعی اور مستقیم حرکت کہلائے گی، جیسا کہ شعلہ تیل کی جانب جاتا ہے، پتھر زمین کی طرف آتا ہے۔ اگر آگ اوپر کی بجائے نیچے کو جائے اور پتھر اوپر کو جائے تو یہ منکوس یا الٹ حرکت کہلائے گی، یہ جبری حرکت ہے۔ اگر کوئی جسم اپنی نشو و نما مکمل کر گیا اور اس کے بعد بھی اس نے اس جانب حرکت کی تو اس کی یہ حرکت نشو و نمائی حرکت نہیں، بلکہ یہ اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا (افقی حرکت) ہے، چاہے اوپر کو ہو یا نیچے کو۔ (ماخوذ از فتوحات، السفر-۱۷، ص۸۷) ان تمام تر تعریفات سے یہ واضح ہے کہ مستقیم حرکت طبیعی اور نشو و نما والی حرکت ہے جبکہ منکوس حرکت جبری حرکت ہے اور افقی حرکت منتقل ہونے والی حرکت ہے۔

فتوحاتِ مکیہ اردو ترجمہ

آج ہمیں یہ اعلان کرتے ہوئے نہایت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہم نے ابن العربی فاؤنڈیشن میں شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی اور مشہور کتاب فتوحات مکیہ کے اردو ترجمے کا آغاز کر دیا ہے۔ ابتدا میں ہم شیخ اکبر کے مرتب کردہ طریقے کے مطابق (۳۷) سینتیس اجزا میں سے دو اجزا شائع کیے ہیں۔

فتوحات مکیہ شیخ اکبر کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کے بارے میں آپ کا کہنا ہے کہ "ایسی کتاب نہ پہلے کبھی لکھی گئی ہے اور نہ آیندہ کبھی لکھی جائے گی۔" آپ نے اس تصنیف کا آغاز سن ۵۹۸ھ میں مکہ مکرمہ سے کیا فرماتے ہیں: "اس کتاب میں میں نے زیادہ تر وہ باتیں بیان کی ہیں جو اللہ تعالی نے اپنے عزت والے گھر کے طواف، یا اس کے پاس بیٹھنے کے دوران مجھ پر کھولیں۔" اور ٹھیک ۳۰ سال بعد ۶۲۹ھ دمشق میں آپ نے اسے مکمل کیا۔ یہ وہ کتاب ہے جو صحیح معنوں میں شیخ اکبر کے علوم کا خلاصہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "میں نے اس کتاب میں اس کے کثیر الحجم ہونے کے باوجود بھی راہ طریقت کی کسی ایک خاطر کو پوری طرح بیان نہیں کیا اور نہ ہی راہ طریقت کا کوئی نقطہ اس کتاب میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔" لہذا فتوحات مکیہ ہی اس راہِ طریقت کا جامع اختصار ہے۔

آج اللہ تعالی کی توفیق اور مدد سے ابن العربی فاؤنڈیشن میں ہم اِس عظیم کتاب کو سہل معاصر اردو میں شائع کرنے کے لیے پُرعزم ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم کام کے لیے منتخب کر لے، اس کام کو ہمارے لیے آسان بنا دے اور ہمارے لیے ایسے اسباب مہیا کرے جن سے ہم محض اس کی توفیق سے اس کام کو احسن طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکیں۔ آمین یارب العالمین۔

ابرار احمد شاہی

اصلاح نفس کا آئینۂ حق

روح القدس فی مناصحۃ النفس

یہ رسالہ فقیر الی اللہ محمد بن علی ابن العربی الطائی الحاتمی الاندلسی نے شہر مکہ میں سن ۶۰۰ ہجری میں عبد العزیز بن ابو بکر القرشی المہدوی -المغرب کے شہر تیونس والے- کے نام تحریر کیا، اللہ تعالی ان دونوں سے راضی ہو، ان دونوں اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

اے دوست! جان لے کہ یہ رسالہ تجھ پر اللہ کا سب سے بڑا احسان اور تیری طرف اس کا سب سے مبارک تحفہ ہے۔ اللہ نے تیرے دوست اور تیرے یار کو یہی حکم دیا تھا کہ وہ یہ باتیں تیرے گوش گزار کر دے ﴿بیشک اللہ تعالی حق گوئی سے شرم نہیں کرتا﴾ (الاحزاب: ۱۵۳) اور اللہ کا حق تو سب سے بڑھ کر ہے۔

یہ کتاب پانچ اجزا پر مشتمل ہے جس میں شیخ اکبر نے نفس کو زیر کرنے کے لیے اس کے ساتھ ایک مکالمے اور مناظرے کا سا انداز اپنایا ہے۔ نفس کو نہ صرف اس کی خامیوں سے آگاہ کیا ہے بلکہ نیک اور برگزیدہ ہستیوں کے طرز عمل سے اس کے لیے اتباع کی سند پیش کی ہے۔ کتاب میں شیوخ شیخ اکبر اور ان کے حالات کو نہایت جامع اور واقعاتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ علم حقیقت اور شریعت کو واضح کیا گیا ہے اور آخری حصے میں ایک جامع نصیحت سے نفس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

ابن العربی فاونڈیشن کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ پہلی دفعہ بین الاقوامی سطح پر کتاب کا تحقیق شدہ عربی متن شائع ہو رہا ہے۔ ترجمہ نہایت شستہ اور آسان ہے۔ کتاب اعلی معیار کے عین مطابق شائع کی گئی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین یارب العالمین!

ابرار احمد شاہی

فصوص الحکم وخصوص الکلم

یہ شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی الطائی الحاتمی کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک کتاب ہے، یہ آپ کو خواب کی صورت میں القا کی گئی اس کے بارے میں شیخ فرماتے ہیں: میں نے ایک بشارت دینے والے خواب میں نبی کریم ﷺ کا دیدار کیا، یہ خواب مجھے سن ۶۲۷ھ اخیر عشرہ محرم، شہر دمشق میں دکھلایا گیا۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، مجھے بولے: ”یہ کتاب فصوص الحکم ہے، اسے پکڑو اور لوگوں تک پہنچاؤ تاکہ وہ اِس سے فائدہ اٹھائیں۔“

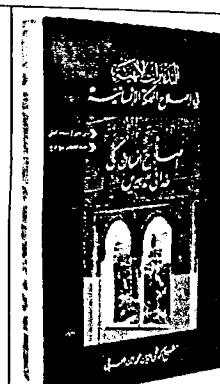
یہ کتاب ۲۷ فصوص پر مشتمل ہے اور ہر فص کو کسی ایک نبی سے مخصوص کیا گیا ہے، جس میں اس نبی کے قول یا فعل کے لحاظ سے حقائق اور معارف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کا اصل موضوع حقیقت کی معرفت بخشنا ہے، اس سلسلے میں اعیان ثابتہ کے نظریے کو استعمال میں لایا گیا ہے۔

کتاب تحقیق شدہ عربی متن، سلیس اردو ترجمے، اور حواشی کے شائع کی گئی ہے۔ عربی متن کو شیخ صدر الدین قونوی کے ہاتھ سے لکھے نسخے سے اخذ کیا گیا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ مزید ۶ نسخوں سے مدد لی گئی ہے۔ اردو ترجمہ سلیس رکھا گیا ہے اور مشکل مقامات پر ۷ سے زائد شروحات سے حواشی نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں شرح داؤد القیصری، شرح بالی آفندی، شرح جامی، شرح عبد الغنی النابلسی اور شرح مہائمی اہم ہیں۔

ابن العربی فاونڈیشن کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ پہلی دفعہ بین الاقوامی سطح پر کتاب کا تحقیق شدہ عربی متن شائع ہوا ہے۔ ترجمہ نہایت شستہ اور آسان ہے۔ کتاب اعلیٰ معیار کے عین مطابق شائع کی گئی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین یارب العالمین!

ابرار احمد شاہی

ابن العربی فاونڈیشن - فہرست



التدبیرات الإلهیة في إصلاح المملكة الإنسانیة (اصلاح انسان کی خدائی تدبیریں)

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں روح نفس اور خواہش کی حقیقت بیان کی ہے اور ان تمام جنگوں کا ذکر کیا ہے جو اس شہر جسم کی تدبیر میں روح اور خواہش کے درمیان جاری ہیں۔ کتاب مقدمہ تمہید اور بائیس ابواب پر محیط ہے۔ کتاب تحقیق شدہ عربی متن، اردو ترجمے اور منتخب مقامات کی شرح کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

Price: Rs 999/$ 45-- USD
Pages: 472, Edition: 2nd, 2014
ISBN: 978-969-9305-06-1





الفتوحات المكية (جلد: ٣٦ - ٣٧)

شیخ اکبر کی مشہور ترین کتاب فتوحات مکیہ کا آخری باب پہلی مرتبہ تحقیق شدہ عربی متن اور سلیس اور قابل فہم اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ یہ دو جلدیں کتاب کے آخری باب پر مشتمل ہیں اور یہ باب اس قدر آسان ہے کہ ہر کوئی اسے پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔ ان شاء اللہ اگر اللہ نے چاہا تو باقی جلدوں پر بھی کام ہوگا۔

PRICE: Rs 1100/$ 25- USD (EACH)
PAGES: 448, EDITION: 1ST, 2016
ISBN (VOL-36): 798-969-9305-092
ISBN (VOL-37): 798-969-9305-108



مشكاة الأنوار فيما روي عن الله من الأخبار

101-احادیث قدسی (اردو ترجمہ) اعلیٰ ایڈیشن

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے سن 599ھ میں شہر مکہ میں احادیث قدسی کا یہ بیش قیمت مجموعہ مرتب کیا۔ ابن العربی فاونڈیشن کی طرف سے کتاب مکمل اعراب شدہ عربی متن اور سہل اردو ترجمے اور منتخب احادیث کی شرح پر مشتمل ہے۔

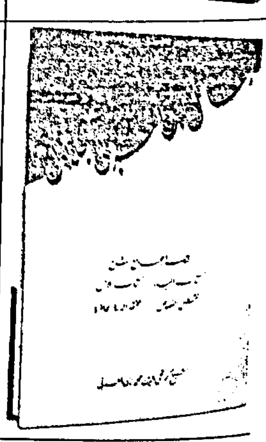
PRICE: Rs 600/$ 25– USD
PAGES: 256, EDITION: 2ND, 2016
ISBN: 978-969-9305-03-0

ابن العربی فاونڈیشن - فہرست

روح القدس في مناصحة النفس (اصلاح نفس کا آئینہ حق)

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب نفس کے ساتھ ایک مکالمہ ہے۔ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے، اس میں صحابہ کرام کے احوال سے لے کر اپنے دور تک کے شیوخ کے واقعات کے ذریعے نفس کو نیکی کی رغبت دلائی گئی ہے۔ راہ طریقت کی حقیقت جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل ضروری ہے۔

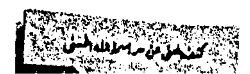
PRICE: Rs 990/$ 45– USD
PAGES: 529, EDITION: IST 2012
ISBN: 978-969-9305-04-7



رسائل ابن العربي (جلد - اول)

اس مجموعے میں شیخ اکبر کے پانچ رسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ اور یہ پانچوں رسائل پہلی مرتبہ تحقیق شدہ عربی متن، اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیے گئے ہیں، جو کہ ایک اعزاز ہے۔ ان رسائل میں کتاب الحجب اہمیت کا حامل ہے جس میں شیخ نے مختلف اقسام کے حجابات کا ذکر کیا ہے۔ دیگر رسائل میں کتاب الباء، کتاب الازل، نقش الفصوص اور مختصر الدرة الفاخرة شامل ہیں

PRICE: Rs 1155/$ 45– USD
PAGES: 512, EDITION: 1ST, 2014
ISBN: 978-969-9305-05-4



کشف المعنیٰ عن سر أسماء الله الحسنیٰ (اسمائے الٰہیہ کے اسرار و معانی)

ہے۔ دیگر رسائل میں کتاب الباء، کتاب الازل، نقش الفصوص اور مختصر الدرۃ الفاخرہ شامل ہیں

PRICE: Rs 1155/$ 45– USD
PAGES: 512, EDITION: 1ST, 2014
ISBN: 978-969-9305-05-4

کشف المعنی عن سر أسماء اللہ الحسنی (اسمائے الٰہیہ کے اسرار و معانی)

اسمائے الٰہیہ کے حقائق پر مبنی اپنی طرز کی ایک منفرد کتاب جس میں شیخ اکبر نے 99 اسمائے الٰہیہ سے تعلق، تحقق اور تخلق کی حقیقت بیان کی ہے۔ جو حضرات اسمائے الٰہیہ کے اصل معانی تک رسائی چاہتے ہوں اُن کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ تحقیق شدہ عربی متن اور ترجمے کے ساتھ ساتھ اسمائے الٰہیہ کی مطالب کی شرح بھی ساتھ دی گئی ہے۔

PRICE: Rs 999/$ 45– USD
PAGES: 432, EDITION: 1ST, 2014
ISBN: 978-969-9305-07-8

مخطوط يوسف آغا ٤٨٥٩

نزال ينزل على قلبه مريده بحوما حتى يجتمع هناك ويترك
الحجاب وراءه فيزول عن الابن والكون ويخشع عن الغيب
فالقرآن المنزل حق كما سماه الله حقا ولكل حق حقيقة وحقيقته
القرآن الانساني كما سئلت عائشة رضي الله عنها عن خلق
النبي صلى الله عليه وسلم فقالت كان خلقه القرآن قال العلماء
أرادت قوله تعالى وانك لعلى خلق عظيم فحق هذا الشعر
لمحي عافيته ان شاء الله تعالى

شعر الرؤية في الايات

والاعتبار وقول الله تعالى سبحان

الذي أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام

الى المسجد الاقصى لنريه من اياتنا

سبحان من اسرى الله بعبده

ليرى الذي اخفاه من اياته

بحضوره في غيبته وبسكره

في صحوه والمحو في اثباته

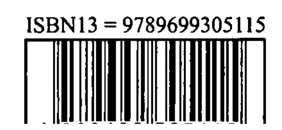
ويرى الذي عنه تكون سره

في منعه ان شاءه وهباته



چونکہ وجود کی بنیاد حرکت پر ہے تو اِس میں سکون کی صلاحیت نہیں؛ کہ اگر وہ ساکن ہو گیا تو اپنی اصل یعنی عدم کی طرف لوٹ جائے گا، سو عُلوی اور سُفلی عالم میں ہمیشہ سفر ہی ہے۔ حقائق الٰہیہ بھی اسی طرح ہمیشہ سے سفر میں ہیں، آ رہے ہیں جا رہے ہیں۔ آسمانِ دنیا پر نزول ربانی کی خبر آئی ہے، [۴] اِسی طرح تنزیہ کے مطابق اور مماثلت و تشبیہ کے بغیر اُس کا آسمان پر قائم ہونے کا بھی ذکر ہے۔ جہاں تک عالم عُلوی کا تعلق ہے تو یہ افلاک - اور جو کچھ ان میں ہے - ہمیشہ سے دائروں میں گھوم رہے ہیں رکتے نہیں، اگر یہ رُک جائیں تو کائنات برباد ہو جائے اور اِس عالم کا نظام تمام ہو کر اپنے انجام کو پہنچ جائے۔ سیاروں کا افلاک میں تیرنا ہی اِن کا سفر ہے ﴿اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دیں﴾ (یسین:۳۹) چار ارکان کی حرکات، ہر لمحے مولدات کی حرکات اور ہر سانس میں تغیّر اور استحالات، افکار کا محمود (قابل تعریف) اور مذموم (قابل مذمت) میں سفر، سانس لینے والے میں سانسوں کا سفر، آنکھوں کا نیند اور جاگتے میں مبصرات (یعنی دیکھی جانی والی اشیا) میں سفر، اور ان کا غور و فکر کی غرض سے ایک دنیا سے دوسری دنیا میں جانا۔ بلا شک و شبہ یہ تمام عقل رکھنے والوں کے نزدیک سفر ہی ہیں۔




ISBN13 = 9789699305115